دشمنِ جاں



محمود احمد مودی

1962ء کا بمبئی آج کے بمبئی سے ظاہر ہے کافی مختلف تھا اور مختصر بھی لیکن اس وقت بھی وہ بہرحال ہندوستان کا سب سے بڑا شہر شمار ہوتا تھا۔ میدان تجارت کے بڑے بڑے نامی گرامی شہسواروں کا یہاں بسیرا تھا۔ بڑے بڑے بدمعاشوں کی زیر زمین سلطنتیں بھی قائم تھیں۔

زمین کے سینے پر روز بہ روز نئی عمارتیں سر اٹھا رہی تھیں اور یہ سب پرانی عمارتوں سے بلند تر تھیں۔ شہر اپنے دامن میں غربت و امارت' شرافت و ذلالت اور بلندی و پستی کے تضادات لیے' چاروں سمتوں میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔

شہر کیا' یہ گویا ایک الگ ہی دنیا تھی اور اس دنیا میں ایک اور چھوٹی سی دنیا آباد تھی۔ ایک دنیائے حیرت' ایک طلسم کدہ' ایک ونڈر لینڈ۔ یعنی فلم نگر۔ روشنیوں کی دنیا۔ جس کے بارے میں ہندوستان کی نوجوان نسل عجیب عجیب سپنے دیکھتی تھی۔ سینما گھروں کی تاریکیوں میں چمکنے والے تمام فلمی ستارے یہیں موجود تھے۔ دور دراز کے رہنے والوں کے لیے بمبئی خوابوں کا شہر تھا جہاں دلیپ کمار' مدھو بالا اور مینا کماری جیسے افسانوی کردار بستے تھے۔

اسی بمبئی کے ایک افلاس زدہ محلے میں ایک چھوٹے سے گھر میں موہن داس رہتا تھا۔ ناموں کے معاملے میں بھی انسان کبھی کبھی بڑی ستم ظریفی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مثلاً اس محلے کا نام دولت نگر تھا لیکن یہاں رہنے والوں نے دولت اگر کبھی دیکھی بھی تھی تو صرف خوابوں میں۔

یہاں رہنے والے بیشتر لوگ وہی تھے جن کی معیشت کی چادر اتنی چھوٹی ہوتی تھی کہ سر

ڈھانپتے ہیں تو پاؤں ننگے ہو جاتے ہیں اور پاؤں ڈھانپتے ہیں تو سر ننگا رہ جاتا ہے۔ جن کے بیشتر روز و شب 'قرض خواہوں کی جھڑکیاں سننے اور تقاضے داروں سے منہ چھپانے' میں گزرتے ہیں۔

موہن داس کے ساتھ اس کے اپنے خیال میں ایک "بدبختی" یہ بھی تھی کہ وہ تھوڑا سا پڑھا لکھا بھی تھا۔ اس لیے عملی زندگی کی ناکامیوں پر اسے دوسروں کی نسبت زیادہ طعنے ملتے تھے۔ ہر زہریلے جملے کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا تھا......... "کیا فائدہ ہوا تمہیں پڑھ لکھ کر؟"

زہریلے جملے سب سے زیادہ موہن داس کی ان پڑھ بیوی پاروتی کی طرف سے آتے تھے۔ جہاں گھر کے مرد گھر کی ضرورتیں کسی طرح بھی پوری نہ کر سکیں وہاں چخ چخ کچھ زیادہ ہی رہتی ہے۔ پاروتی کے ہاتھ میں بھی ہر وقت موہن داس کے "جرائم" کی ایک لمبی سی فہرست رہتی تھی۔

"میں نہ کہتی تھی' اگر تم نان پکوڑوں کا خوانچہ سکول کے سامنے لگانے کے بجائے ریلوے سٹیشن کے سامنے لگا لیتے تو آج چار پیسے بھی گھر میں آ رہے ہوتے اور ریلوے پولیس دوچار آنے روز کا بھتہ لے کر تمہیں دھندا بھی چالو رکھنے دیتی۔ اب خوانچہ بھی میونسپلٹی والے لے گئے اور جرمانہ......... الگ ہوا۔ ٹوٹ گئی نا کمر؟ بھوسا بھرا ہے تمہارے دماغ میں------ کیا فائدہ ہوا تمہیں پڑھ لکھ کر؟"

موہن داس بہت دھیمے مزاج کا آدمی تھا۔ چپ کر کے سب کچھ سنتا تھا۔ ویسے بھی زہر بوند بوند کر کے لہو میں داخل ہوتا رہے تو جسم کا حصہ بن جاتا ہے۔ موہن داس بھی ان کڑوے' کسیلے' زہریلے جملوں کا عادی ہو گیا تھا۔ اپنی ناکامیاں اسے تسلیم تھیں۔ وہ ان پر بہت شرمندہ تھا۔

اس کی افسردہ زندگی میں آس اور مسرت کا بس ایک ہی ننھا سا دیا روشن تھا۔ وہ تھی اس کی بیٹی کملا۔ وہ اس کی اکلوتی اولاد تھی اور سیانی ہو رہی تھی۔ موہن داس کے گھر میں مزید اولاد ہونے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ بس کملا کو دیکھ کر جیتا تھا۔

جس سماج میں وہ رہ رہا تھا وہاں تنگ دست باپ' بیٹیوں کو دیکھ کر کم ہی خوش ہوتے تھے' مگر موہن داس کملا کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔ خون کی کشش کے علاوہ بھی اگر اس کی کوئی وجہ تھی تو وہ موہن داس کو معلوم نہیں تھی۔

شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہو کہ وہ بہت خوبصورت' بہت بھولی بھالی اور بہت کم گو تھی۔ چپ چاپ' سر جھکائے اپنی ہی کسی انجانی دنیا میں مگن رہتی۔ باپ سے کبھی کچھ نہ مانگتی۔ کوئی فرمائش نہ کرتی۔ بچپن میں اس نے کبھی باپ سے گڑیا تک کی فرمائش نہیں کی تھی۔

پہننے کو جو ملتا پہن لیتی۔ کھانے کو جو ملتا کھا لیتی اور بہت خوش رہتی۔ باپ سے بے پناہ محبت کرتی۔ شاید اسی لیے وہ باپ کو بہت اچھی لگتی کہ اس کی محبت میں کوئی غرض' کوئی فرمائش نہیں تھی۔ اسے اپنا باپ اس کی ناکامیوں سمیت عزیز تھا۔ شاید وہ چھوٹی ہونے کے باوجود اپنے باپ کو اپنی ماں سے زیادہ بہتر طور پر سمجھتی تھی۔ وہ اس کے زخمی پندار پر ایک خراش کا بھی اضافہ نہیں کرتی تھی۔ اس کا پیار بے غرض' بے لوث تھا۔

کملا اپنے محسوسات کو صحیح طور پر لفظوں میں تو بیان نہیں کر سکتی تھی' لیکن ہوش سنبھالنے اور ذرا باشعور ہو جانے کے بعد ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کا باپ درحقیقت خوابوں کا بیوپاری تھا۔ گھر کو چلانے کے لیے وہ جو بھی ذریعہ معاش اختیار کرتا تھا مجبوراً کرتا تھا۔ اس کا ذہن اور اس کی روح بڑے بڑے منصوبوں میں اٹکی رہتی تھی۔

وہ ان لوگوں میں سے تھا جو عادات شہنشاہوں کی اور مقدر فقیروں کا لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ کسی کام میں اگر اس کے پاس چار پیسے آ ہی جاتے تھے تو وہ فوراً اپنی اوقات سے بڑے کسی کام میں ہاتھ ڈال دیتا۔ پچھلی کمائی تو ٹھکانے لگ ہی جاتی' اس کے ساتھ ساتھ کچھ قرضے بھی چڑھ جاتے۔ اس سے صحیح طور پر مزدور بھی نہیں بنا جاتا تھا۔ اسے طبیعت ہی ایسی نہیں ملی تھی۔ وہ دراصل ستاروں کی طرف دیکھتا تھا' مگر دلدل

میں دھنسا ہوا تھا۔

کبھی کبھی بزدلوں پر بھی جھنجلاہٹ کا دورہ پڑتا ہے۔ موہن داس کی قوت برداشت بھی کبھی کبھی جواب دے جاتی تو وہ بول اٹھتا، مگر لہجہ پھر بھی دھیما ہی رہتا۔

"تو بہت ناشکری عورت ہے پاروتی!" وہ کہتا "ناشکرے لوگ ہمیشہ ناخوش رہتے ہیں۔ تو محل میں بھی چلی جائے گی تب بھی اسی طرح کڑکڑ کرتی رہے گی، کیونکہ تجھے خوش رہنے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا۔ تو خوش رہنا چاہتی تو اس پر بھی خوش رہ سکتی تھی کہ تیرے سر پر چھت تو ہے، تجھے تین وقت کھانے کو تو ملتا ہے، تیرا تن ڈھکا رہتا ہے، تجھے پتا ہے بمبئی میں دس لاکھ انسان فٹ پاتھ پر زندگی گزارتے ہیں۔ وہیں ان کے شادی بیاہ ہوتے ہیں، وہیں بال بچے اور وہیں مرنا جینا۔۔۔۔ مگر ان میں سے بھی بعض کے چہرے پر میں نے ایسی خوشی دیکھی ہے جو میں بیان نہیں کر سکتا، مگر شادی کے پندرہ برسوں میں، میں نے تیرے چہرے پر کبھی خوشی کی رمق نہیں دیکھی۔"

اس پر پاروتی بھی بھڑک اٹھتی۔ "ہاں، مجھے تو واقعی خوشی سے پھٹ کر مر جانا چاہیے تھا۔ یہ ڈیڑھ کمرے کا محل جو کھڑا کیا ہوا ہے تم نے میرے لیے وہ بھی کرائے کا۔ کبھی کبھی یہ بھی نوبت آ جاتی ہے کہ چھ چھ ماہ کرایہ نہیں جاتا۔ تلسی رام چوکھٹ پہ کھڑے ہو ہو کے بے عزتی کرتا ہے۔ کھانے کا یہ عالم ہے کہ دوپہر کو بھاجی پکتی ہے تو شام کو اس میں پانی ڈال کر اور پتلی کر کے کھانا پڑتا ہے۔ تن ڈھانپنے کی بھی خوب کہی۔ ایک وقت میں کبھی دو جوڑے سے زیادہ میرے پاس نہیں ہوئے۔ ایک دھو کے ڈال دیتی ہوں، تو دوسرا پہن لیتی ہوں۔ اس پر مجھے خوش ہونے کو کہتے ہو؟ شرم نہیں آتی تمہیں؟"

موہن داس ایک بار پھر سکڑ سمٹ کر اپنی خاموشی کے کچھار میں پناہ لے لیتا۔

اس کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ اپنی بیٹی کملا کو پڑھا رہا تھا، لیکن اس کے اس جرم کو رفتہ رفتہ اس کی بیوی نے شاید اس لئے نظرانداز کر دیا تھا کہ کملا سرکاری سکول میں پڑھ رہی تھی جہاں کا خرچ نہ ہونے کے برابر تھا اور پانچویں کے بعد تو اس کا

بالکل ہی کوئی خرچ نہیں رہا تھا کیوں کہ اس نے پانچویں کا امتحان بورڈ سے دیا تھا اور فرسٹ پوزیشن حاصل کی تھی۔ اسے دو دو سکالرشپ ملنے لگے تھے۔ ایک وظیفہ کسی ساہوکار کی فاؤنڈیشن کی طرف سے ملتا تھا اور دوسرا سرکار کی طرف سے۔

چالیس روپے ماہوار ان دونوں وظیفوں کی رقم بنتی تھی اور اس زمانے میں ایک بچی کے لیے یہ بہت بڑی رقم تھی۔ خصوصاً ایک غریب کی بچی کے لیے۔ اسے تعلیم کے سلسلے میں کوئی تنگی نہیں رہی تھی۔ یونیفارم اور کتابوں کا خرچ بھی پورا ہو جاتا تھا۔ تھوڑی بہت پاکٹ منی بھی بچ جاتی تھی۔ کبھی کبھار تو وہ پانچ سات روپے سے اپنے مفلوک الحال گھرانے کی "مدد" بھی کرتی۔

کچھ تو شاید وہ پیدائشی طور پر ہی ذہین تھی اور کچھ شاید گھریلو ماحول کی تلخیوں نے اس کے محسوسات کی دھار تیز کر دی تھی۔ اس کے ننھے سے ذہن میں عجیب عجیب خیالوں کے خنجر چلتے رہتے، مگر وہ اپنی ذات کے خول میں سمٹی، بالکل چپ رہتی۔

ہوش سنبھالتے ہی اس نے کتابوں، رسالوں کی آغوش میں پناہ ڈھونڈی تھی۔ گھریلو ماحول کی بے سکونی نے اسے خاموش لفظوں کی دل فریب دنیا میں دھکیل دیا تھا۔ کوئی بھی کتاب یا رسالہ اس کے دل کو بھاتا تو وہ اسے خریدنے کی کوشش کرتی۔ جہاں مانگنے کی گنجائش ہوتی وہاں مانگ لیتی یا کسی سستی سی لائبریری سے کرائے پر جو کچھ مل جاتا وہ پڑھتی رہتی۔ کتاب ہی اس کی ساتھی تھی اور کتاب ہی اس کی کمزوری۔

وہ جوان ہو گئی تب بھی کتاب ہی اس کی ساتھی رہی۔ کتابوں نے جہاں اس کی ذہانت میں اضافہ کیا وہیں اسے اپنے خول میں بند رہنے اور خوابوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے کا بھی زیادہ عادی بنا دیا۔ وہ کتابیں پڑھتی اور تخیل و تصور کی نت نئی بستیاں دریافت کرتی رہتی۔

اسی طرح وہ سترہ برس کی ہو گئی۔ کالج پہنچ گئی۔ کالج کو ایجوکیشن تھا۔ وہ عمر کا عجب دور تھا۔ شوخیاں تھیں، شرارتیں تھیں۔ آنکھوں آنکھوں میں پیام تھے۔ کتابوں میں سفر کرتے ہوئے رقعے تھے۔ نوٹس کے تبادلوں کے بہانے، دھڑکتے دلوں کی فسانہ طرازی تھی۔

وہ جھکی جھکی نظروں سے سب کچھ دیکھتی' محسوس کرتی۔ اس کی دھڑکنیں تیز ہوتیں' مگر نظریں کچھ اور جھک جاتیں' لب کچھ اور سل جاتے۔ اپنی ہم عمر لڑکیوں کی طرح دل اس کا بھی چاہتا تھا کہ کوریڈور میں کوئی اس کی راہ میں آنکھیں بچھائے۔ بس شاپ پر کوئی اس کا انتظار کرے۔ اس کی گلی کے کونے تک کوئی اسے چھوڑنے جائے۔

مگر جب کوئی اس کی طرف پیش قدمی کرتا تو اس پر بے پناہ گھبراہٹ طاری ہو جاتی۔ آنکھوں میں نو عمری کے چنچل فسانے لیے کوئی اس کی طرف دیکھتا تو اس کے پسینے چھوٹ جاتے۔ وہ کبھی بھول کر بھی دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھتی۔ اسے خود معلوم نہیں تھا کہ اسے اس کے گھریلو حالات نے بزدل بنایا تھا یا کتابوں نے؟ یا پھر شاید اس کی غربت احساس کمتری بن کر ایک زنجیر کی طرح اس کے قدموں سے لپٹی ہوئی تھی۔

وہ ابھی تک اسکالر شپ پر ہی پڑھ رہی تھی۔

لاشعوری طور پر وہ ہر کام خوابوں ہی خوابوں میں کرنے کی عادی ہو گئی تھی۔ لڑکیوں سے بھی الگ تھلگ ہی رہتی تھی۔ گھلنے ملنے کا سلیقہ اسے کبھی نہ آیا۔ حالانکہ اس کی شخصیت میں کوئی ایسا عیب نہیں تھا کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتی۔ وہ اگر لاکھوں میں ایک نہیں تھی تو کم از کم ہزاروں میں ایک تو ضرور تھی۔

سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے پاس فخر کرنے کے لیے بے پناہ ذہانت کا سہارا موجود تھا۔ اس کے لیکچررز یا کلاس فیلوز میں سے جب کسی کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ پانچویں جماعت سے اسکالر شپ لیتی آ رہی ہے تو وہ اس کی طرف یوں دیکھتے تھے جیسے وہ کسی اور ہی دنیا کی' بہت اونچی قسم کی مخلوق ہو' مگر ان رشک بھری نظروں کے سامنے وہ کچھ اور سکڑ سمٹ جاتی۔

ہر سمسٹر کے پرچوں میں وہ کچھ جملے ایسے ضرور لکھ جاتی جو لیکچررز اور پروفیسرز ستائشی انداز میں کلاس میں دہراتے اور وہ ضرب الامثال کی طرح کالج میں مشہور ہو جاتے۔ اپنے لکھے ہوئے جملوں کی تعریف پر وہ شرم سے سرخ ہو جاتی جیسے اس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہو۔

بی۔ اے کے امتحان میں بھی کملا نے فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ محکمہ تعلیم کی

طرف سے ملنے والا اس کا سکالر شپ تو مزید اضافے کے ساتھ جاری رہا لیکن پرائیویٹ فاؤنڈیشن کی طرف سے ملنے والا اسکالر شپ بند ہو گیا۔ اس فاؤنڈیشن کا نظریہ یہ تھا کہ بی اے کے بعد طالب علم کو اپنے پیروں پر کھڑا ہو جانا چاہیے۔

یونیورسٹی میں داخلے شروع ہونے میں ابھی چند روز باقی تھے کہ کملا کی ماں اچانک شدید بیمار پڑ گئی جبکہ گھر میں دوا دارو کے لیے پھوٹی کوڑی تک نہیں تھی۔ موہن داس اپنی بیوی کو لیے سرکاری ہسپتالوں میں دھکے کھاتا رہا اور دوا کے نام پر لال پیلا پانی لے لے کر اسے پلاتا رہا۔

آخرکار ایک روز اس عالم میں پاروتی کو ایمرجنسی میں ہسپتال میں داخل کیا گیا کہ اس کا چہرہ اور جسم نیلا پڑ چکا تھا' بے ہوشی طاری تھی اور سانس اکھڑی ہوئی سی تھی۔ تب ڈاکٹروں کو احساس ہوا کہ اس کا تو نمونیہ بگڑ چکا تھا۔

خالی ہاتھ آنے والے مریضوں کے لیے سرکاری ہسپتال میں جو بھاگ دوڑ ممکن تھی' وہ کی گئی لیکن یہ کوششیں پاروتی کی زندگی بچانے کے لیے ناکافی تھیں۔ دو دن بعد حواس باختہ اور غم و وحشت سے نڈھال موہن داس اپنی بیوی کی لاش سائیکل رکشا میں رکھے گھر واپس آ گیا۔

ہسپتال والوں نے لاش تو ازراہ مہربانی ایمبولینس میں ہی بھیجی تھی' مگر شاید موہن داس کی قسمت زیادہ ہی خراب تھی۔ راستے میں گاڑی کا انجن خراب ہو گیا اور باقی فاصلہ اس عالم میں طے ہوا کہ کملا اپنی ماں کی لاش کو سینے سے چمٹائے سائیکل رکشا میں بیٹھی تھی اور موہن داس سائیکل رکشا کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا' کیونکہ سائیکل رکشا میں ایک مردہ اور دو زندہ سواریوں کو بٹھانے کی گنجائش بھی نہیں تھی اور رکشا والے میں تین سواریوں کو کھینچنے کی طاقت بھی نہیں تھی۔

کملا کی آنکھوں میں تو آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ اس کے حواس باپ سے بھی زیادہ مختل تھے۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ محلے والوں نے مل جل کر کس طرح اس کی ماں کے انتم سنسکار کا بندوبست کیا تھا۔ کریا کرم کے بعد کملا کی آنکھوں میں تو بس ارتھی کے شعلے ناچتے رہ گئے۔

پاروتی کی موت کے بعد تو موہن داس کو جیسے بالکل ہی چپ لگ گئی۔ پریشان تو وہ بہت دن سے تھا۔ کئی ماہ سے کام دھندا بالکل ہی نہیں رہا تھا لیکن اس حادثے نے تو جیسے اسے اندر سے بالکل ہی کھنڈر کر دیا تھا۔ وہ بیوی جو دن رات' اٹھتے بیٹھتے اس کے ساتھ کل کل کرتی تھی' اسے شرمندہ کرتی تھی' اس کی موت نے موہن داس کو جیسے اندر ہی اندر کوئی بیماری سی لگا دی تھی۔ وہ تو اب کملا سے بھی نظر نہیں ملاتا تھا۔ اسے حوصلہ یا تسلی دینا تو دور کی بات' وہ تو اب اسے پہلے کی طرح پیار بھی نہیں کرتا تھا۔ اگر وہ گھر میں ہوتا تو گھنٹوں کمرے سے نہ نکلتا اور اگر کبھی صحن میں آ بیٹھتا تو دیر تک افق پہ نظر جمائے بت بنا بیٹھا رہتا۔

ایک روز صبح کملا نے پڑوس سے دودھ مانگ کر چائے بنائی اور حسب معمول باپ کو آواز دی کہ وہ آکر چائے پی لے۔ یہ گویا اسے کمرے سے نکالنے کا بہانہ ہوتا تھا۔ کئی بار پکارنے پر بھی جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو وہ چائے کی پیالی اٹھائے کمرے میں چلی گئی۔ کمرا' کملا کے دل کی طرح ویران تھا۔ تکئیے پر ایک خط رکھا تھا۔ کملا نے اسے اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔ اس کا ہاتھ بھی کانپ رہا تھا اور دل بھی۔ الفاظ اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلائے جا رہے تھے۔

"کملا۔ میری بچی!"

تجھے معلوم ہی ہو گا کہ دنیا میں تو ہی مجھے سب سے زیادہ پیاری ہے۔ تیری ماں سے بھی مجھے بہت پیار تھا' اور وہ بھی چاہے دن رات مجھ سے لڑتی تھی لیکن مجھے معلوم ہے کہ اندر سے وہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی تھی۔ وہ دراصل مجھے انسان دیکھنا چاہتی تھی' کامیاب انسان دیکھنا چاہتی تھی۔ جو میرے بس کی بات نہیں تھی۔ میں سدا کا ناکام و نامراد انسان ہوں اور شاید مرتے دم تک ایسا ہی رہوں گا۔ قصور شاید دنیا کا بھی نہیں' حالات کا بھی نہیں' نصیب کا بھی نہیں---- قصور یقیناً میرا اپنا ہی ہے۔ میں ہی نکما' نا اہل اور نکھٹو ہوں۔

جب سے تیری ماں سورگباش ہوئی ہے میرا احساس جرم اور بڑھ گیا ہے۔ میری نالائقی اور نکھٹو پنے کی سزا تم دونوں ماں بیٹی کو بھی خواہ مخواہ بھگتنی پڑی۔ اگر میں بھی

آسودہ حال ہوتا' میں نے بھی روپیہ کمایا ہوتا تو پاروتی کو صحیح وقت پر صحیح دوائیں مل جاتیں۔ ڈاکٹر اس کے لیے بھاگ دوڑ کرتے۔ وہ ایک کونے میں پڑی لاوارثوں کی طرح نہ مر جاتی۔

میری غریبی ہی کی وجہ سے تو بھی برباد ہو رہی ہے۔ کملا! تو اتنی خوب صورت ہے' اتنی ذہین ہے۔ پانچویں سے اب تک تو نے سکالر شپ کے پیسے سے تعلیم پائی ہے' ہمیشہ پوزیشن لی ہے تو اگر کسی کھاتے پیتے باپ کی بیٹی ہوتی تو تیرے انٹرویو اخباروں میں چھپا کرتے۔ رسالوں کے ٹائٹلوں پر تیری رنگین تصویریں چھپا کرتیں۔ لیکن اب تیرے وجود کا جیسے کسی کو پتا بھی نہیں۔ تو اس گندے سے محلے میں گمنام پڑی ہے۔ تو ایک ایسا پھول ہے جو بن میں کھلا ہے اور شاید بن میں ہی مرجھا جائے گا اور یہ سب میری وجہ سے ہو گا۔ میری وجہ سے!

میں تجھ سے بہت شرمسار ہوں بیٹی! اتنا شرمسار ..... کہ یہ سب باتیں میں تیرے سامنے بیٹھ کر بھی نہیں کر سکتا۔ چوروں کی طرح تجھ سے منہ چھپا کر یہ خط چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تو بھی سوچے گی کہ یہ کیسی محبت ہے' یہ کہاں کا پیار ہے کہ کٹھن وقت میں باپ بیٹی کو چھوڑ کر چل دیا۔

لیکن میں جانتا ہوں تو بڑی بہادر ہے' بہت حوصلے والی ہے۔ تو جتنی چپ چپ' جتنی کمزور نظر آتی ہے' اندر سے اتنی ہی مضبوط ہے۔ تو اس تھوڑی سی کٹھنائی سے بھی گزر جائے گی۔ ویسے بھی میں کون سا تیرا سہارا ہوں۔ الٹا اپنی ماں کے بعد سے تو ہی میرا سہارا بنی ہوئی ہے۔ میں تو ایک طرح سے تجھ پر بوجھ ہوں۔ تیری ذمے داری بن گیا ہوں۔

میں تیرا بوجھ کم کر کے جا رہا ہوں کملا! کلکتے میں میرا نوجوانی کے زمانے کا ایک دوست رہتا ہے۔ وہ پارسی ہے۔ کلوس جی اس کا نام ہے۔ سنا ہے وہ کلکتے جا کر کافی خوشحال ہو گیا ہے۔ ایک دو بسیں بھی چلتی ہیں اس کی۔ میں اسے تلاش کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ اس کے پاس مجھے کوئی ڈھنگ کا کام مل جائے گا۔

میں جلد ہی تجھے کلکتے سے خط لکھوں گا۔ تب تک تو یونیورسٹی میں داخلہ لے

لینا۔ اگر میں تجھے پیسے نہ بھی بھیج سکا تب بھی امید ہے کہ تیری اسکالر شپ کی رقم سے کھینچ تان کر گزارا ہو ہی جائے گا لیکن تو یہ کرائے کا مکان چھوڑ دینا اور ہوسٹل میں داخلہ لے لینا' تبھی گزارا ہوسکے گا۔ ویسے بھی یہاں کا ماحول بے شک اچھا ہے لیکن اتنا اچھا بھی نہیں ہے کہ تو اکیلی یہاں رہ سکے۔ ہوسٹل میں دوسری لڑکیوں کے ساتھ رہنا ٹھیک رہے گا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ دوبارہ ملنا ہمارے نصیب میں نہ ہو۔ اس لیے میں چاہتا ہوں تو آج سے ہی اپنے آپ کو اس قابل بنانا شروع کردے کہ اکیلی اس کٹھور دنیا میں زندگی گزار سکے۔

بلکہ اگر تو اسے ایک باپ کی بے شرمی نہ سمجھے تو میں یہ بھی کہہ ڈالوں کہ تو یونیورسٹی میں اپنے لیے کوئی اچھا سا' شریف سا لڑکا بھی دیکھ لینا۔ بس یہ خیال رکھنا کہ وہ میری طرح غریب' نکما اور بزدل نہ ہو۔ بھگوان تیرا رکھوالا ہو۔

فقط ۔ موہن داس

خط پڑھ کر کملا چکرا کر اسی بستر پر ڈھیر ہوگئی جسے اس کا باپ خالی چھوڑ گیا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد اسے ہوش آیا تو وہ تکیے میں منہ چھپا کر چپکے چپکے رونے لگی۔ زندگی اب اس کے سامنے ایک تپتا ہوا لامتناہی صحرا تھی اور اسے نہ جانے کہاں تک اس میں تنہا گھسٹنا تھا۔

پہلی بار اس نے وہ رات اس مکان میں تنہا گزاری اور جاگتے ہوئے گزاری۔ اسے پاس پڑوس میں جاکر کسی کو یہ بتاتے ہوئے بھی خوف آرہا تھا کہ وہ گھر میں اکیلی ہے۔

اس پر تو یہی صدمہ کوہ گراں کی طرح آن پڑا تھا کہ اس کا باپ روزگار کی تلاش میں اسے تنہا چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ وہ تو اس عارضی جدائی کے تصور سے ہی ہراساں تھی کہ دوسرے دن اس پر ایک نئی قیامت ٹوٹی۔ اسے پتا چلا کہ اس کا باپ تو اسے ہمیشہ کے لیے ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اتنی دور کہ اسے واپس لانا اب کسی کے بھی اختیار میں نہیں رہ گیا تھا۔

ریلوے کے دو آدمی اس کا گھر ڈھونڈتے ڈھانڈتے' پریشانی کے عالم میں بڑی مشکل سے اس کے گھر پہنچے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ کل سے اس کا گھر ڈھونڈ رہے تھے۔ موہن داس کی جیب سے ایک چھوٹی سے' پھٹی پرانی نوٹ بک برآمد ہوئی تھی جس میں اس کے قرض خواہوں کا حساب لکھا ہوا تھا۔ اس نوٹ بک پر موہن داس کے گھر کا نامکمل پتا تھا اس لیے ریلوے والوں کو اس کا گھر ڈھونڈنے میں بہت دقت ہوئی تھی۔ اگر آج بھی اس کا گھر نہ ملا ہوتا تو وہ اسے لاوارث قرار دے کر اس کا کریا کرم کر دیتے۔

موہن داس کو تو بمبئی سے جانا ہی نصیب نہیں ہوا تھا۔ وہ تو کلکتہ جانے والی ٹرین کے سامنے ہی گر کر' کٹ کے مرگیا تھا۔ پلیٹ فارم پر موجود کچھ مسافروں کا کہنا تھا کہ اس کا پاؤں پلیٹ فارم کے کنارے سے پھسل گیا تھا لیکن انجن ڈرائیور قسم کھانے کو تیار تھا کہ اس شخص نے ٹرین کے سامنے چھلانگ لگائی تھی۔

اپنی زندگی کی الجھی کہانی کے علاوہ موہن داس یہ گتھی بھی اپنے پیچھے چھوڑ گیا کہ اس کی موت حادثہ تھی یا خودکشی؟ ریلوے پولیس کو یہ گتھی سلجھانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے تو بس اتنا کرم کیا تھا کہ ریلوے کے خرچ پر موہن داس کا کریا کرم کر دیا تھا۔ ورنہ کملا کو ایک بار پھر جاکر کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتے۔ عجیب بات تھی کہ موہن داس کلکتہ جانے کے لیے گھر سے نکلا تھا اور وہ کلکتہ جانے والی ٹرین ہی کے نیچے کچلا گیا تھا مگر اس کی جیب سے کلکتہ کا ٹکٹ برآمد نہیں ہوا تھا۔ صرف ڈیڑھ روپیہ اور ایک پھٹی پرانی نوٹ بک برآمد ہوئی تھی۔

کملا کو اپنے آپ پر حیرت ہوئی کہ وہ یہ گھاؤ بھی برداشت کرگئی تھی ورنہ جب اس نے اپنے باپ کی کٹی پھٹی لاش ریلوے ہسپتال کے سردخانے میں رکھی دیکھی تھی تو اس کا خیال تھا کہ کسی بھی لمحے اس کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ جائے گی اور وہ وہیں گر کر مرجائے گی مگر ایسا نہیں ہوا' بس وہ دن رات روتی رہی اور نڈھال ہوتی رہی۔

ایک ہفتے بعد جب محلے داروں' ہمدردی کرنے والوں اور چند ایک کلاس فیلوز کی بھیڑ بھاڑ چھٹ گئی تو اسے اندازہ ہوا کہ اس کے سامنے پھیلے ہوئے زندگی کے صحرا میں

تپش کچھ اور بڑھ چکی تھی۔ دل میں ویرانی' سناٹے اور تفکرات نے پنجے کچھ اور گہرے گاڑ لیے تھے۔

اسی دوران بنسی لال اس سے ملنے آیا۔ وہ اس مکان کا مالک تھا جس میں کملا اب تنہا رہ رہی تھی۔ وہ اس گلی کے تین چار اور ویسے ہی مکانوں کا بھی مالک تھا۔ وہ تقریباً" پچاس سال کا ایک بھاری بھرکم ناٹا سا آدمی تھا۔ اس کے دانت' واسکٹ اور دھوتی ہمیشہ میلی ہوتی تھی مگر دھوتی کی ڈب میں سو سو کے نئے نئے' صاف ستھرے اور کرارے نوٹ ہوتے جنہیں وہ ضرورت بے ضرورت نکالتا رہتا تھا۔ خصوصاً عورتوں کے سامنے۔ معلوم نہیں کیوں وہ نوٹ کبھی واسکٹ کی جیب میں نہیں رکھتا تھا۔ ہمیشہ دھوتی کی ڈب میں رکھتا تھا۔

بہت دیر تک اس نے کملا سے اظہار ہمدردی کیا۔ موہن داس پر اپنے احسانات گنوائے۔ کئی بار کملا کا کندھا تھپتھپایا اور بتایا کہ اس وقت بھی اس کا پانچ ماہ کا کرایہ واجب الادا تھا۔

"لیکن تمہیں اس بارے میں چنتا کرنے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔" وہ ٹوٹی پھوٹی کرسی سے اٹھ کر کملا کے برابر چارپائی پر بیٹھ کر اس کا کندھا تھپکتے ہوئے بولا۔ کرسی پر بیٹھ کر اسے کملا کا کندھا تھپکنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ کملا پائنتی کی طرف کچھ اور کھسک گئی۔ بنسی لال کے وجود سے پسینے کی کھٹی کھٹی سی بو آ رہی تھی۔ کملا غربت میں زندگی گزارنے کے باوجود ان چیزوں کی عادی نہیں تھی۔

"میں کرایہ مانگنے نہیں آیا ہوں۔" بنسی لال نے وضاحت کی۔ "میں تو تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ مجھے تم سے کرائے بھاڑے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ تمہیں جتنے کی ضرورت ہو مجھ سے لے لو۔ ہر مہینے جتنا چاہو خرچا لے لیا کرو۔ اب تم دنیا میں اکیلی رہ گئی ہو۔ کسی نہ کسی کو تو تمہارا خرچا اٹھانا چاہیے۔ میں حاضر ہوں۔ تم پڑھائی جاری رکھنا چاہو تو مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ میں پڑھائی کا خرچا اٹھانے کو بھی تیار ہوں۔ زیادہ پڑھ لکھ کر شاید تمہیں کوئی اچھی سی نوکری مل جائے۔ شاید تم کہیں افسر لگ جاؤ۔ لیکن جب تک یہ سب کچھ نہیں ہوجاتا تب تک تو تمہیں سہارے کی

ضرورت ہے نا۔ میں حاضر ہوں۔"

وہ ایک بار پھر گویا اپنی "حاضری کا ثبوت دینے کے لیے کملا کے کچھ اور قریب کھسک آیا۔ کملا اٹھ کر اس کی خالی کی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی مگر بنسی لال ایسی باتوں سے دل شکستہ ہونے والا نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ نئی گھوڑی اور نئی چھوکری شروع شروع میں تھوڑی اچھل کود مچاتی ہے مگر لگام ڈالنے اور کاٹھی کسنے والا تجربہ کار اور جہاندیدہ ہو تو کچھ دن میں سارے کس بل نکل جاتے ہیں۔ وہ خود ان پڑھ تھا مگر اس بات سے احساس کمتری میں مبتلا نہیں تھا کہ اس کے سامنے ایک پڑھی لکھی لڑکی بیٹھی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ روپے میں تعلیم سے زیادہ طاقت ہے اور مجبوری میں اکثر عورتیں ایک جیسی ہوتی تھیں۔ کیا پڑھی لکھی' کیا ان پڑھ۔

"تم بالکل چنتا مت کرنا۔" بنسی لال نے اپنا منتر جاری رکھا۔ "یہ مت سمجھنا کہ دنیا میں تمہارا کوئی نہیں۔ میں موجود ہوں۔ جو بھی مسئلہ ہو' جو بھی ضرورت ہو مجھے بتانا۔ میں مہینے میں چار چھ دفعہ آیا کروں گا۔"

گویا اس نے واضح کر دیا تھا کہ ترازو کے ایک پلڑے میں کتنی نوازشات ہوں گی اور دوسرے پلڑے میں کتنے روز و شب کا نذرانہ۔

اس کے جانے کے بعد کملا دیر تک گم صم بیٹھی رہی۔ بنسی لال کے میلے دانت' میلی واسکٹ اور میلی دھوتی تو وہ عرصے سے دیکھتی آ رہی تھی لیکن اس کی میلی آنکھ اس نے آج پہلی بار دیکھی تھی۔ وہ اندر ہی اندر کانپ رہی تھی۔ بہت دیر تک وہ بیٹھی سوچتی رہی۔

آخر کار اس نے اپنا ضروری سامان اور ضروری کتابیں ایک تھیلے اور ایک ٹرنک میں جمع کیں اور رات کے اندھیرے میں چپکے سے نکل کھڑی ہوئی۔ اس نے مکان کو تالا لگانے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا۔ مکان کی بیش قیمت ترین چیز تو گھر سے جا رہی تھی۔ اب تالے کی ضرورت بھی کیا تھی۔

وہ اپنی دوست سوشیلا کے گھر چلی گئی۔ سوشیلا کا گھر وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ بہت زیادہ آسودہ حال والدین کی بیٹی تو نہیں تھی لیکن کملا سے بہرحال بہت بہتر

تھی۔ وہ کالج میں کملا کی کلاس فیلو رہی تھی اور بہت سے آڑے موقعوں پر اس کے کام آئی تھی۔ اس کے والدین بھی کملا سے بہت خوش دلی سے پیش آتے تھے۔ کملا کی ماں اور پھر باپ کی موت پر بھی انہوں نے ہر طرح سے کملا کی ڈھارس بندھائی تھی۔ ان کی اپنی پانچ بیٹیاں تھیں۔ وہ بیٹیوں کے دکھوں کو ذرا بہتر طور پر سمجھتے تھے۔

سوشیلا کے ہاں کملا کے چند دن بڑے آرام سے گزر گئے۔ اس کے بعد اسے یونیورسٹی میں داخلہ بھی مل گیا اور ہوسٹل میں جگہ بھی۔ اپنے آپ کو ایک مضبوط چار دیواری میں پا کر اس نے قدرے سکون کی سانس لی۔ رفتہ رفتہ ریگولر کلاسز شروع ہوئیں تو کملا کے ذہن سے صدمات کا بوجھ بھی دھیرے دھیرے کم ہونے لگا۔

یونیورسٹی کی دنیا کملا کے لیے ایک انوکھی دنیا تھی۔ اس کی توقعات اور تصورات سے بہت مختلف۔ ہر کوئی اتنا آزاد' خودمختار اور بے فکرا نظر آتا تھا کہ اسے سب پر رشک آتا تھا۔ لڑکیاں یہاں لڑکوں کے متعلق جس طرح چٹخارے لے کر گفتگو کرتیں اس سے کملا کے پسینے چھوٹ جاتے۔

اسے محسوس ہوتا کہ یا تو وہ خود کسی اور سیارے کی مخلوق ہے اور غلطی سے یہاں آن پھنسی ہے یا پھر یہ لڑکیاں کسی اور سیارے سے اس کی دنیا پر حملہ آور ہوگئی ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی روم میٹ لڑکی شانتی جو گاؤں سے آئی تھی' وہ بھی اس کے کان کترتی تھی' اسی نے ایک بار مزے لے لے کر کملا کو وہ قصہ سنایا تھا کہ کس طرح ایک لڑکا ساڑی پہن کر' لڑکیوں کی طرح میک اپ کرکے رات کو دیوار پھلانگ کر منورما کے کمرے میں آتا تھا اور منورما کی روم میٹ کتنی اچھی تھی کہ ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر خود دو دو تین تین گھنٹے باہر بالکونی میں کھڑے ہو کر گزارتی تھی۔

شاید وہ کملا کو بتانے کی کوشش کرتی تھی کہ وقت آنے پر وہ بھی اس سے کچھ اس قسم کی "قربانی کی توقع رکھے گی۔" کملا کو اس قصے پر یقین نہیں تھا اور اس میں کسی سے تصدیق کرنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ اس تصور سے ہی اس کے تو کانوں کی لویں دہکنے لگتی تھیں۔

مگر پھر ایک روز اسے یقین کرنا ہی پڑا کیونکہ وہ لڑکا پکڑا گیا تھا۔ شاید کسی دل جلی

نے مخبری کر دی تھی۔ لڑکا یونیورسٹی کا بھی نہیں تھا۔ اس کی خوب پٹائی لگی مگر ہوسٹل کے منتظمین نے بدنامی کے ڈر سے اس واقعے کو دبا ہی دیا۔ لڑکے کو پولیس کے حوالے بھی نہیں کیا گیا اور لڑکی کو ہوسٹل یا یونیورسٹی سے نکالا بھی نہیں گیا۔ البتہ ہوسٹل میں پابندیاں بڑھ گئیں۔ ایک چوکیدار کا بھی اضافہ ہوگیا۔

کملا انگریزی میں ایم اے کر رہی تھی۔ اس کی ذہانت اور تحریری برجستگی کے چرچے تو یہاں بھی پھیل گئے تھے مگر عملی زندگی میں وہ ویسی ہی شرمیلی اور اپنے خول میں مقید تھی۔ اپنی جھجک اور شرمیلے پن سے کبھی کبھی کملا کو خود بھی الجھن ہونے لگتی تھی مگر اس سے یکدم چھٹکارا پانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے اندر سے برف بہت دھیرے دھیرے پگھل رہی تھی۔

اس کی ظاہری شخصیت میں کوئی کمی نہیں تھی۔ بس اگر تھوڑا سا خوشحالی کا نکھار بھی ہوتا تو اس کا شمار یونیورسٹی کی چند منتخب لڑکیوں میں کیا جاسکتا تھا مگر غربت کی دھندلاہٹ کے باوجود اس کا اچھوتا پن یونیورسٹی کی بہت سی نچڑی نچڑی سی لڑکیوں پر بھاری تھا۔

اس اچھوتے پن کو سب سے پہلے ونود نے محسوس کیا۔ وہ شروع دن سے ہی یوں اس کی طرف کھنچنے لگا تھا جیسے مقناطیس کی طرف لوہا مگر مقناطیس کچھ عجیب تھا۔ بار بار رخ بدل لیتا تھا۔ نظر نہیں ملاتا تھا۔ ونود نوٹس لینے کے بہانے اس کے پاس آتا تو وہ صاف انکار کر دیتی۔ اس کی تحریر کی تعریفیں کرکے کچھ لکھوانا چاہتا تو وہ کوئی بہانہ کرکے تیز تیز قدم اٹھاتی کسی طرف کو چل دیتی۔

مگر پھر پہلے سال کے اختتام تک اتنا ضرور ہوا کہ وہ چائے وغیرہ پینے اس کے ساتھ ادھر ادھر جانے لگی۔ ذہن میں ایک ناقابل فراموش خط کے الفاظ جاگزیں تھے۔

اگر تو اسے ایک باپ کی بے شرمی نہ سمجھے تو میں یہ بھی کہہ ڈالوں کہ تو یونیورسٹی میں اپنے لیے کوئی اچھا سا' شریف سا لڑکا بھی دیکھ لینا۔ بس یہ خیال رکھنا کہ وہ میری طرح غریب' نکما اور بزدل نہ ہو...."

ونود بزدل تو ہرگز معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس نے پہلی ملاقات پر ہی کملا کو بتا دیا

تھا کہ وہ اس سے شدید محبت کرتا ہے اور وہ یونیورسٹی میں کسی بھی معاملے میں کسی سے ڈرتا نہیں تھا۔ غریب اور نکما بھی وہ ہرگز نہیں تھا۔ وہ ایک مل اونر کا بیٹا تھا۔ ان کے کارخانے میں ایک بڑا مشہور برانڈ کا کپڑا تیار ہوتا تھا۔ ونود ان چند طلباء میں سے ایک تھا جو اپنی گاڑی میں یونیورسٹی آتے تھے۔

ایک روز وہ ساحل پر واقع ایک ریستوران سے کھا پی کر نکلے تو ونود نے کملا سے کہا۔ "آؤ آج میں تمہیں اپنے ماتا پتا سے ملواتا ہوں۔"

انجانے تصورات سے کملا کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ ونود کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر وہ اس کے گھر پہنچی تو ایک لمحے کے لیے اس کی دھڑکنیں کچھ اور تیز ہوگئیں۔ وہ ایک شاندار بنگلا تھا۔ کملا زندگی میں پہلی بار ایسے بنگلے میں قدم رکھ رہی تھی۔

اندر پہنچ کر ونود نے اپنے پورے بنگلے میں گھمایا۔ پہلے پہل تو اسے سارے کمرے، سارے راستے بھول بھلیاں سے محسوس ہوئے۔ وہ پڑھی لکھی تھی۔ دولت مندی کی آسائشیں اس نے اگر دیکھی نہیں تھیں تو ان کے بارے میں پڑھا ضرور تھا مگر آج اسے احساس ہوا تھا کہ پڑھنے اور دیکھنے میں بڑا فرق ہوتا ہے اور استعمال کرنے میں شاید اس سے بھی کہیں زیادہ۔

اس کے خیال میں ہندوستانی سماج پھر بھی دوسرے ملکوں کے مقابلے میں سادگی پسند تھا۔ لوگ بہت سا روپیہ پاس ہونے کے باوجود نمود و نمائش نہیں کرتے تھے، زیادہ پر تعیش زندگی نہیں گزارتے تھے۔ اس کے باوجود ونود کے گھر والوں کا رہن سہن دیکھ کر کملا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

سارا بنگلا دکھانے کے بعد ونود نے اسے اپنے بیڈ روم میں لا بٹھایا اور تب کملا کو احساس ہوا کہ گھر پر تو کوئی موجود ہی نہیں تھا۔ صرف گیٹ پر ایک چوکیدار بیٹھا تھا۔

"تم نے اپنے ماتا پتا سے تو ملوایا ہی نہیں۔ کہاں ہیں وہ؟" کملا قدرے چونکتے ہوئے بولی۔

"وہ تو ایک پارٹی میں گئے ہوئے ہیں۔ رات کو بارہ ایک بجے سے پہلے نہیں آئیں گے۔" ونود نے اطمینان سے جواب دیا۔

"یعنی - یہ بات تمہیں معلوم تھی۔ اس کے باوجود تم مجھے یہ کہہ کر لائے....؟" کملا کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

"ارے .... تو اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟" ونود گویا اس کی گھبراہٹ پر حیران ہوتے ہوئے بولا۔ "وہ تو میں نے بے دھیانی میں کہہ دیا تھا۔ مجھے تو یہاں آکر یاد آیا کہ آج انہیں اپنے جاننے والوں کے ہاں ہاؤس وارمنگ پارٹی میں جانا تھا۔ ان سے ملنے کا کیا ہے۔ آج نہ سہی کل مل لینا۔ ان سے تمہیں ملنا تو بہرحال ضرور ہے۔ اصل میں تو میں تمہیں گھر دکھانے لایا تھا۔ دوچار سال بعد تمہیں اسی گھر میں میرے ساتھ رہنا ہے۔ تمہیں پسند بھی آیا یا نہیں؟ اگر تمہیں پسند نہیں ہوگا تو شادی کے بعد ہم دوسرا مکان لے لیں گے۔"

"میں کیا اور میری پسند کیا....!" وہ خود استہزائی کے سے انداز میں ہنس دی۔ "تم میری اوقات سے اچھی طرح واقف ہو۔ میں نے تم سے کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں تمہارے ساتھ جھونپڑی میں بھی رہ لوں گی۔ شرط صرف یہ ہے کہ مجھ سے اسی طرح محبت کرتے رہنا۔"

"میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اس کا اندازہ تم کبھی نہیں کر سکو گی۔" وہ کمرے سے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک ٹرے میں شراب کی بوتل، گلاس اور دوسرے لوازمات لے کر آگیا۔ وہ آرام سے اس کے سامنے بیٹھ کر پینے لگا۔

"ونود! تم شراب پی رہے ہو؟" کملا کی آنکھیں حیرت سے پھیلی جا رہی تھیں۔

"میں عادی نہیں ہوں۔" وہ معصومیت سے گویا صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔ "ڈیڈی پیتے ہیں۔ میں تو یونہی کبھی کبھار ان کی کیبنٹ سے چرا کر تھوڑی بہت پی لیتا ہوں۔"

وہ تھوڑی بہت کہہ رہا تھا لیکن جتنی وہ پی رہا تھا وہ کملا کے خیال میں تھوڑی نہیں بہت تھی۔ پھر اس نے کملا کے برابر کاؤچ پر بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ کملا بدک کر صوفے پر جا بیٹھی۔ ونود بدمزہ سا ہوگیا۔ ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔ "تمہیں مجھ سے اس طرح خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے کلاس فیلو کے گھر میں ہو، کسی فلمی

ولن کے گھر میں نہیں۔"

وہ صوفے پر بھی اس کے ساتھ آبیٹھا۔ اس لمحے وہ کملا کو اپنا سابق مالک مکان بنسی لال محسوس ہوا۔ فرق تو بہت سے تھے۔ بنسی لال بڑی عمر کا' موٹا' بھدا اور گندا سا تھا۔ ونود نوجوان 'اسمارٹ' خوش شکل اور صاف ستھرا تھا۔ بنسی لال کے بدن سے پسینے کی کھٹی بساند اٹھ رہی تھی۔ ونود کے وجود سے عمدہ کلون کی مہک پھوٹ رہی تھی لیکن پیاس دونوں کی ایک جیسی تھی۔

کملا کو یاد تھا' باپ نے اس کے نام اپنی زندگی کے پہلے اور آخری خط میں لکھا تھا' کوئی اچھا سا شریف سا لڑکا بھی دیکھ لینا....

کملا کے خیال میں جو کچھ ونود کر رہا تھا وہ کوئی شرافت تو نہیں تھی۔ باقی سب باتیں تو ٹھیک تھیں مگر یہ پہلے ہی دن جھوٹ بول کر خالی گھر میں لانا' سامنے بیٹھ کر پینا اور پھر.....

اس نے ونود کا ہاتھ جھٹک دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اپنی کچھ توہین سی بھی محسوس ہوئی تھی۔ شاید ونود نے اسے غریب جان کر.....

"کیا تم واقعی جا رہی ہو؟" ونود نے حیرت سے پوچھا۔ اسے گویا اس قسم کے ردعمل کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ وہ کچھ خفا خفا سا نظر آرہا تھا۔ کملا اس سے زیادہ خفا تھی۔ وہ اس کے چہرے پر ندامت' شرمندگی یا معذرت کا کوئی نشان تلاش کرنا چاہتی تھی مگر وہاں ایسی کوئی علامت نہیں تھی۔

اس نے اٹھ کر ایک بار پھر کملا کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ تند لہجے میں بولی۔ "اگر تم نے میرا راستہ نہ چھوڑا تو میں شور مچادوں گی۔"

"تمہارے شور کی آواز تو خیر یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔" وہ گویا پہلے سے زیادہ بدمزہ ہوتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں نے کہا ناکہ میں کوئی فلمی ولن نہیں ہوں۔ چیختی چنگھاڑتی ہوئی تم مجھے بالکل اچھی نہیں لگو گی۔ تم جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ...."

اس نے کملا کا راستہ چھوڑ دیا اور زہریلے لہجے میں بولا "تم اپنا پارسا بننے کا شوق پورا کرلو لیکن ایک بات میں تمہیں بتا دوں۔ تم جیسی لڑکیاں جو اپنے آپ کو بہت

سینت سینت کر رکھتی ہیں' عمر کا یہ سنہری دور گنوا کر عام طور پر کسی دھیمے اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے والے بڈھے سے آدمی کی رکھیل بن جاتی ہیں۔"

کملا نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید یہ طعنہ وہ اسے اس لیے دے رہا تھا' یہ پیش گوئی اس لیے کر رہا تھا کہ وہ بن کھونٹے کی گائے تھی۔ اس کا کوئی گھربار نہیں تھا۔ اس کی جوانی کسی سائبان کی چھاؤں میں نہیں تھی۔

وہ اسے آگ لگا دینے والا کوئی جواب نہیں دینا چاہتی تھی' ہزار باتیں سنانا چاہتی تھی مگر وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور دل میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس کا پورا وجود خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بمشکل سمیٹی سنبھالتی باہر نکل آئی اور تیز تیز قدموں سے گیٹ کی طرف چل دی۔ چوکیدار نے اسے دیکھ کر منہ پھیرلیا۔ بالکل انجان بن گیا۔ وہ گیٹ سے نکلتی چلی گئی۔



اس دن کے بعد کملا اور ونود یونیورسٹی میں ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن گئے۔ ونود اب اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ وہ اب ایک نہیں، کئی دوسری لڑکیوں سے گھل مل گیا تھا۔ کملا کا بھی کبھی اس سے تجدید تعلق کو دل نہیں چاہا۔ اس کے دل میں بس ایک بے نام سا سناٹا پھیل گیا تھا۔ اس کے بعد نہ تو اسے کوئی اور اچھا لگا اور نہ کوئی ونود کی سی وارفتگی سے اس کی طرف بڑھا۔

دو سال اسی افسردگی کے سرد سے اندھیروں میں گزر گئے۔ فائنل کے امتحانات ختم ہوتے ہی اسے احساس ہوا کہ وہ تو ایک بے منزل مسافر تھی۔ اس کے لیے تو نہ آگے جانے کا کوئی راستہ تھا۔ اور نہ پیچھے جانے کا۔ پہلے تو پڑھنا ہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا مشن، سب سے بڑی مصروفیت اور سب سے بڑا سہارا تھا۔ لیکن اب وہ کیا کرے؟

ملازمت اتنی جلد مل نہیں سکتی تھی۔ مزید آگے وہ پڑھ نہیں سکتی تھی کیونکہ اس کا اسکالر شپ ختم ہوچکا تھا۔ اس معمولی سی رقم میں اس نے ہوسٹل میں رہ کر ایم اے کر لیا تھا، یہی اس کا بہت بڑا کارنامہ تھا اور اب تو یہ معمولی سا سہارا بھی نہیں رہا تھا۔

ہوسٹل تیزی سے ویران ہو رہا تھا۔ لڑکیاں اپنے گھروں کو واپس جا رہی تھیں لیکن اس کا تو کوئی گھر ہی نہیں تھا۔ وہ کہاں جاتی؟ اس کی روم میٹ شانتی بھی اپنے گاؤں جا چکی تھی۔ اس کی کالج کے زمانے کی دوست سوشیلا نے یونیورسٹی میں داخلہ ہی نہیں لیا تھا۔ اس کی شادی ہوچکی تھی اور وہ نند بھاوج، ساس بہو کے روایتی جھگڑوں کی

فضا میں، خاصی کشیدگی کے عالم میں گزر بسر کر رہی تھی۔ کملا کو تو اب اس کے گھر جاتے ہوئے بھی شرم آنے لگی تھی۔

ایک روز وہ ہوسٹل کے میس میں بیٹھی اسی ادھیڑبن میں مبتلا نہایت بے دھیانی سے کھانا کھا رہی تھی کہ ہوسٹل کی میٹرن اس کے سامنے آبیٹھی۔ اس سے کملا کی کوئی خاص شناسائی نہیں تھی۔ لیکن اس روز کملا کے چہرے پر فکرمندی کے سائے شاید زیادہ ہی گہرے تھے جو اس نے خود ہی ہمدردانہ لہجے میں پوچھ لیا۔ ”کیا بات ہے کملا؟ تم بہت ہی پریشان نظر آ رہی ہو؟“

وہ کملا کے حالات کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ کملا کا دل چاہا کہ میز پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے مگر اس نے بصد مشکل اپنے آپ کو سنبھالے رکھا اور دھیمی آواز میں صرف اتنا کہا ”مجھے فوری طور پر نوکری کی تلاش ہے۔“

”اوہ ..... میں سمجھ گئی۔“ میٹرن نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا اور ایک لمحے کچھ سوچنے کے بعد بولی۔ ”میں تمہاری کچھ زیادہ مدد تو نہیں کرسکتی لیکن تمہیں ایک ٹپ دے سکتی ہوں۔ میری رشتے کی ایک بہن کل ہی جاب چھوڑ کر اپنے گھر پونا گئی ہے۔ وہ تھوڑے دن بعد لندن جا رہی ہے۔ اس کا پتی وہاں سیٹل ہوگیا ہے۔ ابھی کسی کو اس ویکنسی کے بارے میں معلوم نہیں۔ میری کزن مجھے بتا رہی تھی کہ ابھی دو چار دن میں وہ اخبار میں اشتہار دیں گے۔ پھر انٹرویوز کے لمبے سلسلے چلیں گے۔ تم چاہو تو اس سے پہلے قسمت آزمائی کرسکتی ہو۔“

”جاب کیا ہے؟“ کملا نے حوصلہ پاکر پوچھا۔

”ایک بہت بڑی ایڈورٹائزنگ ایجنسی ہے، پوائنٹ ایڈورٹائزنگ، اس کے مالک ہیں آنند ورما۔ ان کی سیکریٹری کی جاب ہے۔ آنند ورما کے اور بھی بہت سے کاروبار ہیں لیکن انہیں سب سے زیادہ دلچسپی اپنے ایڈورٹائزنگ کے کام سے ہے۔ سب سے زیادہ اسی دفتر میں بیٹھتے ہیں۔ کسی زمانے میں پارلیمینٹ کے ممبر بھی رہ چکے ہیں لیکن پھر پتا نہیں کیوں سیاست سے توبہ کرلی تھی۔ بہرحال اب بھی ان کی اجنبی کو سب سے

زیادہ سرکاری کام بنتا ہے۔ اس کی سیکریٹری کے طور پر کام کرنا ایک طرح کا اعزاز ہے۔ میری کزن تو اس نوکری کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اسے تو اس کے پتی نے مجبور کر دیا ہے۔"

اس جاب کا تصور کرتے ہوئے کملا کے من میں ستارے سے ناچ اٹھے لیکن دوسرے ہی لمحے یہ ستارے گویا اندھیروں کی دلدل میں اترنے لگے کیونکہ میٹرن کو جیسے کوئی اہم بات یاد آگئی تھی اور وہ کملا کے سراپا کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ذرا بے مروت سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "لیکن ایک بات ہے کملا! اس جاب کے لیے بڑی چٹاخہ پٹاخہ قسم کی لڑکی چاہیے۔ بہت ایکٹو ... اسمارٹ ..... ویل ڈریسڈ ..... خوبصورت اور ذہین۔ میری کزن تو بڑی زبردست چیز تھی۔"

ایک لمحے کے توقف سے وہ بولی۔ "خوبصورت اور ذہین تو تم ہو لیکن ایک تو تمہاری ذہانت بول چال میں ظاہر نہیں ہوتی ..... دوسرے ذرا رکھ رکھاؤ کی کمی ہے۔"

کملا نے اپنی اڑے اڑے سے رنگ کی پرانی ساڑھی اور متروک فیشن کے سینڈلوں کی طرف دیکھا' اور اس کے وہ آنسو جنہیں اس نے بڑی مشکل سے روکا ہوا تھا' پلکوں کے بندھن توڑ کر بہہ نکلنے کو بے قرار ہونے لگے۔ اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے لرز رہے تھے۔ اس نے انہیں سختی سے بھینچ لیا۔ مبادا کوئی سسکی' ہونٹوں کی ان لرزتی دیواروں کو ڈھاکر نکل آئے۔

میٹرن نے دوسرے ہی لمحے گویا اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی "لیکن کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ تم صبح خوب اچھی طرح تیار ہو کر وہاں پہنچ جاؤ۔ میری کزن کا نام آشا کماری ہے۔ تم وہاں جا کر یہی کہہ دینا کہ تمہیں آشا کماری نے آزمائشی طور پر اپنی جگہ بھیجا ہے۔"

کملا بہت دل شکستہ تھی لیکن اس نے امید کے اس تنکے کو آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔ میٹرن نے اسے ایجنسی ایڈریس وغیرہ دے دیا تھا۔

دوسرے روز کملا وہاں پہنچ گئی۔ وکٹوریہ روڈ کی ایک بلند و بالا اور شاندار

عمارت کے پورے ایک فلور پر ایجنسی کا دفتر پھیلا ہوا تھا۔ استقبالیہ پر پہنچ کر کملا پر انکشاف ہوا کہ سیکرٹری کی اسامی کے لیے وہاں نو لڑکیاں پہلے سے موجود تھیں۔ جن میں سے کچھ کرسچین تھیں۔ میٹرن کی اصطلاح کے مطابق تو سبھی' چٹاخہ پٹاخہ' تھیں۔

میٹرن نے کہا تھا کہ ابھی اس اسامی کا کسی کو علم نہیں۔ اس صورت میں وہاں نو امیدوار لڑکیاں موجود تھیں۔ اشتہار چھپنے کے بعد تو نہ جانے کیا عالم ہونا تھا۔

وہ مایوس ہو کر اپنا معاملہ آگے بڑھائے بغیر ہی واپس جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اندرونی دروازہ کھلا اور ایک سوٹڈ بوٹڈ' دراز قد' پکی عمر کا قبول صورت شخص نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر استقبالیہ کلرک جس طرح ہڑبڑا کر مودبانہ انداز میں کھڑی ہوگئی اس سے کملا کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ آنند ورما تھا۔

وہ غالباً ایجنسی کے کسی دوسرے ڈیپارٹمنٹ کی طرف جا رہا تھا لیکن استقبالیہ پر اتنی لڑکیوں کو دیکھ کر رک گیا۔ اس کے چہرے پر حیرانی جھلک آئی۔

"یہ سب یہاں کس سلسلے میں جمع ہیں؟ آج تو ماڈلنگ کا بھی کوئی سیشن نہیں ہے۔" اس نے استقبالیہ کلرک سے پوچھا۔ ان میں سے بعض لڑکیاں ورما کی طرف دیکھ کر قربان جانے والے انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

یہ سب سیکرٹری کی اسامی کا سن کر آئی ہیں! استقبالیہ کلرک نے جواب دیا۔

"اوہ مائی گڈنس!" آنند ورما کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "مجھے خود اپنی سیکریٹری کے جانے کا آج صبح پتا چلا ہے اور اتنی لڑکیاں انٹرویو دینے بھی پہنچ گئیں۔ انڈیا میں واقعی بڑی بے روزگاری پھیل گئی ہے۔"

پھر وہ استقبالیہ کلرک کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "افسوس' مجھے آشا کماری کے جانے کے بعد پتا چلا ہے کہ وہ کوئی اچھی سیکرٹری نہیں تھی۔ وہ کسی بات کو راز نہیں رکھ سکتی تھی۔ جاتے وقت شاید آدھے شہر کو بتا کر گئی ہے کہ وہ نوکری چھوڑ کر جا رہی ہے۔ وہاٹ اے شیم ....!"

پھر وہ لڑکیوں کی طرف سے منہ پھیرتے ہوئے استقبالیہ کلرک سے مخاطب ہوا۔

"میں ذرا دیر اوپر وکیل صاحب کے دفتر تک جا رہا ہوں۔ تم اس دوران ایک کام کرو۔ ہمارے ریکارڈ میں سے پچھلے بدھ کا' ٹائمز آف انڈیا کا شمارہ کہیں ادھر ادھر ہوگیا ہے۔ کہیں بھی نہیں مل رہا۔ میڈیا مینجر نے بھی ادھر ادھر فون کیے ہیں مگر وہ مرد ہے۔ کوئی اس کی بات زیادہ توجہ سے نہیں سن رہا۔ تم ذرا اپنا اثر و رسوخ آزماؤ۔ لوگ لڑکی کی بات ذرا توجہ سے سن لیتے ہیں۔"

استقبالیہ کلرک کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آگئی۔ وہ قدرے شرمیلے سے انداز میں مسکرا دی۔ آنند ورما بھی مسکراتے ہوئے بولا۔ "مسئلہ اصل یہ ہے کہ ہمیں پندرہ منٹ کے اندر اندر وہ شمارہ چاہیے۔ دو تین گھنٹے میں تو کہیں نہ کہیں سے مل ہی جائے گا مگر پھر وہ ہمارے لیے بے کار ہوگا۔ اس کے فرنٹ پیج پر راجیو گاندھی کے بچپن کی ایک بڑی شاندار تصویر ہے۔ ہمیں وہ چاہیے۔"

"میں کوشش کرتی ہوں سر!" استقبالیہ کلرک نے کہا اور فوراً" فون پر نمبر گھمانے لگی۔ آنند ورما تیزی سے دفتر سے نکل گیا۔

کملا ایک لمحے وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر وہ بھی تیزی سے دفتر سے نکلی اور لفٹ کی طرف لپکی۔

چند منٹ بعد وہ ہال میں واپس آئی تو اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت تک آنند ورما بھی واپس آچکا تھا اور ایک بار پھر استقبالیہ کاؤنٹر پر کہنیاں ٹکائے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے سے بے تابی عیاں تھی اور استقبالیہ کلرک اسے بتا رہی تھی "سر! ہر جگہ سے یہی جواب مل رہا ہے کہ اتنی جلدی تو وہ پیپر نہیں مل سکتا۔ ڈھونڈنے اور پہنچانے کے لیے کم از کم دو تین گھنٹے تو دیں۔"

عین اسی وقت کملا دل مضبوط کرکے آگے بڑھی اور اس نے ٹائمز آف انڈیا کا وہ شمارہ آنند ورما کے عین سامنے کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ اس نے جھپٹ کر اخبار اٹھالیا اور حیرت سے کملا کی طرف دیکھا۔ "آپ کون ہیں؟ اور آپ کے پاس عین اس وقت یہ اخبار کیونکر موجود تھا؟"

"موجود نہیں تھا سر!" کملا نے متانت سے جواب دیا۔" آپ کی بات سننے کے بعد جاکر تلاش کرکے لائی ہوں۔"

"مگر اتنی جلدی ..... اتنی جلدی تو خود ٹائمز آف انڈیا کے دفتر سے بھی نہیں مل سکتا تھا۔ بلکہ اتنی جلدی تو ان کے دفتر تک پہنچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ یہ کمال آپ نے کیونکر دکھایا؟"

"کیا مجھے سارے سوالوں کے جواب یہیں کھڑے کھڑے دینے پڑیں گے؟" کملا نے پوچھا۔

"اوہ .... ائی ایم سوری۔" آنند ورما چونکا۔ پھر اس نے کملا کو اپنے ساتھ اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

چند لمحے بعد کملا اس کے دفتر میں بیٹھی اپنے غیر رسمی انٹرویو کے دوران بتا رہی تھی۔ "چھوٹی چھوٹی باتوں کو ذہن میں رکھنا اکثر مفید ثابت ہوتا ہے۔ مجھے یاد تھا کہ ہیر ڈریسرز کی دکانوں' کلینکوں اور بیوٹی پارلروں میں اکثر پرانے اخبار اور رسالے پڑے رہتے ہیں تاکہ اپنی باری کے منتظر گاہک ورق گردانی کرتے رہیں۔ نیچے مارکیٹ میں اس قسم کی بیسیوں دکانیں' کلینک اور پارلر موجود ہیں۔ انہی میں سے ایک میں مجھے یہ اخبار مل گیا۔"

ہر دفتر کا باس اپنی جگہ ایک چھوٹا سا بادشاہ ہوتا ہے اور بادشاہوں کا کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب چھوٹی سی بات سے متاثر ہوجائیں۔ یا کب کسی چھوٹی سی بات پر ناراض ہوجائیں۔

آنند ورما نے اس چھوٹی سے بات سے متاثر ہوکر کملا کو فوراً" اپنی سیکریٹری اپائنٹ کرلیا۔

وہ اس دفتر کی تاریخ میں پہلی سیکریٹری تھی۔ جسے ٹائپ اور شارٹ ہینڈ نہیں آتی تھی مگر وہ محض پوائنٹس نوٹ کرکے یا ڈکٹا فون پر سن کر' ان کی مدد سے بہت اچھا خط لکھ سکتی تھی۔ باس کی توقع اور خواہش سے بھی اچھا۔

آنند ورما نے چند دن کے دوران اس کے کئی خطوط پڑھے تو ایک روز اسے اپنے دفتر میں بلایا۔ یہ خصوصی بلاوا تھا جس میں آنند ورما نے اپنے لیے کافی طلب کرنے کے بجائے کملا کے لیے کافی منگوائی اور بڑے دوستانہ لہجے میں کہا "کملا! تمہاری لکھی ہوئی چیزیں پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم تو بہت اچھی کاپی رائٹر بھی ثابت ہو سکتی ہو۔"

"کاپی رائٹر....." وہ کیا ہوتا ہے؟ کملا نے سادگی سے پوچھا۔ کملا کو ایجنسی میں ابھی چند ہی دن ہوئے تھے۔ ابھی اسے کچھ زیادہ دیکھنے اور سمجھنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔

"کسی بھی پراڈکٹ وغیرہ کے بارے میں معلومات سامنے رکھنے کے بعد جو لوگ اشتہاروں کا مضمون تیار کرتے ہیں وہ کاپی رائٹر کہلاتے ہیں۔" آنند ورما نے بڑے تحمل سے بتایا۔ "ہمارے دفتر میں اچھے کاپی رائٹرز کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ اس کے باوجود یہ شاید صرف بھگوان ہی کی کرپا ہے کہ میری ایجنسی اتنا بزنس لے رہی ہے۔ تمہاری ہندی بھی اچھی ہے اور انگریزی بھی۔ میں چاہتا ہوں تم فاضل وقت میں کاپی رائٹنگ کیا کرو۔ فکر مت کرو۔ اس کی تمہیں الگ تنخواہ ملے گی۔"

کملا ہنس دی۔ "ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی مجھے کبھی پرواہ نہیں رہی سر!" اسے جو ایک تنخواہ ملنے والی تھی' اس کی توقعات سے تو وہی کہیں زیادہ تھی۔ جب سے اسے جاب ملی تھی اسے دنیا کچھ روشن روشن سی دکھائی دینے لگی تھی۔

دوسرے روز سے اس نے کاپی رائٹنگ بھی شروع کردی۔ ایڈورٹائزنگ کی دنیا میں اسے سارا ہی کام بہت دلچسپ اور بہت آسان محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بہت شوق سے کام کرتی تھی۔ خود فرمائش کرکے اپنے اوپر کام لادتی تھی۔ دفتر کا وقت ختم ہونے کے بعد بھی دیر تک دفتر میں بیٹھی رہتی۔

ابتدا میں آنند ورما کا رویہ کملا کے ساتھ باس ہی کا سا رہا لیکن رفتہ رفتہ اس کی لگن' محنت اور اہلیت دیکھ کر وہ اس کے ساتھ دوستوں کی طرح پیش آنے لگا۔ کملا کو

احساس تھا کہ بہت تیزی سے ورما کے رویے کی نوعیتیں تبدیل ہو رہی تھیں لیکن کملا اس سے خوفزدہ نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ اسے آنند ورما کی موجودگی میں ایک عجیب سے تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔ وہ تحفظ جو اسے کبھی نہیں ملا تھا' کہیں نہیں ملا تھا۔

ایک شام دفتر کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ سب لوگ جا چکے تھے۔ آنند ورما بھی جا چکا تھا مگر دو گھنٹے بعد اسے کسی کام سے دفتر واپس آنا پڑا۔ لاؤنج میں چوکیدار موجود تھا جو صرف کملا کی وجہ سے بندھا بیٹھا تھا کہ وہ اٹھے تو وہ بھی دفتر بند کرکے جائے۔

اندر آکر ورما نے کملا کو تنہا اس عالم میں مصروف پایا کہ اسے گرد و پیش کا کوئی ہوش نہ تھا۔ اس کی میز پر کاغذات اور ڈیزائنوں کا انبار تھا۔ اس کے اردگرد قالین پر مختلف زبانوں کے رسائل بکھرے پڑے تھے۔

ورما چند لمحے دروازے پر کھڑا خاموشی اور محویت سے کملا کو دیکھتا رہا اور جب وہ بدستور دنیا و مافیہا سے بے خبر' کاغذوں سے الجھی رہی تو وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھا۔

"یہ میرا دفتر ہے کملا!" وہ ملائمت سے بولا۔ "کوئی بیگار کیمپ نہیں' جہاں دن رات قیدیوں سے مشقت لی جاتی ہو۔ دفتر کا وقت کب کا ختم ہو چکا ہے۔"

کملا بے اختیار اچھل پڑی۔ پھر ورما کو سامنے پاکر وہ اطمینان کی گہری سانس لیتے ہوئے مسکرا دی۔ ورما کی آنکھوں میں ان کہی پرشوق کہانیوں کا تانا بانا پھیلا ہوا تھا۔ کملا کے رخسار دہک اٹھے۔ آنکھیں جھک گئیں۔

آنند ورما کے لیے یہ اچھوتا پن' یہ حیا' عورت کی ایک متاع گم گشتہ سی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جس فیلڈ میں تھا اور زندگی میں جو کچھ دیکھ چکا تھا' اس کے بعد کسی لڑکی کا یوں بے وجہ شرما کر سر جھکا لینا اس کے لیے ایک انوکھا تجربہ تھا۔ اس کا اپنا دل بھی تیزی سے دھڑک اٹھا۔ ایک مدت سے اس کا دل صرف کاموں کی زیادتی اور کاروباری تفکرات کی وجہ سے تیزی سے دھڑکتا تھا۔ ان دھڑکنوں میں جذبوں کی نغمگی مفقود ہوتی تھی۔ مگر آج اس کے اعصاب میں مترنم سی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

اس نے کملا کے ہاتھ سے لے آؤٹ کی فائل اور مارکر لے کر ایک طرف

رکھا اور ہاتھ پکڑ کر اسے میز سے اٹھایا۔ کملا نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔
آنند اس سے عمر میں دگنا تھا مگر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں جاتے دیکھ کر کملا کو برا محسوس نہیں ہوا تھا۔ ورما کی شخصیت سائبان کی سی تھی۔ جہاں انسان کو سایہ ملتا ہے' پناہ میسر آتی ہے' ستانے کی مہلت ملتی ہے۔ ٹھنڈک اور دھیمے پن کا احساس ہوتا ہے۔ کڑی دھوپ میں ہانپتے ہوئے درندے اس پر نہیں ٹوٹ پڑتے۔

ورما اسے اپنے ساتھ دفتر سے باہر لے آیا۔ چند لمحے بعد ورما کی کار انہیں آغوش میں لیے بمبئی کی سڑکوں پر پھسل رہی تھی۔ ورما نے اس سے کچھ نہیں پوچھا اور گاڑی تاج ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں لے جا روکی۔

وہ ریستوان میں جا بیٹھے۔ کملا کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک مرد کے ساتھ شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں آئی تھی۔ اس کا لباس آج بھی معمولی تھا' جوتے سستے تھے' پرس پرانا سا تھا' بال بکھرے ہوئے تھے' چہرہ میک اپ سے بے نیاز تھا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک تک نہیں تھی۔

مگر ورما کی آنکھوں میں اس کے لیے ستائش ہی ستائش تھی۔ محویت تھی' محبت تھی' وہ اس کی ہر بات اتنے انہماک سے سنتا تھا جیسے وہ دنیا کا سب سے اچھوتا خیال پیش کرنے لگی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ایڈورٹائزنگ کے معاملے میں اس کا ذہن بے حد زرخیز' بے حد تخلیقی تھا۔ وہ ایک ایسا خزانہ تھا جو دھیرے دھیرے زمینوں کی تہوں سے باہر آ رہا تھا۔

لیکن ورما اس سے ایڈورٹائزنگ کے علاوہ بھی بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا' بہت سی باتیں سننا چاہتا تھا۔ ویٹر ان کے سامنے رنگا رنگ ڈشیں سجا رہا تھا۔

کھانا کھاتے کھاتے اچانک کملا کی نظر وال کلاک پر پڑی اور وہ اچھل پڑی۔
"ارے۔ مجھے تو اس وقت واپس پہنچ جانا چاہیے تھا۔ گیٹ بند ہو جائے گا۔ مجھے کوئی اندر نہیں گھسنے دے گا۔"

"تمہارے گھر والے بہت سخت ہیں کیا؟" ورما نے سادگی سے پوچھا۔ گھر والے

نہیں' ہوسٹل والے۔" کملا بولی۔ "آپ کو شاید یاد نہیں میری ملازمت کی درخواست میں میرا ایڈریس کیمپس کے گرلز ہوسٹل کا لکھا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے وہاں ٹکی ہوئی ہوں۔ اب تو رزلٹ بھی آ چکا ہے۔ تین مرتبہ مجھے کمرا خالی کرنے کا نوٹس مل چکا ہے۔ منت سماجت کر کے دو ہفتے کی مہلت اور لی ہے۔"

"اچھا تو تمہارا گھر بمبئی میں نہیں ہے۔" ورما نے تفہیمی انداز میں سرہلایا۔ "کہیں اور ہوگا۔ کس شہر سے آئی ہو؟"

"میرا کہیں کوئی گھر نہیں۔" کملا خود استہزائی کے سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ پھر اس نے ورما کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

"اوہ ....!" اس کے خاموش ہونے پر ورما پرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ باتیں تمہیں شروع میں ہی مجھے بتا دینی چاہیے تھیں۔"

"کیسے بتا سکتی تھی سر؟ ان کا دفتر سے تو کوئی تعلق نہیں۔ انسان کو اپنے دکھوں کا پشتارہ کندھے پر لاد کر تو دفتر نہیں آنا چاہیے۔ اگر آج بھی ہم دفتر سے باہر اس دوستانہ ماحول میں نہ بیٹھے ہوتے اور یہ موضوع نہ چھڑ جاتا تو میں آج بھی نہ بتاتی۔"
کملا بے نیازی سے بولی۔ "یوں تو دفتر میں ہر ایک کے ساتھ ہی دکھوں اور مسائل کی کوئی نہ کوئی لمبی سی کہانی لپٹی ہوئی ہوگی۔ آپ کسی کو بھی چھیڑ کر دیکھ لیجئے۔ ایک لمبی ڈور کھلتی چلی جائے گی۔ آپ کس کس کی ڈور سمیٹیں گے؟ کس کس کی دلجوئی کریں گے؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر معصومیت سے مسکرا رہی تھی۔ اس نے اب اپنے مسائل سے تھوڑا بے پروا رہنا سیکھ لیا تھا۔

میں صرف تمہاری دلجوئی کروں گا۔ کیونکہ تم مجھے اچھی لگی ہو۔ انسان کو ہر کوئی تو اچھا نہیں لگتا نا۔" ورما نے صاف گوئی سے کہا۔ کملا ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اس کی آنکھیں جھیل کی طرح گہری اور پرسکون تھیں۔ ان کی تہہ میں جھانکنا مشکل تھا۔ کملا نے سر جھکا لیا۔

"ہو سکتا ہے مجھے دلجوئی کی ضرورت نہ ہو سر!" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"اپنے بارے میں اس قسم کے فیصلے خود مت کرو کملا! ورنہ بہت گہری ڈوب جاؤ گی۔" وہ نیم تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "اور ہاں' دفتر سے باہر مجھے' سر۔ سر' کہنے کی ضرورت نہیں۔"

انہوں نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا اور بھاگم بھاگ ریستوران سے نکلے۔ ورما اسے گاڑی میں بٹھا کر تیز رفتاری سے روانہ ہوا۔ ہوسٹل سے کچھ فاصلے پر ہی کملا نے گاڑی رکوالی۔ "مجھے یہیں اتار دیجئے سر۔ میرا مطلب ہے ورما جی! اگر میں گیٹ کے سامنے کسی کی گاڑی سے اتری تو میری بہت سخت رپورٹ ہوجائے گی۔"

ورما نے اسے گاڑی سے اتار تو دیا لیکن سڑک کے موڑ پر اس کے غائب ہو جانے کے بعد بھی دیر تک گاڑی میں بیٹھا پرخیال انداز میں اسی فٹ پاتھ کو تکتا رہا جس پر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی گئی تھی۔

دوسرے روز بھی کملا دفتر کا وقت ختم ہونے کے بہت بعد تک کام کر رہی تھی۔ یہ اس کا تقریباً" روز کا معمول تھا۔ ویران ہوسٹل میں جاتے ہوئے اس کا دل گھبراتا تھا۔ نئے ہوسٹلرز ابھی آنے شروع نہیں ہوئے تھے۔ تنہائی میں تفکرات بھی اسے کچھ زیادہ ہی گھیر لیتے تھے۔ سب سے بڑا خوف اس پناہ گاہ کے چھن جانے کا تھا۔ یہاں سے نکل کر وہ کہاں جائے گی؟

ابھی وہ مالی طور پر اس قابل نہیں ہوئی تھی کہ کرائے پر کوئی فلیٹ وغیرہ لے سکتی۔ اور اکیلی لڑکی کو آسانی سے فلیٹ دیتا بھی کون تھا؟ ابھی اسے صرف دو تنخواہیں ملی تھیں اور ان کا پتا بھی نہیں چلا کہ کہاں چلی گئی تھیں۔ ہر چیز کی تو اسے ضرورت تھی۔ کچھ بھی تو نہیں تھا اس کے پاس۔ ڈھنگ کی جوتی تک نہیں تھی اور اتنی بڑی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے مالک کی سیکریٹری اور کاپی رائٹر تھی۔ وہ دو۔ دو عہدے اس کے پاس تھے۔

دفتر میں ہر کوئی اشتہاری تصویروں کی طرح ہی سجا سنورا آتا تھا۔ پہلا پورا مہینہ تو اسے دفتر جاتے شرم ہی آتی رہی تھی۔ تنخواہ ملتے ہی اس نے ہوسٹل کے واجبات

اتارے تھے۔ میٹرن کا ادھار چکایا تھا۔ اس کے پاس سو کا صرف ایک نوٹ رہ گیا تھا۔ دوسرے مہینے کی تنخواہ سے بھی اس نے واجبات ادا کیے۔ ضرورت کی کچھ چیزیں خریدیں۔ اسکالر شپ تو تین ماہ پہلے ہی بند ہوچکا تھا۔ دو تنخواہوں سے اتنے عرصے کی بدحالی کے داغ نہیں مٹ سکتے تھے۔

دفتر سے وہ عین اس وقت ہوسٹل واپس جاتی تھی جب گیٹ بند ہونے میں چند ہی منٹ رہ جاتے تھے۔ آنند ورما پھر آگیا۔ گزشتہ روز تو وہ "اتفاقاً" آگیا تھا۔ آج جان بوجھ کر آیا تھا۔ اس میں دوسری بہت سی اچھی باتوں کے علاوہ ایک اچھی بات یہ بھی تھی کہ صاف گوئی سے ہر بات بتا دیتا تھا۔ ادھر ادھر کے بہانوں کی آڑ نہیں لیتا تھا۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" اس نے آتے ہی اعلان کردیا۔ ایک بار پھر کملا اس کے ساتھ روانہ ہوئی۔ آج اس کی گاڑی نے جوہو کا رخ کیا۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی ساحلی علاقے کی ایک دس منزلہ عمارت کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ ایسے اپارٹمنٹس پر مشتمل عمارت تھی جو باہر سے ہی خوبصورت نظر آرہے تھے۔ عمارت کی چار دیواری میں چھوٹا سا پارک' سوئمنگ پول وغیرہ بھی موجود تھا۔"

لفٹ میں سوار ہوکر وہ ٹاپ فلور پر صرف ایک ہی اپارٹمنٹ تھا۔ ورما نے چابی نکال کر اپارٹمنٹ کا تالا کھولا اور کملا کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ کملا ابھی تک خاموشی سے اس کے پیچھے آرہی تھی۔ اب بھی اس نے کوئی سوال نہیں کیا اور اپارٹمنٹ میں داخل ہوگئی۔

ورما اندر آکر دروازہ مقفل کرتے ہوئے بولا۔ "تمہیں میرے ساتھ اس خالی اپارٹمنٹ میں آتے ہوئے ڈر نہیں لگا؟"

"نہیں' مجھے آپ کے ساتھ کہیں بھی جاتے ہوئے ڈر محسوس نہیں ہوتا۔" کملا نے دیانتداری سے جواب دیا۔

"گڈ! میں یہی چاہتا ہوں۔" ورما نے طمانیت سے سرہلایا۔

اس نے یوں کملا کو اپارٹمنٹ دکھانا شروع کیا جیسے کوئی پراپرٹی ڈیلر کسی متوقع

خریدار کو جائداد دکھا رہا ہو۔ وہ ایک طویل و عریض فرنشڈ اپارٹمنٹ تھا۔ اس میں دو بیڈ روم تھے' گیسٹ روم تھا۔ کشادہ ڈرائنگ روم تھا' عقب میں لمبی چوڑی ٹیرس تھی۔ فرنیچر اور تمام سامان بہت اعلیٰ درجے کا تھا۔ ہر چیز پر گرد کی ایک بہت باریک سی تہہ جمی ہوئی تھی۔

"کافی عرصے پہلے میں نے یہ اپارٹمنٹ اسی طرح فرنشڈ حالت میں خریدا تھا۔ ہماری فلم انڈسٹری کی بہت مشہور ہیروئن یہاں رہتی تھی۔ اسے ہنگامی طور پر یہ اپارٹمنٹ فروخت کرنا پڑا تھا۔ سستا دے رہی تھی۔ میں نے لے کر ڈال دیا۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ دوسری بہت سی پراپرٹی کی طرح یہ بھی عرصے سے خالی پڑا ہے۔ لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کا اتنا اچھا استعمال نکل آئے گا....."

"کتنے کا خریدا تھا آپ نے ؟" کملا نے تجسس سے کچن میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"صرف چھ لاکھ کا۔"

"چھ لاکھ ؟" کملا کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "اور آپ اسے سستا کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں۔ سستا ہی تھا۔" وہ سادگی سے بولا۔ "اب تو اس کے دس بارہ لاکھ مل سکتے ہیں۔"

"خیر۔ اچھا تو بہت ہے۔" کملا نے تسلیم کیا۔

"تمہیں پسند ہے؟" ورما نے پوچھا۔

"اچھی چیز تو سبھی کو اچھی لگتی ہے۔" کملا نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"تھینک گاڈ !" ورما نے چھت کی طرف دیکھ کر اطمینان کی طویل سانس لی۔ "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم اسے ناپسند نہ کر دو۔"

"میرے ناپسند کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"بہت فرق پڑتا ہے۔ آخر تمہیں یہاں رہنا ہے۔" ورما نے جواب دیا۔

"اوہ .... نو۔" کملا کا گلا حقیقتاً خشک ہونے لگا۔ اسے سچ مچ شبہ تک نہیں تھا

کہ ورما اس قسم کی کوئی بات کرے گا۔ کل پہلی بار تو انہوں نے ذرا سے غیر دفتری ماحول میں بیٹھ کر بات کی تھی.... اتنی بڑی نوازش کا مرحلہ کیا اتنی جلدی آسکتا تھا؟

"میں اس کا کرایہ افورڈ نہیں کر سکتی سر.... میرا مطلب ہے ورما جی۔ اس کا کرایہ تو شاید میری تنخواہ سے بھی زیادہ ہو۔" وہ افسردہ سے لہجے میں بولی۔

"ہاں۔ کرایہ تو یقیناً" تمہاری تنخواہ سے زیادہ ہوگا۔" ورما نے تائید میں سر ہلایا۔ "لیکن مالک کرایہ تو ادا نہیں کیا کرتے۔" اس نے جیب سے ایک دبیز سا لفافہ نکال کر کملا کی طرف بڑھایا۔ "اس میں ٹرانسفر کے کاغذات ہیں۔ میں نے یہ اپارٹمنٹ تمہیں گفٹ کر دیا ہے۔ یہ میری دوستی کا پہلا تحفہ ہے۔"

کملا نے لفافہ نہیں لیا۔ وہ خود بھی نہ سمجھ سکی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو کیوں بھر آئے تھے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں فرش کی مکین ہوں ورما جی ؟ مجھے عرش پر پہنچانے کی کوشش مت کیجئے۔ یہ اپارٹمنٹ بہت بلندی پر ہے۔ میں اتنی بلندیوں کی عادی ہونا نہیں چاہتی۔ میرے پاس ان نوازشات کے جواب میں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"کیا میں نے تم سے کچھ مانگا؟" ورما نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"ایک اجنبی لڑکی پر کوئی بن مطلب تو اتنی مہربانیاں نہیں کرتا ورما جی ! اور دولت مند لوگوں میں ابھی اتنی بڑی بڑی چیزیں خیرات میں دینے کا رواج بھی نہیں ہوا۔ لوگ دان بھی حساب کتاب سے کرتے ہیں۔"

ورما کھڑکی میں جا کھڑا ہوا اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولا تو اس کے لہجے میں ہلکی سی افسردگی تھی۔ "مجھے معلوم ہے تم کیا سوچ رہی ہو کملا ! یقین کرو میں تمہیں خریدنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم بکاؤ چیز نہیں ہو۔ میں تمہیں کل ہی بتا چکا ہوں کہ تم مجھے اچھی لگنے لگی ہو اور میں اس دن کا انتظار کروں گا جب میں بھی تمہیں اچھا لگنے لگوں۔ اگر وہ دن میری زندگی میں نہ آیا تب بھی مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ میں بہت تنہا ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں سچی خوشی اور رفاقت

کی تلاش میں ہوں۔ لیکن میں کبھی کوئی چیز تم پر مسلط نہیں کروں گا۔ میرا تمہارے لیے اگر کچھ کرنے کو دل چاہے تو بس وہ مجھے کرنے دو۔ میرے لیے اتنی ہی خوشی کافی ہے۔ میں کبھی تم سے کوئی صلہ نہیں مانگوں گا اور ہاں' میں کبھی سماج میں تمہارا سرنیچا بھی نہیں ہونے دوں گا۔"

یہ دل کو بہت ہی خوش کرنے والی باتیں تھیں۔ کملا کا ان پر اعتبار کرنے کو جی نہیں مان رہا تھا۔ زندگی اس پر اتنی مہربان تو کبھی نہیں ہوئی تھی لیکن ورما نے جب مڑ کر اس کی طرف دیکھا تو کملا کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ وہ اتنا بڑا' اتنا کامیاب' اتنا دولتمند انسان اس وقت بالکل کھنڈر نظر آرہا تھا۔

تب کملا نے آہستگی سے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اس کے چہرے پر یکدم خوشیاں لوٹ آئیں۔ بالکل بچوں کی طرح۔ جو ایک منٹ میں کوئی چیز چھن جانے پر دنیا بھر سے روٹھ جاتے ہیں اور دوسرے ہی لمحے وہ چیز مل جانے پر سر سے پاؤں تک خوشیوں کی تصویر بن جاتے ہیں۔

"چلو۔ آج ہی تم ہوسٹل سے اپنا سامان اٹھا کر لاؤ۔ جو یقیناً" بہت مختصر ہوگا۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔ "تمہارا سامان یہاں پہنچا کر ہم آج بھی کھانا "تاج" میں کھائیں گے۔ آج رات سے ہی تم یہاں صفائی ستھرائی کرکے زندگی کا ایک نیا دور شروع کروگی۔"

"اتنی جلدی کس بات کی ہے؟" کملا اپنی آنکھوں سے نمی پونچھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"اتنے دن ہوگئے تمہیں میرے آفس میں کام کرتے ہوئے۔ کیا تمہیں ابھی تک تجربہ نہیں ہوا کہ ایڈرٹائزنگ کے لوگ ہمیشہ جلدی میں رہتے ہیں۔ گرتے پڑتے' دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں۔ جیسے ان کا جہاز چھوٹ رہا ہو' ٹرین نکلی جا رہی ہو۔"

اس دن کے بعد ورما نے کملا کو ایک گاڑی دی۔ ہر وہ چیز لے کر دی جو رہن سہن اور شخصیت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری تھی۔ اس کے اکاؤنٹ میں کافی روپیہ

ڈال دیا کہ اگر اس کا کسی بھی چیز کو' کسی بھی کام کو دل چاہے تو اسے سوچنا نہ پڑے۔ اور یہ سب کچھ اس نے بڑے سلیقے سے کیا تھا۔ دفتر میں کوئی بات نہیں بننے دی تھی۔ کوئی انگلی کملا کی طرف اٹھنے نہیں دی تھی۔ دفتر میں ایک کہانی غیر محسوس انداز میں مشہور ہوگئی تھی جس کے مطابق کملا پونا کے ایک لکھ پتی خاندان کی لڑکی تھی مگر ایک عرصے سے والدین سے ناراض ہوکر بمبئی آئی ہوئی تھی لیکن اب والدین سے اس کی صلح ہوچکی تھی۔ نوکری تو وہ محض شوقیہ کر رہی تھی۔ یہ کام اس کے دل کو بہت بھاگیا تھا۔

ورما کا رویہ حقیقتاً" بہت عجیب تھا۔ اس نے واقعی کملا سے کوئی صلہ نہیں چاہا تھا۔ دفتر کے بعد وہ ساتھ گھومتے پھرتے' اچھے ریستورانوں میں کھانا کھاتے' فلمیں دیکھتے' تفریح گاہوں میں جاتے اور آخر میں ورما اسے اس کے اپارٹمنٹ کے قریب چھوڑ کر رخصت ہو جاتا۔ پہلے دن کے بعد اس نے کبھی کملا کے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں قدم تک نہیں رکھا تھا۔ دو ایک بار تو کملا نے خود اسے کافی پلانے کے لیے مدعو کیا مگر وہ گھڑی دیکھ کر معذرت کرکے رخصت ہوگیا۔

اس دوران کملا کو اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوچکا تھا۔ وہ ایک بڑے سے بنگلے میں چند ملازمین اور اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا۔ جو بے حد ضعیف تھے۔ تقریباً" پندرہ سال پہلے اس کی شادی ہوئی تھی جو صرف چار سال برقرار رہ سکی تھی۔ اس کی بیوی کا تعلق بھی ایک نہایت دولتمند اور صنعتکار خاندان سے تھا۔

ازدواجی زندگی کے ایک نہایت تلخ دور کے بعد ان کے درمیان طلاق ہوگئی تھی۔ اس کے دو بچے بھی تھے جو عدالتی کارروائی کے بعد ماں نے لے لیے تھے۔ عدالت نے گو کہ بچوں کو باپ سے ملواتے رہنے کی ہدایت کی تھی لیکن ورما کی سابق بیوی بہت ضدی اور خود سر عورت تھی۔ وہ ایسے حالات پیدا کیے رکھتی تھی کہ ورما بچوں سے نہ ملنے پائے۔

چند سال تو ورما بچوں کی طلب میں ان کے پیچھے پیچھے تڑپتا پھرتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ

یہ کشش بھی مسلسل دھچکے سہہ سہہ کر دھیمی پڑتی گئی اور بالآخر اس نے بچوں سے ملنے کی کوششیں بھی چھوڑ دیں۔ وہ ایک بارسوخ آدمی تھا۔ چاہتا تو اپنی سابق بیوی اور اس کے خاندان کو تنگ کر سکتا تھا۔ کئی طرح کے حربے آزما سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

اس کا رویہ ایک دل شکستہ آدمی کا سا تھا۔ وہ اپنی ازدواجی زندگی کی ہر یادگار سے کنارہ کش ہوگیا۔ کتاب زندگی سے اس نے گویا وہ ورق ہی پھاڑ کر پھینک دیا۔ طلاق کے بعد سے اسے کسی عورت میں دلچسپی لیتے نہیں دیکھا گیا تھا۔ حالانکہ اس کے کئی کاروبار تھے۔ اور خصوصاً" ایڈورٹائزنگ کا کام ایسا تھا کہ وہ دن رات عورتوں میں گھرا رہتا تھا۔

وہ ان سے ہنستا بولتا بھی تھا۔ ان کے ساتھ اچھا وقت بھی گزارتا تھا۔ اپنے آپ کو پژمردہ، شکستہ دل یا عورتوں سے متنفر ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ مگر وہ جو کامیاب مردوں کی شخصیت کی تہوں میں ایک شعلہ سا فروزاں ہوتا ہے۔ وہ بجھ چکا تھا۔ اس کی زندہ دلی، اس کی بشاشت، اس کی مسکراہٹ مصنوعی سی ہوتی تھی۔ روح سے خالی ہوتی تھی مگر جب سے وہ کملا سے ملا تھا، راکھ کے اس ڈھیر سے کوئی چنگاری پھر سر اٹھا رہی تھی۔

ایک رات وہ ساحل سمندر پر منعقد ہونے والا ایک بہت بڑا میلہ دیکھنے چلے گئے۔ ان کی ایجنسی نے اس میلے کی ڈاکو منٹری فلم بنائی تھی اور اپنے اسٹوڈیو میں وہ فلم دیکھنے کے بعد ورما کو اصل میلہ دیکھنے کا اشتیاق ہوگیا تھا۔

میلے سے انہوں نے حقیقتاً" بہت انجوائے کیا۔ نو عمر جوڑے کی طرح انہوں نے ہر چیز کو جوش و خروش اور اشتیاق سے دیکھا۔ جوکروں کی حرکتیں دیکھ کر دل کھول کر قہقہے لگائے۔ مختصر سے لباس میں شیر کی کمر پر ناچتی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر سیٹیاں بجائیں۔ موت کے کنوئیں میں موٹر سائیکل چلانے والے مرد اور اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی پر پھول پھینکے، کرتب دکھانے والوں پر نوٹ لٹائے۔

وہ اپنے اسٹیٹس اور عمروں کے احساس سے کچھ دیر کے لیے آزاد ہوگئے تھے۔ ان کے سامنے وہ تمام چیزیں تھیں جنہیں وہ اپنے اپنے بچپن میں دیکھنے سے محروم رہے تھے۔ اور ستم ظریفی یہ رہی تھی کہ ایک کا خاندان چونکہ دولت مند تھا اس لیے ان کے ہاں ایسی عوامی سی تفریحات اور میلوں ٹھیلوں میں جانا معیوب سمجھا جاتا تھا اور ایک کے ہاں اتنی غربت رہی تھی کہ وہ چند ٹکوں کی اس تفریح کے بھی متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

وہ ابھی میلے ہی میں تھے اور خوب لطف اندوز ہو رہے تھے کہ اچانک تیز بارش شروع ہوگئی۔ انہوں نے ادھر ادھر پناہ لینے کی کوشش کی مگر میلہ بہت ہی کھلی جگہ میں لگا ہوا تھا۔ پناہ کی جگہیں بہت کم تھیں اور جو تھیں وہاں پہلے ہی لوگ گھسے ہوئے تھے۔

اچھی طرح بھیگ جانے کے بعد انہوں نے رخصت ہو لینے میں ہی عافیت سمجھی۔ کار بہت دور کھڑی تھی۔ وہ ابھی اس تک نہیں پہنچے تھے کہ بارش بہت ہی تیز ہوگئی اور لائٹ بھی چلی گئی۔ چند منٹ میں ہی سڑکوں پر ویرانی، پھسلن اور تاریکی پھیل گئی۔ ڈرائیونگ خاصی مشکل ہوگئی۔

کملا کا اپارٹمنٹ وہاں سے قریب تھا۔ طے پایا کہ ورما کچھ دیر وہاں ٹھہر کر بارش رکنے کا انتظار کرلے گا۔ آج اس نے کملا کی کافی کی دعوت قبول کرلی تھی۔ غنیمت تھا کہ اس علاقے میں لائٹ موجود تھی۔ ابھی تک گئی نہیں تھی۔

وہ دونوں اوپر آئے اور بہت دیر تک جوش و خروش سے میلے کی باتیں کرتے رہے۔ چھوٹے چھوٹے غیر اہم سے واقعات کو یاد کرکے محظوظ ہوتے رہے۔ کافی پیتے رہے۔ کملا نے اپارٹمنٹ کی آرائش نو کی تھی جسے دیکھ کر ورما کو یقین نہیں آرہا تھا کہ کملا نے غربت میں پرورش پائی تھی۔ بلکہ اب تو کملا کو بھی دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ کبھی غربت سے بھی اس کا کوئی ناطہ رہا تھا۔

بارش رات گئے تک بند نہ ہوئی۔ البتہ اس دوران اس بلڈنگ کی بھی لائٹ

چلی گئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس پر ان دونوں ہی کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ لاشعور میں شاید کہیں خواہش کی کوئی ننھی سی چنگاری روشن رہی ہو لیکن یہ توقع ورما کو نہیں تھی اور شاید کملا نے بھی نہیں سوچا تھا کہ برستی بارش کے ساتھ اس کے اندر بھی خود سپردگی کا موسم امنڈ آئے گا۔

مرد سے قربت کی وہ پراسرار اور سنسنی خیز کہانی جس کی بھول بھلیوں میں وہ برسوں سے بھٹک رہی تھی، سلجھی ڈور کی طرح اس کے سامنے کھلتی چلی گئی اور اسے احساس ہوا کہ یہ سب کچھ اتنا سنسنی خیز تو نہیں تھا جتنا وہ سمجھتی تھی۔ کہانی کے اسرار و رموز اتنے دلچسپ نہیں تھے جتنی اسے توقع تھی اور سربستہ رازوں کی اس دنیا میں ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی جس کے انجانے تصور سے وہ برسوں کانپتی رہی تھی۔

یہ ایک پھسپھسی سی کہانی تھی مگر پھر یہ کملا کے معمولات میں شامل ہوگئی۔ اسے کبھی کبھار ہی اس کہانی میں کوئی دلچسپ موڑ محسوس ہوتا مگر بہرحال اب وہ اس کی اپنی کہانی تھی۔ وہ اس کا ایک کردار تھی۔ وہ میزان وصل کا ایک پلڑا تھی۔ اس دن کے بعد ورما ہر تیسرے چوتھے دن اس کے ہاں آنے لگا تھا اور بے شک اس کی آمد پر کملا کی روح میں کوئی ہیجان برپا نہیں ہوتا تھا مگر وہ کوئی ناگواری بھی محسوس نہیں کرتی تھی۔

اس کی زندگی میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ آگیا تھا۔ تنہا راتوں میں اپنے بستر پر لیٹے لیٹے کبھی کبھار کملا اپنی زندگی کے تغیرات پر غور کرتی اور دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہتی۔ "تم مانو یا نہ مانو کملا! لیکن حقیقت یہی ہے کہ اب تم آنند ورما کی داشتہ ہو۔"

تب اسے ونود یاد آتا۔ اس کے الفاظ یاد آتے۔ اس نے کہا تھا۔ "تم جیسی لڑکیاں جو اپنے آپ کو بہت سینت سینت کر رکھتی ہیں، عمر کا یہ سنہری دور گنوا کر عام طور پر کسی دھیمے اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے والے بوڑھے سے آدمی کی رکھیل بن جاتی ہیں۔"

لیکن اس کمینے کو نوجوانی میں ہی اتنا تجربہ کیسے ہوگیا تھا کہ کس قسم کی لڑکیاں کیا بنتی ہیں اور کیا نہیں؟ کملا حیرت سے سوچتی لیکن اسے کوئی جواب نہ ملتا۔ شاید یہ ونود کا تجربہ نہیں بول رہا تھا۔ بلکہ دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی ایک بددعا تھا جو کملا کو لگ گئی تھی۔ ورنہ اس جیسی سبھی لڑکیوں کا انجام تو ایسا نہیں ہوتا تھا نا!

پھر اسے اپنے آپ پر حیرت ہوتی۔ اس نے ونود کے سامنے ہتھیار کیوں نہیں ڈالے تھے؟ جبکہ وہ نوجوان تھا، اس کا ہم عمر تھا۔ ورما سے زیادہ وجیہہ تھا اور کافی عرصے تک کملا کو یہ گمان رہا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔ اور ورما کے سامنے اس کی مزاحمت کہاں چلی گئی تھی؟ کیا وہ اس کی عنایات کے بوجھ تلے دب گئی تھی؟ کیا اس کی نوازشات کے سامنے اس کی پارسائی کے سارے فلسفے دم توڑ گئے تھے؟

اس کی سمجھ میں ایک ہی جواز آتا تھا۔ شاید اسے اندیشہ تھا کہ ونود کے لیے وہ کہیں محض جوانی کا ایک کھلونا ثابت نہ ہو۔ وہ اسے زندگی کی بھیڑ بھاڑ میں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے۔ پلٹ کر بھی نہ دیکھے۔ بعض پیاسے جب پیاسے نہیں رہتے تو وہ کنوئیں کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھتے۔

جبکہ ورما کے بارے میں اس کا دل گواہی دیتا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ کم از کم بے یارو مددگار چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ شاید وہ زندگی کے مصائب سے اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ اس کی نظر میں تحفظ سب سے اہم ہوکر رہ گیا تھا۔ شاید اس کی آنکھوں کا سب سے بڑا خواب پناہ تھی۔

یوں بس وہ زندگی کی اس نئی ڈگر پر سرجھکائے چلی جا رہی تھی! ایک بار ورما اسے خاص طور پر اپنے والدین سے ملانے گھر بھی لے گیا۔ اس حویلی نما گھر میں درحقیقت انہی کا حکم چلتا تھا۔ ورما تو زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتا تھا۔ آبائی طور پر وہ لوگ دراصل زمیندار ہی تھے۔ کاروبار میں تو انہوں نے بعد میں ہاتھ ڈالا تھا۔ ورما کے پتاجی جوانی میں انگریزوں کی فوج میں کرنل بھی رہے تھے۔ اور جو انگریزوں کی فوج میں ذرا اونچے عہدے پر رہا تھا، ظاہر ہے وہ نوازا بھی گیا تھا۔ یوں انہیں ہر طرف سے

خوشحالی ہی خوشحالی ملی تھی۔ وہ ایک خوش قسمت خاندان تھا۔

جس انداز میں ورما کے ماتا پتا زندگی گزار رہے تھے اسے دیکھ کر بہت سے لوگوں کو جوانی سے بڑھاپا زیادہ دلکش معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے لیکن مزاج میں تحکم اور کرارا پن برقرار تھا۔ اس کے باوجود وہ کملا کو اچھے لگے۔ وہ بہت ملنسار اور مہربان بھی تھے۔ ورما اپنے باپ ہی کی پچیس تیس سال پہلے کی تصویر دکھائی دیتا تھا۔

لیکن کملا حیران تھی کہ ورما اسے اپنے والدین سے ملانے کیوں لایا تھا؟ کوئی اپنی داشتہ کو اپنے والدین سے ملانے بھی لاتا تھا کیا؟

پھر جب وہ دونوں رخصت ہونے لگے تو ورما کے پتا جی خود چھڑی ٹیکتے انہیں چھوڑنے ڈرائیو وے تک آئے۔ ایک ستون کے پاس کھڑے ہو کر انہوں نے کملا کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "چندا! میرا خیال ہے تجھے بھی نہیں معلوم اور مجھے بھی نہیں معلوم کہ ورما تجھے یہاں کیوں لایا تھا لیکن میری زندگی میں چونکہ وقت بہت کم رہ گیا ہے اس لیے میں وقت ضائع کرنا افورڈ نہیں کرسکتا۔ میں وقت ضائع کیے بغیر دل کی بات کہہ دیتا ہوں۔ اگر ورما نے تجھے شادی کے لیے پسند کر لیا ہے تو ہمیں بھی تو بہت پسند آئی ہے۔ ہماری طرف سے ورما کو اجازت ہے کہ وہ جب چاہے تجھے ہماری بہو بنا کر اس گھر میں لاسکتا ہے۔ ہم اس کا گھر آباد دیکھنا چاہتے ہیں اور اس انتظار میں ہماری آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔"

کملا کے رخسار دہک اٹھے۔ حیا سے بوجھل نظروں سے اس نے ورما کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے مخصوص پراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ کبھی تو اس کا بالکل پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ کوئی وضاحت نہ کی۔ بس مبہم سے انداز میں ہنس دیا لیکن اس کی ہنسی میں گم گشتہ خوشیوں کی کھنک تھی۔

وہ گاڑی میں بیٹھ کر باہر آگئے تب ورما نے پوچھا۔ "کیسے لگے تمہیں میرے والدین؟"

"بہت اچھے۔" کملا نے دیانتداری سے جواب دیا لیکن اس نے اب بھی نہیں پوچھا کہ وہ اسے ان سے ملانے کیوں لے گیا تھا۔ تاہم اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ورما اس سے شادی کرنے کا سوچ رہا تھا اور یہ بلاشبہ اس کے لیے ایک بالکل غیر متوقع چیز تھی۔

اس کا خیال تو یہی تھا کہ جن عورتوں کو مرد شادی کے بغیر ہی فتح کر لیتے ہیں ان سے شادی کے لیے تو مشکل سے ہی تیار ہوتے ہوں گے۔

بہرحال داشتہ سے بیوی بننے کا تصور خوش کن تھا اور کملا نے ابھی سے انتظار شروع کر دیا تھا کہ کب اس کا یہ خیال حقیقت کا روپ دھارتا ہے لیکن اس تصور سے اس کے رگ و پے میں کوئی سنسنی نہیں دوڑتی تھی۔ جسم و جاں میں کوئی بجلی نہیں کوندتی تھی۔ کملا نے یہی سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ وہ دونوں اب بھی تقریباً میاں بیوی ہی کی سی زندگی گزار رہے تھے۔

ورما کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور کملا نے اسی لمحے سے انتظار شروع کردیا تھا کہ وہ کب آکر صاف لفظوں میں اس سے کہے گا "کملا! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"



راج کماری کے ساتھ بھی نام کے سلسلے میں تقدیر نے بڑی ستم ظریفی دکھائی تھی۔ یا پھر شاید اس ستم ظریفی کی ذمے دار تقدیر نہیں بلکہ اس کے والدین تھے جنہوں نے اپنے حالات دیکھتے ہوئے بھی اس کا ایسا نام رکھا تھا۔ انہوں نے صرف لاڈ میں آکر اس کا نام راج کماری رکھا تھا۔

ان کے پاس راج کماری کو دینے کے لیے لاڈ کے علاوہ کچھ تھا بھی نہیں۔ راج پاٹ کا ذکر تو انہوں نے صرف قصے کہانیوں میں سنا تھا۔ لاڈ انہیں راج کماری پر اس لیے زیادہ آتا تھا کہ انہوں نے اپنے ہاں اتنی خوبصورت بچی کے پیدا ہونے کا کبھی تصور تک نہیں کیا تھا۔

وہ مدراس کے ایک شہر میں کچی بستی میں رہتے تھے۔ راج کماری کی ماں ویسی ہی سانولی سلونی تھی جیسی عام طور پر مدراس کی عورتیں ہوتی ہیں۔ لمبے' ملائم اور سیاہ ریشمی بال۔ بڑی بڑی' حیران سی کالی آنکھیں اور جسم میں شاخ گل کی سی لچک۔

اگر تھوڑی سی خوش حالی ہوتی اور اس سانولے سلونے پن کو نکھارنے کا سامان میسر ہوتا تو وہ زیادہ پرکشش بھی نظر آسکتی تھی مگر وہاں تو کھانے کے لالے پڑے رہتے تھے۔ اپنے آپ کو نکھارنے سنوارنے کا کون سوچتا۔

راج کماری کا باپ بھی ویسا ہی سانولا اور کھردرا سا تھا۔ ایسے مدراسی جوڑے کے ہاں جو بچی پیدا ہوئی اس کے لیے انہیں راج کماری کے علاوہ کوئی نام ہی نہیں سوجھا۔ وہ ان کے لیے عجوبے سے کم نہیں تھی۔ ایک تو ویسے ہی وہ شادی کے سات سال بعد پیدا ہوئی تھی جب وہ اولاد کے معاملے میں تقریباً" ناامید ہوچکے تھے۔ اس لیے لڑکی ہونے کے باوجود ماں باپ اس کی پیدائش پر پھولے نہیں سمائے تھے۔

ویسے تو راج کماری کے جنم لیتے ہی گویا وہ کچا مکان جگمگ جگمگ کر اٹھا تھا مگر جب وہ پانچ سال کی ہوئی تو اس کی صورت شکل اور بھی انوکھی نظر آنے لگی۔ اتنی حسین بچی اس

بستی کی گلیوں میں تو کیا' اس بستی کی تاریخ میں بھی نظر نہیں آتی تھی۔

اس کی رنگت اتنی اجلی تھی کہ ہاتھ لگاتے ہوئے اندیشہ محسوس ہوتا تھا کہ کہیں میلی نہ ہو جائے۔ بال گویا نرم ہوا کی لہریں تھیں جنہوں نے سنہرا رنگ اختیار کرلیا تھا۔ لب و رخسار کی تازگی گلاب کو شرماتی تھی۔ بلاشبہ اس کا ننھا سا وجود دست قدرت کا ایک شاہکار نظر آتا تھا۔

اس کے باپ کا نام منوہر تھا مگر بستی میں وہ بنٹی کے نام سے مشہور تھا۔ بنٹی کبھی کبھار راجکماری کو اپنی انگلی تھماتا اور ٹہلاتا ہوا قریب ہی ہائی وے تک لے جاتا جہاں بسوں کا اڈا تھا۔ وہ اپنے سامنے پھیلے ہوئے شہر کی طرف اشارہ کرتا اور باچھیں پھیلاتے ہوئے کہتا۔ "یہ میری بیٹی کی راجدھانی ہے۔ بڑی ہوکر میری بیٹی اس پر راج کرے گی۔" پھر وہ لاری اڈے پر قطار در قطار کھڑی ہوئی بسوں کی طرف اشارہ کرتا۔ "یہ میری راجکماری کا بیڑا ہے۔ یہ سارے بحری جہاز میری بیٹی کے ہیں۔"

"مگر پتا جی' یہ جہاز تو نہیں۔ یہ تو بسیں ہیں۔" راجکماری ہنستے ہوئے باریک سی آواز میں کہتی۔

"ارے ہاں۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ راجکماریوں کے بحری جہازوں کے بیڑے تو پرانے زمانے میں ہوتے تھے۔ آج کل تو ان کی بسیں ہوتی ہیں۔ گاڑیاں ہوتی ہیں۔ جہاز ہوتے ہیں۔ یہ بسیں' یہ گاڑیاں' یہ سب کچھ میری راجکماری کا ہے۔"

ایسی ہی باتیں کرتے وہ گھر واپس آجاتا جہاں اس کی بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کاج کرکے تھوڑے سے پیسے کما کے لائی ہوتی تھی اور چولہا گرم کرنے کا سامان کر رہی ہوتی تھی۔

بنٹی بدمعاشی میں بھی پاؤں رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ بدمعاش تو وہ نہیں بن سکا لیکن بدمعاشوں کی ایک ٹولی اور پولیس کے درمیان مقابلے میں وہ بے موت مارا گیا۔ وہ نہ پولیس کو مطلوب تھا اور نہ ہی بدمعاشوں کی ٹولی میں شامل تھا۔ بس اس کے مقدر میں گولی لکھی تھی جو اس نے کھالی۔

حادثہ بہت بڑا تھا لیکن دھیرے دھیرے ننھی راجکماری کے معصوم ذہن میں بھی اس کی یادیں دھندلی پڑگئیں۔ حتی کہ اس کی ماں شوبھا کو بھی جیسے اس کی موت کو بھلانے میں

کوئی زیادہ عرصہ نہیں لگا تھا۔

بنٹی کی موت کے بعد اس کا دور پار کے رشتے کا کوئی بھائی آکر ان کی سرپرستی اور دیکھ بھال کے لیے گھر میں رہنے لگا تھا۔ وہ تھا تو تقریباً" پچاس کی عمر کا لیکن ہٹا کٹا تھا۔ موٹی موٹی مونچھیں تھیں۔ گلی محلے میں اس کا بنٹی سے زیادہ رعب تھا۔ لیکن بنٹی کی طرح وہ بھی کام دھندا کبھی کبھار ہی کرتا تھا۔

اس نے آتے ہی پہلا کام یہ کیا تھا کہ راجکماری کو قریبی اسکول میں ڈال دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اتنی حسین بچی کو پڑھنا ضرور چاہیے۔ تعلیم سونے پر سہاگہ ہوتی ہے۔ اس تجویز پر راجکماری دل ہی دل میں اپنے اس تاؤ یعنی تایا کی شکرگزار تھی کیونکہ اسکول میں اس کا خوب دل لگتا تھا۔

وہ اسکول سے آتی تو عموماً" اس کا تاؤ اور ماتا کندھے سے کندھا جوڑے بیٹھے کھسر پھسر کر رہے ہوتے لیکن اسے دیکھ کر ذرا پرے ہو کر بیٹھ جاتے اور کچھ اونچی آوازوں میں باتیں کرنے لگتے۔

تاؤ بھی اکثر یہی کہتا "شوبھا! اوپر والے نے تجھے بچی کیا دی ہے۔ ہیرا دے دیا ہے ہیرا!"

شوبھا پراسرار سے انداز میں مسکراتی اور اس کی آنکھیں چولھے کے دھوئیں سے دور کہیں بھٹکنے لگتیں۔ اسے وہ دن یاد آتے جب وہ مشنری اسپتال کے ایک انگریز' ڈاکٹر کے گھر میں کام کرتی تھی۔ ایک شام جبکہ ڈاکٹر صاحب کی میم صاحب کو لندن گئے ہوئے دو ماہ سے زیادہ ہوچکے تھے اور ڈاکٹر صاحب بے چینی سے گھر میں ٹہل رہے تھے۔

مگر شوبھا جلدی سے جھرجھری سی لے کر اس شام کو سنپولیے کی طرح ذہن سے جھٹک دیتی اور ایک ٹک راجکماری کو تکنے لگتی۔

اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے راجکماری مجسم قیامت بن گئی۔ اس نے میٹرک بھی کرلیا تھا۔ وہ اپنی بستی کی پہلی لڑکی تھی جس نے میٹرک کیا تھا۔ وہ تو کالج میں بھی داخلہ لینا چاہتی تھی مگر تاؤ جی اور ماتا جی کی طرف سے اجازت نہیں ملی تھی۔ وہ ابھی اس کے بارے میں نہ جانے کس ادھیڑبن میں تھے۔

تاؤ کا کہنا تھا کہ وہ اس کے لیے نوکری تلاش کر رہا تھا۔ وہ ایک خوش اطوار اور

ذہین لڑکی تھی۔ گھٹیا ماحول کی پیداوار نہیں لگتی تھی۔ تاؤ کا کہنا تھا کہ وہ ہر کام بڑے سلیقے سے کرسکے گی۔ ہر کام' پر وہ بڑا زور دیتا تھا۔ وہ جب بھی گھر میں ہوتا' کن انکھیوں سے راجکماری کو چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے دیکھتا اور نہ جانے کن سوچوں میں الجھ جاتا۔

ایک روز شہر سے واپس آکر تاؤ نے گھر میں اعلان کیا کہ وہ راجکماری کے لیے نوکری کا بندوبست کر آیا ہے۔ ایک سیٹھ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس کی بھتیجی کا رکھ رکھاؤ اس کے معیار کے مطابق ہوا تو وہ اسے اچھی تنخواہ پر ملازم رکھ لے گا۔ سیٹھ کی' عورتوں کے کپڑوں کی بہت بڑی دکان تھی۔

اب تک وہ اور اس کی بیوی ہی کام چلاتے رہے تھے۔ لیکن اب اس کی بیوی پر فالج گر پڑا تھا اور وہ بستر تک محدود ہوکر رہ گئی تھی۔ سیٹھ کو ایک سلیقہ شعار اور خوش شکل لڑکی کی ضرورت تھی جو اگر خود کسی کو کوئی لباس پہن کر دکھائے تو وہ اس پر جچے۔ اور دوسرے وہ گاہک کو دیکھ کر اس کے جسم' شکل اور عمر کے لحاظ سے اسے لباس نکال کر دے سکے۔

دوسرے روز راجکماری تاؤجی کے ساتھ ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان پر پہنچی۔ شہر کی طرف اس کا آنا جانا بہت ہی کم ہوا تھا۔ ان کی بستی نواحی علاقے میں تھی اور اسکول وہاں سے قریب ہی تھا۔ اس کی آمدورفت وہیں تک رہی تھی لیکن آج اسے اندازہ ہوا تھا کہ شہر تو کافی بڑا اور خوبصورت تھا۔ اس کے بازار خوب بارونق اور دکانیں بھری پڑی تھیں۔

وہ کپڑوں کی اس دکان کو دیکھ کر بھی حیران رہ گئی۔ اس میں ہینگروں پر قطار در قطار اتنے کپڑے لٹکے ہوئے تھے جتنے راجکماری نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ الماریاں الگ بھری ہوئی تھیں۔ پھر کپڑے بھی ایسے کہ بے اختیار راجکماری کا دل چاہ رہا تھا ہر لباس کو ہینگر سے نوچ لے اور اپنے تن پر سجالے۔

وہ دکان دیکھ کر مبہوت تھی اور سیٹھ جمنا داس اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ تاؤ بیجارام نے اس کے سامنے تعریفیں تو بہت کی تھیں کہ اس کی بھتیجی بڑی خوبصورت ہے۔ پڑھی لکھی ہے لیکن سیٹھ کو کچھ زیادہ یقین نہیں تھا' اب اس نے راجکماری کو دیکھا تو نہ تجربے کے بارے میں پوچھا اور نہ تعلیم کے بارے میں' جھٹ اسے ملازم رکھ لیا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ لڑکی کو ملبوسات کے سائزوں تک کا اندازہ نہیں تھا لیکن یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ چند ہی دن میں وہ اسے سب کچھ سکھا دے گا۔ سب کچھ!

ایسے ناتراشیدہ ہیرے خوش قسمتوں ہی کے ہاتھ آتے ہیں۔ اس نے فوراً ہی اس کی تنخواہ بھی پانچ سو روپے مہینہ مقرر کردی۔ تاؤ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اس زمانے میں ان کے علاقے میں کسی نے نوکری یا کوئی دھندا کرکے پانچ سو روپے مہینہ کمانے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

سیٹھ جمنا داس ادھیڑ عمر' اور بے حد بدشکل تھا۔ مگر تھری پیس سوٹ میں رہتا تھا اور اس کی دکان بھی خوبصورتیوں کا گڑھ تھی۔ شہر بھر کی کھاتی پیتی عورتیں ہی اس کے ہاں کپڑے خریدنے آتی تھیں۔ ریڈی میڈ کپڑوں کا رواج ہی کھاتے پیتے طبقے میں تھا۔

راجکماری بڑے اشتیاق سے نت نئے ملبوسات نکال نکال کر انہیں دکھاتی۔ ٹرائی روم میں لے جاکر پہن کر دیکھنے میں ان کی مدد کرتی۔ وہ خوشبوؤں میں بسی ہوئی ان تیز و طرار عورتوں سے درحقیقت خود بہت کچھ سیکھ رہی تھی۔

راجکماری کی نوکری کے ساتھ ہی گھر کا ماحول بہت خوشگوار ہوگیا تھا۔ تاؤ کی باچھیں ہر وقت کھلی رہتیں اور شوبھا بھی صبح شام یوں راجکماری کی خاطرداری میں لگی رہتی جیسے وہ کوئی مہمان ہو جس نے ان کی بڑی منتوں مرادوں کے بعد انہیں شرف میزبانی بخشا ہو۔ اسے ہر طرح کی آزادی تھی۔ اس کے ناز اٹھائے جاتے تھے لیکن ایک روز راجکماری کو اندازہ ہوا کہ اس کی آزادی کی سرحدیں کہاں سے شروع ہوتی تھیں اور کہاں ختم ہوتی تھیں۔

اس کی گلی میں سانولا' دبلا سا ایک لڑکا رہتا تھا۔ شیام اس کا نام تھا۔ بچپن سے وہ اس کے ساتھ کھیل کود کر بڑا ہوا تھا۔ جب سے راجکماری نے نوکری شروع کی تھی وہ بستی سے باہر پکی سڑک کے کنارے بس اسٹاپ پر کھڑے ہو کر اس کے واپس آنے کا انتظار کیا کرتا تھا۔ راجکماری کا واپسی کا کوئی وقت تو مقرر نہیں تھا۔ بعض اوقات تو شیام کو تین تین گھنٹے انتظار کرنا پڑتا مگر وہ گرمی' سردی' دھوپ' بارش' ہر موسم میں ہر حال میں ثابت قدمی سے کھڑا رہتا۔ نو عمری کی محبت ایسی ہی ثابت قدم ہوتی ہے۔

راجکماری کو اس کا یوں انتظار میں کھڑے ہونا اچھا لگتا تھا۔ وہ بس سے اترتی تو اپنی دن بھر کی تھکن بھول جاتی۔ جمنا داس کی لالچی مسکراہٹ بھول جاتی۔ وہ دونوں باتیں کرتے ساتھ ساتھ گلی تک آتے۔ پھر شیام گلی کے کونے پر کھڑا رہ جاتا اور راجکماری گھر آجاتی۔

بس یہی ان کی محبت تھی۔ یہی ان کے جذبوں کی کل کہانی تھی۔

مگر ایک روز تاؤ جی نے ان دونوں کو کندھے سے کندھا جوڑے' ہنستے بولتے گھر کی طرف آتے دیکھ لیا۔ اس نے فوراً ہی پیچھے سے آکر شیام کو گریبان سے پکڑلیا اور اسے تابڑ توڑ گھونسے رسید کرتے ہوئے بولا۔ "اگر آئندہ میں نے تجھے راجکماری کے پیچھے لگتے دیکھا تو تیری ٹانگیں توڑ کر ساری عمر کے لئے گھر بٹھا دوں گا۔"

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں تاؤ جی .....!" راجکماری' شیام کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے رو دینے والے لہجے میں بولی۔ "شیام تو بچپن سے میرے ساتھ کھیلا کودا ہے۔ یہ مجھے تنگ تو نہیں کرتا۔ میری مرضی سے میرے ساتھ آتا ہے۔"

"بچپن کی بات بچپن کے ساتھ ختم ہوگئی۔" تاؤ دہاڑا۔" اب تجھے اس سے میل جول کی ضرورت نہیں۔ چھوٹے چھوٹے گھروں کے یہ نکھٹے اور نالائق چھوکرے تیرے لائق نہیں ہیں۔ میں تجھے اس طرح کے کسی چھوکرے سے ملتے جلتے دیکھنا نہیں چاہتا۔"

وہ راجکماری کو بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا گھر لے چلا۔ سڑک کے کنارے اس وقت ملگجا اندھیرا تھا۔ راجکماری شکر کر رہی تھی کہ وہاں کوئی نہیں تھا ورنہ تماشا کھڑا ہو جاتا۔ تاؤ کو اس نے آج تک اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا مگر راستے میں پھر بھی وہ محبت سے اسے سمجھاتا جا رہا تھا۔ "تیری نوجوانی کی عمر ہے۔ اس عمر میں اس طرح کے چھوکرے اور اس طرح کے تعلق واسطے بہت اچھے لگتے ہیں لیکن یہ سراسر گھاٹے کے سودے ہیں۔ تو چھوٹی ہے' نادان ہے۔ تیرے بھلے برے کا خیال رکھنا ہماری ذمے داری ہے۔ اس قسم کے چھوکروں کے لیے یہ بس نوجوانی کے کھیل ہوتے ہیں۔ چار دن لڑکی کے ساتھ دل لگی کرتے ہیں۔ اسے خراب کرکے اپنا رستہ لیتے ہیں اور وہ عمر بھر ان کے پیچھے رونے کو رہ جاتی ہے۔ میں کوئی تیرا برا تو نہیں چاہتا نا۔"

شیام بہت پیچھے سڑک کے کنارے پڑا رہ گیا تھا۔ تاؤ کچھ اور مٹھاس سے بولا۔ "تو راجکماری ہے راجکماری! ملنا ہی ہے تو اونچے لوگوں سے مل۔ کسی مرتبے والے آدمی سے ملے گی تو بالکل منع نہیں کروں گا۔"

گھر آکر بھی وہ دیر تک راجکماری کو سمجھاتا رہا۔ اس کی ماں بھی اس مہم میں شریک ہوگئی۔ بالآخر راجکماری کو یقین آگیا کہ جو کچھ وہ کہتے تھے' وہی صحیح تھا۔ اسے اپنے فائدے نقصان کو سمجھنا چاہیے تھا۔

اس نے شیام کو اپنے ساتھ آنے سے ہمیشہ کے لیے منع کردیا۔ یہ کہہ کر نہیں کہ وہ اسے ہرجائی سمجھتی تھی بلکہ یہ بتا کر کہ اس طرح اس کی جان کو خطرہ تھا۔

کپڑوں کی دکان میں راجکماری کو ملازمت کا تیسرا مہینہ تھا۔ جب جمنا داس نے ایک روز اسے اپنے دفتر میں بلایا۔ لمبی سی دکان کے پچھلے حصے میں ایک چھوٹے سے چوکور کمرے میں ہی دفتر تھا۔ راجکماری اندر پہنچی تو اس نے دیکھا جمنا داس کی باچھیں کچھ زیادہ ہی کھلی پڑ رہی تھیں مگر خوشی کے عالم میں وہ زیادہ برا لگنے لگا تھا۔ سنجیدہ ہوتا تھا تو کچھ غنیمت لگتا تھا۔

"بھگوان کی دیا سے کاروبار بہتر ترقی کر رہا ہے۔" اس نے راجکماری کو بتایا۔ "پہلے تو ہم لوگ آس پاس کے بڑے شہروں سے ہی مال لے لیا کرتے تھے لیکن اب میں نے سوچا ہے کہ ایک ہفتے کے لیے دلی چلیں گے۔ مال بھی لیں گے۔ سیر و تفریح بھی ہو جائے گی۔ اس وقت دکان میں مال بھی نہیں ہے۔ ایک ہفتے دکان بند بھی ہو جائے گی تو زیادہ نقصان نہیں ہوگا۔ ویسے بھی یہ مہینہ بالکل مندے کا ہے اور اگر نقصان بھی ہوگا تو تمہارے ساتھ جانے کی خوشی میں' میں اسے برداشت کرلوں گا۔"

"کیا مطلب..... کیا مجھے بھی آپ کے ساتھ جانا ہوگا؟" راجکماری چونکی۔

"تو اور اتنی دیر سے میں کیا بکواس کر رہا ہوں۔" وہ روانی سے بولا۔ "دلی میں ہم گرینڈ ہوٹل میں ٹھہریں گے۔ بہت شاندار ہوٹل ہے۔ تم خوش ہو جاؤگی وہاں کا رہن سہن دیکھ کر۔ میں تمہیں ساری دلی گھماؤں گا۔ بڑی بڑی گارمنٹس کمپنیوں سے ہم مال خریدیں گے۔ تم بھی اپنی پسند کے دس بارہ خوبصورت جوڑے' ساڑھیاں اور میکسیاں وغیرہ خرید لینا۔ میں چاہتا ہوں اب تم خوب شان شوکت سے رہاکرو۔ خرچے کی پروا مت کیا کرو۔"

راجکماری کو گویا اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ جمنداس نے اس کی مرضی معلوم کیے بغیر اسے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیوں کر کرلیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں شکر کر رہی تھی کہ تاؤ جی کہیں آس پاس موجود نہیں تھے ورنہ شاید جمنداس کے الفاظ سن کر وہ اسے جان سے ہی مار دیتے۔

"لیکن سیٹھ جی .... میں تو اکیلی تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی۔" اس نے اپنے

حواس مجتمع کرتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"نخرے چھوڑو میری جان! مانا تمہاری عمر کم ہے مگر اب تم اتنی بچی بھی نہیں ہو۔ تمہارا خیال ہے میں نے تمہیں یہاں صرف عورتوں کو کپڑے دکھانے کے لیے پانچ سو روپے مہینہ پر رکھا ہے؟ اوپر سے تمہارا وہ خبیث تاؤ ہر آٹھویں دسویں دن دو چار سو روپے لے جاتا ہے۔ اتنے دنوں سے میں اشاروں کنایوں میں تمہیں ٹریننگ دے رہا ہوں لیکن تم ہربات کے جواب میں بچی ہی بنی رہتی ہو۔"

جمنا داس بولے جا رہا تھا اور راجکماری کا سرگھوم رہا تھا۔ ان باتوں کا مطلب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اگر وہ اسے اچھی تنخواہ دیتا تھا تو کیا احسان کرتا تھا؟ وہ صبح سے شام تک اتنی جان بھی تو مارتی تھی۔ اتنی محنت سے کام کرتی تھی۔ اگر تاؤجی کسی ضرورت کے لیے اس سے رقم لے جاتے تھے تو وہ ان کا آپس کا معاملہ تھا۔ مردوں میں ادھار کا لین دین تو چلتا ہی رہتا ہے۔ اسے تو اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

جمنا داس کچھ "ٹریننگ" کی بات بھی کر رہا تھا جو راجکماری کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ جب سے وہ دکان میں آئی تھی' جمنا داس کونے کھدرے میں آنے بہانے اس کا ہاتھ واتھ تھام لیتا تھا۔ معنی خیز باتیں کرتا تھا۔ کچھ عجیب سے جملے کہہ جاتا تھا جن کا سر پیر راجکماری کی سمجھ میں نہیں آتا تھا لیکن وہ ان سب باتوں کو بے مقصد اور مذاق سمجھ کر بھول جاتی تھی۔

"کس سوچ میں پڑگئیں جان تمنا؟ خوش ہو جاؤ۔ خوش۔ یہ سفر تمہیں زندگی بھر یاد رہے گا۔" جمنا داس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی کرسی پر کھینچا۔

کراہیت کے مارے راجکماری نے اسے پرے دھکیل دیا اور آفس سے نکل آئی۔ وہ آفس سے ہی نہیں' دکان سے بھی باہر آگئی۔ اس کا دل بے اختیار رونے کو چاہ رہا تھا۔

"آخر اس بڈھے بدشکل کو جرات کیسے ہوئی میرے بارے میں یہ ارادے باندھنے کی؟" اس نے دکھ سے سوچا۔ وہ تیز تیز قدموں سے بس اسٹاپ کی طرف چلی جا رہی تھی اور دل ہی دل میں فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کل سے نوکری پر آئے یا نہ آئے؟ تاؤ جی کو سارا قصہ بتائے یا نہ بتائے؟

نوکری چھوڑنے کی صورت میں گھر میں دوبارہ تنگ دستی آجاتی۔ اب وہ تھوڑی
سی خوش حالی کے ساتھ گزر بسر کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ واپس مفلسی اور فاقہ کشی
کے شکنجوں میں جلنے کا تصور اذیت ناک تھا۔ لیکن راجکماری اس کے لیے بھی تیار
تھی۔ اصل سنگین مسئلہ تو تاؤجی کو سب کچھ بتانے کا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ تاؤجی کوئی
انتہائی خطرناک قدم نہ اٹھا بیٹھیں۔

بس خاصی دیر میں آئی لیکن اتنی دیر میں بھی راجکماری کا دل [illegible] نہیں تھا۔
بس میں بھی وہ سارا راستہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ مبادا کوئی اس کی آنکھوں میں لرزتے
ہوئے آنسو دیکھ لے۔

اپنی گلی میں پہنچ کر اسے دور ہی سے جمنا داس کی گاڑی اپنے گھر کے سامنے
کھڑی نظر آگئی۔ وہ یقیناً" اس کی شکایتیں لگانے اس سے پہلے اس کے ہاں آن پہنچا
تھا۔

"خیر۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا۔' راجکماری نے بوجھل سی سانس لیتے ہوئے سوچا
"اس کی شامت ہی اسے یہاں لائی ہے۔ اب تو مجھے تاؤجی اور ماتا کو ساری بات سچ سچ
بتانی ہی پڑے گی۔"

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے تاؤجی پر پڑی جو صحن میں
کھڑے مونچھ کو بل دے رہے تھے اور بڑے غور سے جمنا داس کی باتیں سنتے ہوئے سر
ہلا رہے تھے۔ جمنا داس گھر کی اکلوتی کرسی پر بیٹھا تھا۔ شوبھا رسوئی کے دروازے پر
سر جھکائے بیٹھی تھی اور ایک تنکے سے فرش پر نادیدہ لکیریں کھینچ رہی تھی۔



گھر میں قدم رکھتے ہی اور تاؤجی کی بارعب صورت دیکھتے ہی راجکماری کو بے
پناہ تحفظ کا احساس ہوا۔ وہ دوڑ کر ان سے جا لپٹی اور سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔ "تاؤجی
......! سیٹھ صاحب آپ سے میری شکایتیں کر رہے ہوں گے لیکن میں آپ کو سچی
بات بتاتی ہوں۔ یہ مجھے ایک ہفتے کے لیے اپنے ساتھ دلی لے جانا چاہتے تھے۔ کہہ
رہے تھے ہم دونوں ہوٹل میں ٹھہریں گے۔ خوب عیش کریں گے۔ گھومیں پھریں گے۔
کہہ رہے تھے' میں تمہیں یہ لے کر دوں گا..... وہ لے کر دوں گا۔ تمہارے بارے
میں بھی عجیب عجیب باتیں کر رہے تھے......"

"مجھے سب معلوم ہے۔" تاؤجی نے گرج کر کہا اور ایک جھٹکے سے اسے خود
سے الگ کر دیا۔ "سیٹھ جی تم پر اتنے مہربان ہوئے۔ اتنا دیالو آدمی تمہیں کہاں مل سکتا
تھا؟ اور تم نے انکار کر دیا؟ انہوں نے اتنا اچھا پروگرام بنایا اور تم انہیں برا بھلا کہہ کر
چلی آئیں۔ بے وقوف! تم ان کے ساتھ دلی ضرور جاؤ گی۔ ابھی سے اپنا سامان تیار کرنا
شروع کردو۔ سیٹھ جی کی خوشی کا خیال رکھنا تمہارا پہلا فرض ہے۔ پاگل چھوکری! ہم
تیری زندگی بنا رہے ہیں اور تو اپنی زندگی اجاڑنے پر تلی ہوئی ہے اور ساتھ میں ہماری
بھی!"

پھر وہ سیٹھ کی طرف مڑ کر بولا۔ "آپ سامان تیار کرکے دکان پر ہی لے آئیے
گا۔ میں کل خود اسے ساتھ لے کر آپ کے پاس دکان پر چھوڑ جاؤں گا۔ پروگرام تو
میں نے سن ہی لیا ہے کہ آپ کو کون سی ٹرین سے روانہ ہونا ہے۔ آپ بالکل چنتا نہ
کریں۔ سب کچھ اسی طرح ہوگا جس طرح آپ چاہتے ہیں۔"

سیٹھ اٹھا اور مسکراتا ہوا راجکماری کی طرف دیکھتا رخصت ہوگیا۔ راجکماری
یوں اپنے گھر کے صحن میں کھڑی رہ گئی جیسے کسی نے اسے بیچ چوراہے میں بے لباس کر

دیا ہو۔ وہ ایک ٹک تاؤجی کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

یہی وہ تاؤجی تھے جنہوں نے کبھی کسی کو راجکماری کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دی تھی۔ جو بستی کے کسی نوجوان کو راجکماری کے لائق نہیں سمجھتے تھے۔ جن کے دم سے اس دنیا پر راجکماری کا اعتبار قائم تھا۔ جن کے دم سے وہ اپنے آپ کو دنیا میں بہت محفوظ محسوس کرتی تھی۔

انہی تاؤجی نے آج اچانک ہی اس کا آئینہ پندار کرچی کرچی کر دیا تھا۔ کس بے دردی سے اسے ایک بھیڑیے کے آگے پھینک دیا تھا۔ کتنے سستے داموں اس کے جسم کا سونا بیچ دیا تھا۔

تب اسے پہلے بار احساس ہوا کہ وہ اب تک کتنی بڑی خوش فہمی کے سہارے زندگی بسر کرتی آئی تھی۔ تاؤجی تو نہ جانے کہاں سے آکر اس گھر پر مسلط ہی اس لیے ہوئے تھے کہ اس کیچڑ میں انہیں ایک ہیرا پڑا نظر آگیا تھا۔ انہوں نے اسے تعلیم بھی اسی لیے دلوائی تھی' اس کے ناز بھی اسی لیے اٹھائے تھے کہ ایک روز اس کی قیمت وصول کر سکیں اور نہ جانے کس طرح انہوں نے اس کی ماں کو بھی اپنی راہ پر لگا لیا تھا۔
خوش فہمیوں کی دلدل سے نکل کر اس نے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے محبت سے مسکرائی جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ رہی ہو "بیٹی! تیرا تاؤ ٹھیک ہی تو کہتا ہے۔"

اس کے بعد راجکماری کو چپ لگ گئی۔

سب کچھ جمناداس کے پروگرام کے مطابق ہوا۔ وہ دلی بھی گئے۔ ہوٹل میں بھی ٹھہرے۔ جمناداس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اس کی حالت اس شخص کی سی تھی جو ٹھوکر کھا کر کہیں گرا ہو اور وہیں سے اسے خزانہ مل گیا ہو۔ راجکماری کی کمسنی اور اچھوتے شباب کا خزانہ واقعی اسے راہ چلتے بلکہ گھر بیٹھے مل گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح سمیٹے' کس طرح سنبھالے۔

اسے یہ دیکھنے کا بھی ہوش نہیں تھا کہ راجکماری کے انداز و اطوار کس قدر غیر فطری تھے۔ وہ کیسی ساکت و صامت اور بے حس رہتی تھی۔ کس طرح اس کی آنکھوں میں نمی سی جھلملاتی رہتی تھی۔

جمنا داس نے حسب وعدہ مال بک کرانے کے ساتھ ساتھ الگ سے بھی راجکماری کے لیے بہت سے ڈریسز خریدے۔ وہ ایک بے پناہ کنجوس آدمی تھا۔ دانتوں سے پکڑ کر پیسہ خرچ کرتا تھا مگر راجکماری پر وہ بڑے حوصلے سے خرچ کر رہا تھا۔ وہ ایک بھی چیز پسند نہیں کر رہی تھی۔ جمنا داس خود ہی اس کے لیے شاپنگ کیے جا رہا تھا۔

وہ آٹھ دن کے بجائے گیارہ دن دلی میں رہے۔ اگر جمنا داس کو کاروبار کی فکر نہ ہوتی تو شاید وہ ایک لمبے عرصے تک واپس نہ آتا۔ اس دوران راجکماری بہت خاموش رہی مگر درحقیقت وہ ایک نئی زبان سیکھ چکی تھی۔ گیارہ دن میں اس نے اس زبان پر بڑا عبور حاصل کرلیا تھا۔ اسے معلوم ہوگیا تھا کہ یہ وہ زبان تھی جو کسی بھی مرد پر منتر کا کام دے سکتی تھی۔ اس زبان کی بدولت وہ شاید اور بہت سوں کو بھی اشاروں پر نچا سکتی تھی۔

جمنا داس کی سرشاری ناقابل بیان تھی۔ واپسی کے سفر میں وہ راستے بھر آئندہ زندگی کے منصوبے بناتا چلا آیا۔ "میرا خیال ہے اب تم لوگ اس کچی بستی کو چھوڑ دو۔ کہیں ذرا ڈھنگ کے علاقے میں کوئی فلیٹ وغیرہ کرائے پر لے لو۔ وہاں تمہاری گلی میں تو آتے جاتے بھی مجھے شرم آیا کرے گی اور لوگ بھی باتیں بنایا کریں گے۔ تمہیں تنگ کیا کریں گے۔"

راجکماری خاموش رہی۔ جمناداس اپنی دھن میں بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ہفتے میں دو تین مرتبہ میں اپنی اس مردار پتنی سے جان چھڑا کر تمہاری طرف آیا کروں گا۔ یہ تو تم مجھے بتا ہی چکی ہو کہ تمہیں کھانا پکانا آتا ہے۔ تم میرے لیے اچھی اچھی چیزیں پکا کر رکھا کرنا۔ خرچا تو بہت بڑھ جائے گا لیکن تم اس کی پروا مت کرنا۔ تمہارے لیے میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔ تم نے میرا دل جیت لیا ہے۔ تھوڑے سے دن تمہارے ساتھ رہ کر ہی میں خود کو بیس سال کا نوجوان محسوس کرنے لگا ہوں۔"
وہ اپنے شہر واپس پہنچے تو جمنا داس اسٹیشن پر ہی اپنا اور اس کا سامان الگ کرتے ہوئے بولا۔ "تم اب یہاں سے خود ہی گھر چلی جاؤ۔ اور صبح تاؤجی کو میرے پاس بھیجنا۔ میں انہیں پیسے دوں گا۔ وہ کل سے ہی فلیٹ کی تلاش شروع کردیں۔"

"آپ رقم مجھے ہی دے دیں اور دو تین دن کی چھٹی بھی دے دیں۔ ہم فلیٹ تلاش کرنے کے بعد ہی آپ کو اطلاع دیں گے۔ پسند تو ویسے بھی مجھے ہی کرنا ہے۔" راجکماری نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" جمنا داس نے سرہلایا اور ویٹنگ روم کے ایک محفوظ گوشے میں بیٹھ کر اپنے چرمی بریف کیس سے تھوڑے سے نوٹ نکال کر ایک ہزار روپے گن کر اسے دیئے۔

راجکماری نے نوٹ تھام لیے اور ایک ٹک جمناداس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر استہزائیہ سے انداز میں بولی۔ "سیٹھ جی! ان پیسوں میں تو کوئی جھونپڑی بھی کرائے پر نہیں ملے گی۔ اب تو جھونپڑیوں کا بھی لوگ سال سال کا ایڈوانس اور ڈیپازٹ مانگتے ہیں۔ آپ تو اچھے سے فلیٹ کی بات کر رہے تھے۔"

جمنا داس نے آنکھیں نچائیں اور سرہلاتے ہوئے بولا۔ "دیکھا۔ باہر کی ہوا لگی تو ذرا سے دنوں میں ہی کیسی ہوشیاری کی باتیں کرنے لگیں۔" پھر اس نے کانپتے ہاتھوں سے ایک ہزار روپے اور نکال کر اسے دیئے۔ ساتھ ہی بولا۔ "دلی میں اتنا خرچا ہوگیا ہے۔ ابھی مال چھڑاتے وقت بھی کافی روپے کی ضرورت ہوگی لیکن خیر کوئی بات نہیں۔ بس تم خوش رہو۔"

انہوں نے اپنا سامان الگ الگ ٹیکسیوں میں رکھوایا اور روانہ ہوگئے۔ راستے میں راجکماری نے رقم اچھی طرح سنبھال کر اپنے نئے بیگ میں رکھ لی۔ اس کے پاس تھوڑی سی اپنی جمع پونجی بھی تھی۔ اس کا بڑا سا بیگ نئے فیشن کے بہترین ملبوسات سے بھرا ہوا تھا۔

آدھے راستے میں راجکماری نے ڈرائیور سے اچانک ہی کہا۔ "ارے میرا ایک بیگ تو اسٹیشن پر ہی رہ گیا ہے۔ ذرا جلدی سے مجھے واپس پہنچا دو۔"

اسٹیشن پر اس نے ڈرائیور کو فارغ کردیا اور دوبارہ پلیٹ فارم پر آگئی۔ اس نے انکوائری سے معلومات کیں اور دو گھنٹے بعد وہ ایک ٹرین میں فرسٹ کلاس میں بیٹھ کر روانہ ہوچکی تھی۔ اس کی منزل بمبئی تھی۔

اپنے شہر کو اس نے الوداع کہہ دیا تھا۔ اس شہر نے اس کے معصوم اعتماد کا

سرمایہ لوٹ لیا تھا۔ اس کے یقین کا شیش محل چکنا چور کر دیا تھا۔ وہ اب یہاں ہرگز رہنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر بک جانا ہی مقصد حیات تھا تو بازار اور بھی بہت تھے۔ خریدار اور بھی بتیرے تھے۔ وہ ایک زندہ انسان تھی۔ اس کے سینے میں دل دھڑک رہا تھا۔ اگر بکنا ہی مقدر تھا تو کم از کم گاہک تو اس کا من پسند ہونا چاہیے تھا۔ قیمت تو اس کے شایان شان ہونی چاہیے تھی۔

بمبئی کے ریلوے اسٹیشن کی حدود سے نکل کر اس نے جب سامنے کھڑی ٹیکسیوں اور رکشوں کی قطار کی طرف دیکھا تو پہلی بار اسے اس خوفناک حقیقت کا احساس ہوا کہ یہ شہر اس کے لیے مکمل طور پر اجنبی تھا۔ اس شہر کے اس نے صرف افسانے ہی سنے تھے۔ اس کے سامنے کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ جاسکتی۔ بلکہ اسے تو کسی جگہ کا نام بھی معلوم نہیں تھا۔

غیر ارادی سے انداز میں وہ پہلی ٹیکسی میں بیٹھ گئی لیکن جب ڈرائیور نے پوچھا۔ "کہاں چلنا ہے میم صاحب؟" تو وہ گڑبڑا گئی۔

"مجھے کسی ایسے ہوٹل میں پہنچا دو جو زیادہ مہنگا نہ ہو۔" راجکماری نے سنبھل کر کہا۔

ڈرائیور نے مڑ کر اس کی طرف گہری نظر سے دیکھا۔ ایک لمحے کی غلط فہمی نے اسے ذرا مودب بنا دیا تھا لیکن اب گویا وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی ٹیکسی میں سوار ہونے والی لڑکی ہندوستانی ہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی نہ جانے کیوں اس کے لہجے میں بے تکلفی آگئی۔ وہ ادھیڑ عمر کا ایک کالا سا مجہول آدمی تھا۔ اس نے کان میں سگریٹ اڑسا ہوا تھا۔

"نئی ہو بمبئی میں؟ پہلی بار آئی ہو؟" اس نے ملائمت سے پوچھا۔

راجکماری نے جھوٹ بولنا چاہا مگر نہ بول سکی۔ اثبات میں سرہلا کر رہ گئی۔

"نوکری کی تلاش تو نہیں ہے؟" ڈرائیور نے پوچھا۔ اب تو اس کے لہجے میں شفقت اور ہمدردی بھی آگئی تھی۔ راجکماری اس اجنبی شہر میں کسی پر بھروسا کرنا نہیں چاہتی تھی مگر بھروسا کرنا اس کی مجبوری بھی تھی۔ اس وقت تو یہ میٹھا لہجہ بھی بڑا دلکش سہارا دکھائی دے رہا تھا۔

"ہاں۔ نوکری کی تلاش تو ہے۔ لیکن اتنی زیادہ جلدی بھی نہیں ہے۔" اس نے بے نیازی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"آج یا کل' جب نوکری کرنی ہی ہے تو پھر ہوٹلوں میں اور ادھر ادھر پیسے برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" ڈرائیور سمجھانے والے انداز میں بولا۔ "میں تمہیں ایسی جگہ بتا دیتا ہوں جہاں رہائش کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور نوکری بھی فوراً ہی شروع ہو جائے گی۔"

"ایسی کون سی جگہ ہے بھئی؟" راجکماری اپنے آپ کو بے خوف ظاہر کرنے کے لیے ہنس کر بولی۔

"تمہیں شاید پتا ہو کہ ٹیکسی ڈرائیوروں کی تو ہر طرح کے لوگوں سے واقفیت ہوتی ہے۔" وہ کان پر سے سگریٹ اتار کر سلگاتے ہوئے بولا "میری ایک جاننے والی میڈم منورما ہیں۔ بہت اچھی عورت ہیں۔ دو لڑکیاں ان کے پاس سے کل ہی کام چھوڑ کر گئی ہیں' جگہ خالی ہے۔ ان کے ہاں تمہیں فوراً نوکری مل جائے گی۔"

"کام کیا کرنا ہوگا؟" راجکماری نے پوچھا۔

"میڈم منورما ایک ماڈلنگ ایجنسی چلاتی ہیں۔ بہت پڑھی لکھی عورت ہیں۔ مختلف چیزوں کے اشتہار بنانے والوں کو اور فیشن شو وغیرہ کرنے والوں کو جب ماڈل لڑکیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو وہ میڈم منورما سے رابطہ کرتے ہیں۔ وہ پارٹی کی ڈیمانڈ کے مطابق جس لڑکی کو مناسب سمجھتی ہیں بھیج دیتی ہیں۔ کوئی خاص مشکل کام نہیں ہے۔ بس خوب بن سنور کر' اچھے اچھے کپڑے پہن کر چار آدمیوں کے سامنے یا کیمرے کے سامنے جاکر ذرا ہاتھ لہرا دیجئے۔ مسکرا کر دکھا دیا۔ بس اتنا سا ہی کام ہوتا ہے۔ وہ بھی روز نہیں۔ کبھی کبھی۔"

راجکماری کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے وہ ایک لمحے کے توقف سے بولا۔
"میں نے اپنی گلی محلے کی یا دوسری بہت سی جاننے والی لڑکیوں کو میڈم منورما کے ہاں کام دلایا ہے۔ ان کے ہاں لڑکیاں آتی اور جاتی رہتی ہیں لیکن جتنا عرصہ رہتی ہیں' بہت خوش رہتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم مجھے ان کے ہاں پہنچا دو۔" راجکماری نے کہا۔

"لیکن میری اس خدمت کے' کرائے کے علاوہ سو روپے ہوں گے۔" وہ چٹکی بجا کر سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے بولا۔ "پیٹ تو سب کے ساتھ ہی لگا ہوا ہے نا۔"

"سو روپے بہت زیادہ ہیں لیکن خیر....." اس نے ایک طویل سانس لی۔ "اب وہ زمانہ نہیں رہا جب نیکیاں راستے میں پڑی مل جاتی تھیں۔ اب تو مہنگے داموں خریدنی پڑتی ہیں۔"

ٹیکسی سڑکوں پر فراٹے بھرنے لگی۔ راجکماری بمبئی کی چوڑی چکلی اور مصروف سڑکوں' بلند و بالا عمارتوں اور بارونق دکانوں کو محویت اور دلچسپی سے دیکھتی جا رہی تھی۔ دراصل یہی وہ' سلطنت' تھی جو اس جیسی راجکماری کے شایان شان تھی۔ ڈرائیور عقب نما آئینے میں اس کی محو تماشا آنکھوں میں دم بہ دم بڑھتے اشتیاق کا جائزہ لے رہا تھا اور دل ہی دل میں محظوظ ہو رہا تھا۔ یہ اشتیاق' یہ انہماک اور یہ استعجاب اس کے لیے نیا نہیں تھا مگر پھر بھی نہ جانے کیوں' جب بھی یہ کہانی دہرائی جاتی تھی' وہ اس سے محظوظ ہوتا تھا۔

ڈرائیور نے اسے ایک پرسکون اور کشادہ گلی میں لکڑی کے ایک بلند و بالا اور بھاری بھرکم دروازے کے سامنے اتار دیا۔ اس عمارت کا باہر سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ مکان تھا' اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی یا دفاتر پر مشتمل عمارت تھی۔

"میں تمہارے ساتھ ضرور اندر چلتا اور خود تمہارا تعارف کراتا۔" ڈرائیور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔" لیکن دھندے کا ٹائم ہے اور میڈیم منورما لمبی باتیں چھیڑ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ بس تم یہاں کام شروع کر دو۔ پھر کسی نہ کسی دن ضرور ملاقات ہوگی۔ اندر جاکر تم صرف اتنا کہہ دینا کہ تمہیں شیلا کے بھائی نے بھیجا ہے۔ بس تمہارے لیے یہی تعارف کافی ہوگا۔"

وہ ایک سو دس روپے لے کر رخصت ہوگیا۔ راجکماری نے گہری سانس لے کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ بہت پرسکون اور کشادہ گلی میں تھی۔ مکانوں کے سامنے خوبصورت پھول پودے بھی لگے ہوئے تھے لیکن زیادہ تر مکان بند بند سے تھے۔ باہر سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

دل مضبوط کرکے اس نے لکڑی کے پھاٹک نما دروازے پر دستک دی۔ چند

لمحے بعد سوتی ساڑھی میں ملبوس ایک شاطر سی سانولی سلونی عورت نے دروازہ ذرا سا کھول کر سرتاپا اس کا جائزہ لیا۔ اس کے بیگوں پر نظر ڈالی۔ راجکماری دوستانہ انداز میں مسکرا دی۔ عورت ملازمہ معلوم ہوتی تھی۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا اور دروازہ کھول دیا۔

راجکماری کے اندر پہنچتے ہی وہ عورت نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔ راجکماری نے اپنے آپ کو ایک طویل و عریض ہال میں کھڑے پایا جو شاہانہ سے انداز میں سجا ہوا تھا۔ راجکماری نے اس قسم کی آراستہ و پیراستہ نشست گاہیں فلموں میں دیکھی تھیں۔

دو منٹ تک وہ وہیں حیران پریشان کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ بالآخر سامنے سیڑھیوں سے ایک خوش شکل ادھیڑ عمر عورت اترتی نظر آئی۔ وہ جھلمل جھلمل کرتی میکسی میں تھی۔ اس کے اونچی ایڑی کے خوبصورت سینڈل بالکل نپے تلے وقفے کے ساتھ سیڑھیوں پر ٹک ٹک کر رہے تھے۔ اس کی انگلیوں میں لمبے سے ہولڈر میں پھنسی ہوئی سگریٹ سلگ رہی تھی۔ راجکماری نے اس طرح کی عورت بھی ایک فلم میں دیکھی تھی۔ اس کی صورت بے شک بہت مختلف تھی لیکن انداز و اطوار یہی تھے۔ اسے دیکھتے ہی راجکماری کو یقین ہوگیا کہ میڈم منورما وہی تھی۔

چند سیڑھیاں اتر کر وہ رک گئی۔ وہ اتنی گہری نظروں سے راجکماری کا جائزہ لے رہی تھی کہ اسے اپنے رخسار تپتے ہوئے محسوس ہونے لگے تھے۔ وہ اپنے دونوں بیگ دائیں بائیں رکھ چکی تھی۔ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے وہ بولی۔ "مجھے شیلا کے بھائی نے بھیجا ہے۔"

"بہت خوب! شیلا کا بھائی بہت ہی اچھا آدمی ہے۔" میڈم منورما کھنکتی ہوئی آواز میں بولی اور بدستور راجکماری کو گھورتی رہی۔ راجکماری نے ٹرین کے باتھ روم میں اچھی طرح ہاتھ منہ دھویا تھا اور کپڑے بھی نئے پہنے تھے لیکن سفر بہرحال طویل تھا۔ حلیے پر اس کے اثرات باقی تھے۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اگر وہ غسل کرکے' استری شدہ کپڑے پہن کر' اچھی طرح تیار ہوکر آئی ہوتی تو یقیناً" میڈم منورما زیادہ متاثر ہوتی۔

اچانک میڈم کے عقب میں' بالائی منزل کے کسی کمرے سے ایک شخص نکل

کر سیڑھیوں پر آگیا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں نشے سے بوجھل تھیں اور ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا۔ اس کی نظریں نیچے کھڑی راجکماری پر جم کر رہ گئیں۔

"یہ حسن کا مجسمہ کہاں سے آیا؟" وہ نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔

میڈم منورما نے مڑکر اس کی طرف دیکھا اور شاطرانہ لہجے میں بولی۔ "تمہیں پسند ہے تو بھیجوں اوپر؟"

نیکی اور پوچھ پوچھ۔" اس شخص نے گلاس ہوا میں بلند کیا۔ "یہ پارسل ابھی آیا ہے۔ کسی نے اسے چھوا بھی نہیں۔" میڈم منورما نے جتانے کے سے انداز میں کہا۔

پارسلوں کا کیا بھروسا ہے۔ لمبی مسافتیں طے کرکے اپنی منزل تک پہنچتے ہیں۔ راستے میں ان میں سے نہ جانے کیا چرا لیا جاتا ہے۔" وہ شخص بے ہنگم انداز میں ہنسا۔

"گدھے ہو تم!" میڈم منورما ناگواری سے بولی۔ "اتنا عرصہ گزر گیا ہم جیسوں کے پاس جھک مارتے ہوئے لیکن چیز پرکھنا نہ آئی۔ تمہیں اتنا اندازہ بھی نہیں ہو رہا کہ یہ صاف ستھرا رسیلا پھل ابھی ڈال سے ٹوٹا ہے۔ کام کی بات کرو۔ کام کی بات....." وہ اس شخص کی طرف گھوم گئی۔ "پورے دس ہزار ہوں گے۔" منظور ہے؟"

"دس ہزار بہت زیادہ ہیں۔ پانچ ہزار مناسب رہیں گے۔" وہ شخص نشے میں بھی سودے بازی کرنا نہیں بھولا تھا۔

"ایک پائی بھی کم نہیں ہوگی۔ چیز تو دیکھو۔ ساری عمر کے تجربے بھول جاؤ گے۔" میڈم سیڑھیاں چڑھ کر اس شخص کے پاس چلی گئی اور دونوں سر جوڑ کر کھسر پھسر کرنے لگے۔

غالباً" سودا طے ہو جانے پر جب دونوں دوبارہ راجکماری کی طرف متوجہ ہونے کے لیے مڑے تو وہ وہاں سے غائب ہوچکی تھی۔ قالین پر اس کے دونوں بیگ اسی طرح رکھے تھے۔

وہاں سے نکل کر راجکماری ایک گھنٹے تک بمبئی کی گلیوں اور بازاروں میں بھٹکتی رہی۔ اس کا پرس بھی بیگ میں ہی رہ گیا تھا اور اب اس کے پاس پھوٹی کوڑی

تک نہیں تھی۔ اسے شدت سے بھوک لگی ہوئی تھی۔ سارے تفکرات اس ایک طلب کے پیچھے جا چھپے تھے۔ اس وقت تو بس ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح پیٹ بھرنے کا سامان ہو جائے۔

شام کا سرمئی اندھیرا پھیل چکا تھا۔ بازاروں میں بتیاں روشن ہونے لگی تھیں۔ وہ سڑک کے کنارے ذرا بلندی پر ایک طویل برآمدے سے مشابہ راستے پر چلی جا رہی تھی لیکن اسی لمحے ان شیشوں کے عقب میں تیز بتیاں روشن ہو گئیں اور اندر کا منظر جگمگا اٹھا۔

اندر نہایت خوبصورتی سے میزیں لگی ہوئی تھیں۔ ان پر خوبصورت اور نفیس کراکری میں طرح طرح کے کھانے موجود تھے۔ لوگ کھا رہے تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ عورتیں' مرد اور بچے' سبھی موجود تھے۔ وہ غالباً" کوئی اعلیٰ درجے کا ریستوران تھا۔ دوسرے ہی لمحے ویٹر شیشوں کے عقب میں ڈوریاں کھینچ کر بھاری بھر کم پردے پھیلانے لگے۔

راجکماری نے صرف ایک لمحے کے لئے یہ نظارہ دیکھا تھا مگر اسے گویا خود پر اختیار نہ رہا۔ اسے ریستوان کا دروازہ بھی نظر آگیا اور وہ خواب کے سے عالم میں اسے کھول کر سیدھی اندر چلی گئی۔ ایک کونے میں ایک میز خالی تھی۔ وہ بے جان سے انداز میں ایک کرسی پر تقریباً" ڈھیر ہو گئی۔

چند لمحے تک تو اس کی نظر دھندلائی سی رہی۔ اس نے صبح ناشتا بھی ٹرین میں برائے نام ہی کیا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھا سکی تھی۔ بے آرام تو وہ گزشتہ دو دن سے تھی اور کھانے پینے کا سلسلہ بھی بے ترتیب تھا۔ اب ہال میں پھیلی ہوئی اشتہا انگیز خوشبوئیں اس کے حواس پر برچھیاں سی چلا رہی تھیں۔ ویٹر دوبارہ اس کے پاس آکر چلا گیا۔ اس سے اس نے یہی کہا کہ وہ ذرا ٹھہر کر آرڈر دے گی۔

اس کے حواس صحیح طور پر کام نہیں کر رہے تھے۔ نہ جانے کیوں اس کا لاشعور اسے یہ خواب دکھا رہا تھا جیسے ابھی کوئی مہربان صورت' فرشتہ صفت شخص آئے گا اور اسے اچھے اچھے کھانے کھلا کر' بل ادا کر کے چلا جائے گا۔

ایسا تو کوئی شخص نہ آیا البتہ کسی اور ہی قسم کا ایک شخص اس سے اجازت

لیے بغیر دھم سے اس کے سامنے آ بیٹھا۔ اسے مہرباں صورت ہرگز نہیں کہا جاسکتا تھا۔ وہ تو سرتاپا کرختگی تھا اور اس کی نظریں گویا راجکماری کے وجود میں اتری جا رہی تھیں۔

"کس کا انتظار ہے؟" اس نے کھردرے لہجے میں پوچھا۔ راجکماری کو اس کی بدتمیزی سخت ناگوار گزری مگر اس میں اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا کہ اسے ڈانٹ سکتی۔

"مجھے ایک صاحب ...... میرا مطلب ہے صاحبہ کا انتظار ہے۔" وہ تھوک نگل کر بولی۔

"پہلے تو یہ فیصلہ کرلو کہ تمہیں صاحب کا انتظار ہے یا صاحبہ کا۔" وہ سفاکانہ سے انداز میں مسکرایا۔ "صاحبہ کی تو خواہ مخواہ بخ ہی لگا رہی ہو۔ ظاہر ہے صاحب کا ہی انتظار ہوگا۔ کہاں سے آنا ہے انہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"مجھے یہی امید تھی۔" اس نے معنی خیز انداز میں سرہلایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب وحشیانہ سی چمک تھی۔ راجکماری کی ٹانگوں سے رہی سہی جان نکلی جا رہی تھی اور حلق سوکھتا جا رہا تھا۔

وہ پلک جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم کالج کی اسٹوڈنٹ نہیں ہو۔ اگر کالج کی اسٹوڈنٹ ہو تو مجھے اپنا کارڈ دکھا دو۔ میں ابھی چلا جاؤں گا۔"

"مم ...... میں کالج کی اسٹوڈنٹ نہیں ہوں۔" راجکماری کو اس اعتراف کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آیا۔

"مجھے یہی امید تھی۔" اس شخص نے ایک بار پھر وہی الفاظ دہرائے اور اسی معنی خیز انداز میں سرہلایا۔ اس کی آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی۔ "تم جیسی لڑکیوں کو تو میں دور سے تاڑ لیتا ہوں۔ دس سال سے میری ڈیوٹی انہی علاقوں میں ہے۔ اچھے ریستورانوں اور ہوٹلوں پر ہی نظر رکھتا ہوں میں۔"

راجکماری کی سمجھ میں اس کی کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یکدم ہی وہ ہاتھ بڑھا کر راجکماری کی کلائی سختی سے پکڑتے ہوئے بولا۔ "چلو میرے ساتھ۔" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ

بلند نہیں تھی۔ مگر اس میں بلا کا تحکم تھا۔

"مگر کس لیے؟ کیا کیا ہے میں نے؟" وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولی۔ "کہاں چلوں میں تمہارے ساتھ؟"

"تھانے۔" وہ پھنکارا۔ "اور یہ اتنی معصوم اور انجان بننے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح کی ایکٹنگ میں پتا نہیں کتنی مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔ چپ چاپ اٹھ چلو۔ شور کرو گی تو تمہاری اور بھی زیادہ ذلت ہوگی۔ اچھے ہوٹلوں اور ریستورانوں والے خود بھی نہیں چاہتے کہ کال گرلز ان کی حدود میں منڈلائیں۔"

راجکماری کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ وہ دونوں ابھی تک بہت نیچی آواز میں باتیں کر رہے تھے لیکن راجکماری کو اردگرد دیکھے بغیر محسوس ہو رہا تھا کہ آس پاس کی میزوں پر کچھ لوگ ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

راجکماری غیر ارادی طور پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی لیکن اس نے قدم آگے نہیں بڑھایا تھا بلکہ ایک ہاتھ سے میز تھام لی تھی۔ وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

"آخر تم ہو کون ...... اور کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"کیا اب یہ بھی بتانا پڑے گا کہ میں پولیس کا آدمی ہوں؟ سادہ لباس میں ہوں۔" وہ غرایا۔

راجکماری بے بسی سے قدم آگے بڑھانے ہی والی تھی کہ اچانک کسی نے اس کا دوسرا بازو تھام لیا اور ایک نئی آواز اس کے کان کے قریب ابھری۔ "معاف کرنا ڈیئر! مجھے یہاں پہنچنے میں ذرا دیر ہوگئی۔ دراصل میں ایک کانفرنس میں پھنس گیا تھا۔ ارے۔ کیا یہ شخص تمہیں پریشان کر رہا ہے؟"

راجکماری نے دھندلائی نظروں سے نووارد کی طرف دیکھا۔ پہلی نظر میں وہ صرف یہی دیکھ سکی کہ وہ دمکتے سے چہرے والا ایک وجیہہ نوجوان تھا اور کسی وردی میں تھا۔

"نہیں ....." راجکماری کمزور سی آواز میں بولی۔ "ایسا کوئی خاص پریشان تو نہیں کیا۔ پریشانی تو اب شروع ہونے والی تھی۔ اچھا ہوا آپ وقت پر آگئے۔ انہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوگئی تھی۔"

کھردری شکل والے شخص نے فوراً" راجکماری کا بازو چھوڑ دیا تھا۔ وہ بالکل بدلے ہوئے لہجے میں باوردی نوجوان سے مخاطب ہوا۔ "معاف کیجیے گا سر! مجھے معلوم نہیں تھا یہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ میں معافی چاہتا ہوں۔" اور وہ فوراً" ہی وہاں سے کھسک گیا۔

راجکماری کی جان میں جان آئی۔ اس نے سر جھٹک کر اپنی آنکھوں کی دھندلاہٹ دور کرنے کی کوشش کی اور ذرا غور سے اجنبی کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی ایک مہربان چہرہ تھا۔ مہربان اور دلکش۔ ویسا ہی چہرہ جیسے عموماً" خواب و خیال میں دیکھے جاتے ہیں۔ وہ ایئرفورس کی وردی میں تھا۔

"آپ کا بہت شکریہ۔" راجکماری کے حلق سے آواز بمشکل نکل رہی تھی۔

"شکریے کی کوئی بات نہیں۔" وہ دلکش انداز میں مسکرایا۔ "میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو سادہ لباس والا تمہیں سمجھ رہا تھا۔ صرف اس لیے میں نے آکر بیچ میں ٹانگ اڑا دی۔"

وہ دونوں ابھی تک کھڑے ہی تھے اور اس نے راجکماری کا بازو چھوڑا نہیں تھا۔ وہ اسی طرح اس کا بازو تھامے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "میں یہاں کافی وقت ضائع کر چکا ہوں۔ اب مزید نہیں بیٹھ سکتا۔ ہم لوگوں کو یونیفارم میں زیادہ دیر ادھر ادھر پبلک مقامات پر پھرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔"

راجکماری بادل ناخواستہ اشتہا انگیز خوشبوؤں کی آغوش سے نکل آئی۔ وہ باہر فٹ پاتھ پر آگئے۔ فٹ پاتھ کے ساتھ اس کی جیپ کھڑی تھی۔

"آؤ میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ کہاں جانا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کہیں بھی نہیں۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

وہ ایک لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "تم کسی پریشانی میں ہو' تمہیں پیسوں کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

راجکماری نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ اجنبی کے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہوگئے۔ "پھر تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں کچھ دیر تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔" راجکماری نے ہمت کرکے کہا۔

"میں تنہا رہی تو پھر کسی مصیبت میں پھنس جاؤں گی۔"

اجنبی نے ایک لمحے کچھ سوچا پھر چٹکی بجا کر اس کا ہاتھ تھام کر اپنی جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں ایک پارٹی میں جا رہا ہوں۔ اس وقت۔ میرا خیال ہے وہاں ایک فاضل مہمان کی موجودگی کا کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا اور ہاں میں تمہیں اپنا نام بتا دوں۔ مجھے کرشن کہتے ہیں۔"

جیپ میں سفر کے دوران راجکماری نے اس کا صحیح طور پر جائزہ لیا۔ وہ ایسا کم عمر بھی نہیں تھا جیسا راجکماری کو پہلی نظر میں دکھائی دیا تھا لیکن اس کی شخصیت کچھ اس قسم کی تھی کہ آنکھیں بند کر کے اس پر بھروسا کرنے کے بعد راجکماری کوئی پچھتاوا محسوس نہیں کر رہی تھی۔

پارٹی ایک عالیشان بنگلے کے لان پر تھی جو حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی کرشن لوگوں میں گھل مل گیا۔ عورتیں اس پر خاص توجہ دیتی تھیں۔ وہ جدھر بھی جاتا تھا' عورتوں کے حلقے میں گھر جاتا تھا۔

اب راجکماری ذرا دور سے اس کا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی۔ وہ دراز قد' صحتمند اور بے پناہ وجیہہ تھا۔ اس کی دو خصوصیات نے تو اسے بہت ہی منفرد اور پرکشش بنا دیا تھا۔ ایک تو جب وہ مسکراتا تھا تو بالکل نوعمر لڑکا معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے اس کے چہرے اور آنکھوں سے زندگی کی اس قدر بھرپور چمک پھوٹتی تھی جو راجکماری نے آج تک کسی انسان میں نہیں دیکھی تھی۔

وہ سر سے پاؤں تک توانائی کا ایک مجسمہ تھا اور اس کی شخصیت سے مقناطیسیت کی لہریں سی ٹپکتی محسوس ہوتی تھیں۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ عورتیں بہانے بہانے سے اس کے گرد حلقہ بنا لیتی تھیں۔ خود راجکماری جتنا اس کی طرف دیکھ رہی تھی اتنی ہی گہری اس کی تصویر اس کے دل پر نقش ہوتی جا رہی تھی۔

پھر پیٹ میں بھوک کا عفریت کلبلایا تو اسے کھانا یاد آیا۔ کھانے پینے کی چیزیں وہاں بہتات سے موجود تھیں۔ کچھ لوگ شراب سے بھی شغل کر رہے تھے۔ راجکماری نے دو ایک عورتوں کو بھی پیتے دیکھا۔ اس نے رنگینیوں اور خوشبوؤں سے رچی ہوئی

ایسی محفل پہلی بار دیکھی تھی جہاں عورتیں' مرد' سب اتنے آزاد آزاد سے دکھائی دے رہے تھے۔ بہت خوش' بہت بے فکرے' اپنے اپنے شغل میں مگن۔ کوئی کسی کی ٹوہ میں نہیں تھا۔ کوئی کسی کو کرید نہیں رہا تھا۔ اب تک راجکماری کچھ سہمی سہمی سی رہی تھی۔ لیکن اب وہ یکدم بے خوف سی ہو گئی تھی اور باوردی بیروں سے اپنی پسند کی چیزیں منگوانے لگی۔ پیٹ کا دوزخ بھرا تو ماحول بالکل ہی جنت نظر آنے لگا۔ ایک دو بار تو اسے یہ بھی شبہ ہوا کہ کہیں وہ کوئی دلفریب خواب تو نہیں دیکھ رہی ؟

پارٹی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی جب کرشن اس کا ہاتھ تھام کر باہر آگیا اور جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "میری سادگی دیکھو میں نے ابھی تک تمہارا نام بھی نہیں پوچھا۔"

"راجکماری۔" وہ خود استہزائی کے سے انداز میں مسکرائی۔ "نام کیا ہے' ایک بہتان ہے مجھ پر۔"

"غلط کہہ رہی ہو تم۔" کرشن تیزی سے بولا۔ "اس کے علاوہ تو تمہارا کوئی نام ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔ جس نے بھی یہ نام رکھا' بہت خوب رکھا۔ دوسرا کوئی نام تم پر اتنا جچ ہی نہیں سکتا تھا۔ ضروری نہیں کہ کسی کے پاس راجدھانی ہو تبھی وہ راجکماری لگے۔"

پھر ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔ "کہاں جانا ہے تمہیں ؟"

"کہیں بھی نہیں۔" وہ افسردگی سے بولی۔ "جانے کے لیے میرے سامنے کوئی جگہ نہیں۔"

"ایسا کرو .... کہ تم اب مجھے اپنی پوری کہانی سنا ہی دو۔ وہ یقیناً" دکھوں بھری ہوگی یا پھر حماقتوں بھری۔" وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "بہرحال اب مجھے فرصت ہے۔ میں سننے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے جیپ میں اسے اپنے ساتھ بٹھالیا لیکن جیپ اسٹارٹ نہیں کی۔ راجکماری نے محسوس کیا کہ اس شخص کو سب کچھ سچ سچ بتا دینے میں ہی اس کی بھلائی تھی۔ سو اس نے بتا دیا۔ شروع سے آخر تک سب کچھ۔

"ہوں۔" کرشن نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہنکار بھرا۔ "تمہیں بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یوں سمجھ لو کہ تم نے اپنا بوجھ اپنے

کندھوں سے اٹھا کر میرے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔"

اس نے راجکماری کا نرم و نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں تھام لیا۔ اس بار اس کے لمس میں خلوص اور یقین دہانی کی ایک نئی حرارت تھی۔

راجکماری نے اسے اس سڑک اور اس کے آس پاس کی کچھ نشانیاں بتائیں جہاں میڈم منورما کا ٹھکانا تھا۔ کرشن نے کچھ دیر ذہن پر زور دیا پھر چٹکی بجا کر بولا۔

"میں سمجھ گیا۔" اور پھر اس نے جیپ اسٹارٹ کرلی۔

کچھ دیر بعد راجکماری اس کے ساتھ دوبارہ اسی دروازے پر اتر رہی تھی جہاں سر شام وہ تنہا آئی تھی۔ اسی خادمہ نے دروازہ کھولا جسے راجکماری پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ وہ ایک باوردی آفیسر کو سامنے پاکر سٹپٹا گئی۔ کرشن اسے ایک طرف دھکیل کر اندر جاپہنچا۔ میڈم منورما سامنے ہال میں ہی موجود تھی۔ اس کے سکون و اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔

"میں آپ کی کیا خدمت کرسکتی ہوں؟" اس نے نہایت شیریں لہجے میں کرشن کو مخاطب کیا۔ راجکماری کو اس نے یوں نظر انداز کردیا تھا جیسے اب یا پہلے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔

"خدمت کروانے کے لیے تو میں پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔" کرشن مسکراتے ہوئے بولا۔ "فی الحال تو ہم وہ سامان لینے آئے ہیں جو یہ خاتون یہاں بھول گئی تھیں۔" اس نے راجکماری کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ ..... ضرور" اس نے خادمہ کو اشارہ کیا اور خادمہ نے فوراً" ہی اندر سے دونوں بیگ لاکر راجکماری کے سامنے رکھ دیئے۔

"انہیں کھول کر دیکھ لو۔ کوئی چیز کم تو نہیں ....." کرشن نے راجکماری سے کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے بالواسطہ طور پر میڈم منورما کو چور قرار دے رہا ہو۔

راجکماری نے بیگ اور پرس وغیرہ کھول کر سرسری طور پر دیکھے اور مطمئن انداز میں سرہلا دیا۔ کرشن اسے ساتھ لیے وہاں سے نکل آیا۔ اس نے کسی سے مزید ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ باہر آکر اس نے راجکماری سے بھی نہیں پوچھا کہ اب وہ کہاں جائے گی' کیا کرے گی۔ سب کچھ گویا بہ زبان خموشی طے ہوچکا تھا۔ وہ ہوٹل میں ٹھہرا

ہوا تھا۔ راجکماری کو بھی وہیں لے گیا۔ اسے صرف کمرا تبدیل کرنا پڑا۔

اس رات انہوں نے دیر تک باتیں کیں۔ ماضی کی' حال کی' محبت کی اور اپنائیت کی باتیں۔ چند گھنٹوں کی اس ملاقات میں راجکماری کو یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ یا پھر جیسے کرشن درحقیقت اس کے وجود کا ایک حصہ تھا جو ایک طویل جدائی کے بعد اس سے آن ملا تھا۔

اس کی قربت میں جمنا داس کی قربت جیسی کراہیت نہیں تھی۔ جمنا داس کے تصور کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں جیسے کوئی زخم ہرا ہوگیا۔ وہی زخم جو اس کے تاؤ اور ماں نے اس کے معصوم یقین اور اعتماد کے گھروندے مسمار کرکے لگایا تھا۔ ایک بار پھر وہی اذیت ناک سوال اسے ڈسنے لگا۔ کیا ان دونوں نے زندگی بھر صرف اس لیے اس کے پیکر کا کورا کاغذ سنبھال کر رکھا تھا کہ اس کے ذرا اچھے دام لگ جانے کی امید تھی؟ انہوں نے اسے صرف بکاؤ مال سمجھ کر سینت سنبھال کر رکھا تھا؟

یہ راجکماری کے لئے ایک ناقابل قبول سی حقیقت تھی مگر بہرحال حقیقت تھی۔ اس کے تسلیم کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ کب یہ زخم بھرے گا اور کب اس کی اذیت کم ہوگی۔

سردست کرشن نے اسے تمام اذیت دہ سوچوں سے چھٹکارا دلا دیا۔ وہ اس کے قریب تھا اور اس کے لیے راجکماری کی نس نس میں خودسپردگی کا سیلاب امنڈا ہوا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی قربت کی انوکھی مہک سے ہر مسام جاں کو معطر کرتے رہے۔

کرشن کے رگ و پے میں گویا پارہ بھرا ہوا تھا۔ وہ ہردم متحرک اور مضطرب رہتا تھا۔ اس کی حرکات و سکنات میں ایک عجیب طرح کا جوش و خروش ہوتا تھا جیسے وہ مجسم توانائی ہو۔ چھوٹی چھوٹی بات بھی وہ اتنی دلچسپی اور گرمجوشی سے بتاتا تھا کہ وہ بہت اہم اور قابل سماعت محسوس ہونے لگتی تھی۔ وہ کچھ ایسے ہنگامہ خیز سے انداز میں اس کے اچھوتے خوابوں کی دنیا میں داخل ہوا تھا کہ وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔ دنیا یکدم ہی اسے بے پناہ دلکش اور رنگین محسوس ہونے لگی تھی۔

شب و روز ایک عجیب ہی ڈگر پر آگئے۔ وہ اور کرشن تقریباً" ہر وقت ساتھ رہتے۔ وہ درحقیقت ایئرفورس کی کلکتہ پولیس میں تعینات تھا۔ کسی سرکاری کام سے

بمبئی آیا ہوا تھا۔ میس میں اس کے ٹھہرنے کا مناسب انتظام نہیں ہوسکا تھا اس لیے، ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ دوسرے تیسرے دن اسے کچھ دیر کے لیے کسی میٹنگ میں جانا پڑتا تھا۔ میٹنگ ختم ہوتے ہی وہ ہوٹل کی طرف دوڑ پڑتا جہاں راجکماری بے تابی سے اس کی منتظر ہوتی۔

کرشن نے اسے پورے بمبئی کی سیر کرا دی۔ ہر قابل دید مقام دکھا دیا اور اس کا اگر کوئی تاریخی پس منظر تھا تو وہ بھی بتا دیا۔ وہ بمبئی کا رہنے والا نہیں تھا مگر یہاں کے گلی کوچوں تک سے اس طرح واقف تھا جیسے یہیں پلا بڑھا ہو اور یہیں آوارہ گردی میں عمر گزری ہو۔

آدھا مہینہ گزر گیا۔ یہ آدھا مہینہ کبھی تو راجکماری کو اپنی زندگی پر محیط محسوس ہوتا۔ اسے یوں لگتا جیسے کرشن ازل سے اس کے ساتھ ہے اور اس کی رفاقت کے علاوہ اس کے دامن میں ہے ہی کچھ نہیں اور کبھی یہ آدھا مہینہ اسے محض ایک پل کا کھیل یا ایک مختصر خواب محسوس ہونے لگتا۔ اس کا دل کانپنے لگتا کہ یہ خواب ٹوٹ نہ جائے۔

ایک اتوار کو کرشن نے اسے بتایا۔ "آج رات میں کلکتہ جا رہا ہوں۔ مجھے اپنے اسکواڈرن کو رپورٹ کرنی ہے۔"

راجکماری کا دل جیسے کسی تاریک دلدل میں ڈوب گیا لیکن پھر کرشن کی آواز نے اسے سہارا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں چھٹی لے کر اگلے اتوار کو یہیں واپس آؤں گا اور ہم شادی کرلیں گے۔ کیا خیال ہے ؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ میں تم سے ایک ہفتے کی جدائی برداشت کرلوں گی۔" راجکماری کانپتی آواز میں بولی۔

"کیا واقعی تم مجھ سے اتنی محبت کرنے لگی ہو؟" کرشن نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اس سے بھی کہیں زیادہ۔ اپنی زندگی سے بھی زیادہ۔" وہ رک رک کر بولی۔ "لیکن مجھے معلوم نہیں کہ اپنی محبت کا یقین کیسے دلایا جاتا ہے۔ میرے دل میں جو کچھ ہے وہ میں بتا نہیں سکتی۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں ..... اور جو الفاظ ہیں انہیں بھی

استعمال کرنے کا مجھے سلیقہ نہیں ہے۔" اس کے لہجے کی سادگی میں اس کا زندگی بھر کا سرمایہ خلوص شامل تھا۔

جاتے وقت کرشن اسے کچھ نوٹ دیتے ہوئے بولا۔ "ہوٹل کا بل روز کے روز ادا کرتی رہنا اور اپنے لیے ایک نہایت خوبصورت سا شادی کا جوڑا ضرور خرید کر رکھ لینا۔ جب میں واپس آؤں تو اسی لباس میں میرا استقبال کرنا۔ باقی تیاریاں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ سمجھ گئیں؟"

پھر وہ راجکماری کو گم صم چھوڑ کر چلا گیا۔

اگلا پورا ہفتہ راجکماری نے جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے میں گزارا۔ اسے ہر لمحے یہی محسوس ہوتا جیسے کرشن اس کے ساتھ ہے' اس کے پہلو میں ہے' اس سے باتیں کر رہا ہے۔ وہ باری باری ان ساری جگہوں پر گئی جو کرشن نے اسے دکھائی تھیں۔ وہ یہی محسوس کرتی رہی کہ کرشن اب بھی اس کا ہاتھ تھامے ہوئے ہے اور وہ دن ابھی بیتے نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ اس نے بیسیوں دکانوں میں سینکڑوں قسم کے شادی کے جوڑے دیکھے مگر کوئی بھی اسے پسند نہ آیا۔ اسے کوئی سر آنکھوں پر بٹھانے والا کیا مل گیا تھا' اس کا تو معیار ہی بہت اونچا ہوگیا تھا۔ اپنی ان تبدیلیوں پر کبھی کبھی وہ خود بھی دل ہی دل میں ہنس دیتی۔

سنیچر کے دن اسے ایک بہت بڑی اور مہنگی دکان میں آخر کار شادی کا ایک جوڑا پسند آہی گیا۔ اسے خریدنے میں اس کی کل پونجی کا بیشتر حصہ خرچ ہوگیا۔ ہوٹل میں بھی کافی اخراجات ہو رہے تھے۔ اس کے پاس اب زیادہ رقم نہیں رہی تھی لیکن اسے بھلا کیا پروا تھی ؟ اب تو کرشن آنے والا تھا۔ چوبیس گھنٹے ہی تو رہ گئے تھے اس کے آنے میں !

ہوٹل میں اپنے کمرے میں واپس آکر ایک مرتبہ اس نے یہ لباس پہن کر آئینے میں خود کو دیکھا اور خود ہی شرما گئی۔ وہ واقعی اس میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ کرشن اسے اس لباس میں دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھے گا لیکن فوراً ہی اس نے بعد احتیاطاً اس لباس کو اتار کر وارڈ روب میں لٹکا دیا کہ کہیں

اس پر کوئی شکن نہ آجائے' کوئی نشان نہ پڑجائے۔ اس طرح بدشگونی سی ہو جاتی۔

اس رات وہ ہمہ تن انتظار بنی رہی۔ آرام کرسی پر ٹیلی فون کے قریب بیٹھی رہی۔ اس کا رواں رواں کرشن کی آمد کا منتظر تھا۔ کرشن نے کہا تھا کہ وہ ایئرپورٹ پر اترتے ہی اسے فون کردے گا تاکہ جب تک وہ ہوٹل پہنچے تب تک راجکماری اس کے استقبال کے لیے تیار ہوکر بیٹھ جائے۔

ایک ایک لمحہ راجکماری پر عذاب گراں کی طرح گزر رہا تھا۔ اس کی امید بھری نظریں فون پر جمی ہوئی تھیں اور اس احساس سے اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے کہ اب گھنٹی بجی کہ تب بجی۔ مگر فون خاموش رہا۔

پوری رات بیت گئی!

دوسرا دن اور دوسری رات بھی یونہی بیت گئی۔ ہزار طرح کے واہموں اور وسوسوں نے اسے عفریتوں کی طرح گھیرلیا۔ کہیں کرشن کو کوئی حادثہ نہ پیش آگیا ہو۔ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ یہ نہ ہوگیا ہو۔ وہ نہ ہوگیا ہو۔

راجکماری مان ہی نہیں سکتی تھی کہ ایسی کسی وجہ کے بغیر بھی کرشن رک سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ کرشن اگر کسی مصیبت میں نہ پھنسا ہوتا تو آگ کا دریا عبور کرکے بھی اس تک پہنچتا۔ کاغذ کی ناؤ کی طرح راجکماری کا دل کبھی ناامیدی کے بھنور میں ڈوب جاتا اور کبھی امید کے سہارے ابھر آتا۔

بدھ کی رات آخر اس نے کرشن سے رابطہ قائم کرنے کے ارادے سے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر اس کا ہاتھ درمیان میں ہی رک گیا۔ سوال یہ تھا کہ وہ کرشن کو کہاں فون کرے؟ اسے تو اس کی تعیناتی کی جگہ' عہدہ یا اسکواڈرن کا نام .... کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ کرشن نے کچھ بتانے کی اور راجکماری نے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ ایک ہفتے ہی کی بات تھی۔ آخر کرشن کو واپس تو آنا ہی تھا۔

کئی منٹ کے تذبذب کے بعد آخر کار اس نے ریسیور اٹھایا اور آپریٹر سے پوچھا کہ اگر وہ کلکتہ بات کرنا چاہے تو اسے کیا کرنا پڑے گا۔ اس نے بتایا کہ اسے ٹرنک کال بک کرانی پڑے گی۔ ہوٹل کا آپریٹر اچھی عادت کا تھا۔ اس نے ہمدردی سے اس کا

مدعا سنا اور آخر کار اس کے لیے ایئرفورس کی کلکتہ بیس کے لیے کال بک کرادی۔

ایک گھنٹے بعد کال ملی تو کلکتہ کے آپریٹر نے حیرت سے پوچھا۔ "لیکن آپ کو کون سے بیس پر بات کرنی ہے؟ یہاں تو دو بیس ہیں۔ اور جنگ کے دنوں میں ایک تیسرا بیس بھی استعمال ہوتا ہے۔"

"آپ کسی بھی بیس سے ملادیں۔" راجکماری نے درخواست کی۔

آخر کار ایک بیس سے بمشکل رابطہ قائم ہوسکا۔ ایکسچینج بے حد مصروف تھا۔

"مجھے کرشن سے بات کرنی ہے۔" راجکماری نے لائن پر ابھرتے ہوئے شور اور کھڑکھڑاہٹ کے درمیان کہا۔

"کون سا کرشن؟" دوسری طرف سے یقیناً چلاکر پوچھا گیا تھا مگر راجکماری تک آواز بہت مدھم پہنچی۔ "یہاں کئی کرشن ہیں۔" اس کا عہدہ اور کوڈ نمبر کیا ہے؟"

راجکماری کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ دنیا والوں کے بہت سے کرشن ہوں گے لیکن اس کا تو ایک ہی کرشن تھا۔ وہ تو ایک ہی کرشن کو جانتی تھی۔

راجکماری نے اسے کرشن کی شکل صورت کے بارے میں بتانے کی کوشش کی۔ پھر یہ بتانا چاہا کہ اس کی وردی پر کس طرح کی پٹیاں اور نشانات لگے ہوئے ہیں۔ ہوائی اڈے کے آپریٹر نے اکتا کر اسے مشورہ دیا کہ اسے منسٹری آف ڈیفنس کے انکوائری آفس سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔ وہ لوگ کسی کو اس طرح تلاش کرنے میں کچھ مدد کرسکتے ہیں۔ اس نے انکوائری آفس کا نمبر دے کر سلسلہ منقطع کردیا۔

راجکماری نے دوبارہ کال بک کرائی اور انکوائری آفس سے رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے تقریباً" رو دینے والی آواز میں اپنا مسئلہ بیان کیا کہ کرشن سے اس کا رابطہ قائم ہونا اشد ضروری ہے۔ اس آپریٹر کو شاید اس کی کیفیت کا کچھ احساس ہوگیا تھا کہ اس نے اسے ہولڈ کرنے کے لیے کہا اور خود نہ جانے کہاں کے نمبروں پر رابطے قائم کرنے لگا۔

آخر کار ایک طویل انتظار کے بعد اس نے راجکماری کو ایک لائن ملا کردی جس پر بے انتہا شور تھا۔ پھر وہ بولا۔ "یہاں آپ تفصیل دہرائیں اور معلوم کرنے کی کوشش کریں۔"

دوسری طرف سے ایک مدھم سی آواز سنائی دینے لگی۔ راجکماری نے ایک بار پھر کرشن کے متعلق محدود سی باتیں دہرائیں جو اسے معلوم تھیں۔ کچھ دیر بعد شور کے درمیان اس نئے آپریٹر نے راجکماری کو بتایا۔ "میرا خیال ہے میں سمجھ گیا ہوں آپ کس کرشن کو پوچھ رہی ہیں۔ وہ پرسوں تک تو یہاں موجود تھا لیکن پرسوں یہاں میس کی ایک پارٹی میں وہ شراب کے نشے میں دھت ہو کر اسکواڈرن لیڈر صاحب کے سامنے آگیا تھا۔ اور اس نے اس کی شریمتی کے ساتھ ڈانس کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ انہوں نے اس کا تبادلہ کسی نامعلوم جگہ پر کر دیا ہے۔"

وہ شاید کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن راجکماری کا وہ ہاتھ شل ہو چکا تھا جس میں اس نے اتنی دیر سے ریسیور تھام رکھا تھا۔ جب ذہن بھی شل ہوا تو ریسیور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ جس کی خاطر وہ تین رات سے پتھر کے بت کی طرح فون کے قریب جمی بیٹھی تھی، وہ اس کے حال سے بے خبر پارٹیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ شرابیں پی رہا تھا۔ افسروں کی بیویوں کے ساتھ ڈانس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ سب کچھ سوچتے سوچتے اس کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں۔ اعصاب پر دباؤ ناقابل برداشت ہو گیا۔ آخر کار وہ سنبھلتے سنبھلتے کرسی سے گر پڑی اور دنیا و مافیا سے بے خبر ہو گئی۔

اس کی آنکھ کھلی تو پہلے اسے چاروں طرف دھندلی دھندلی سفیدی سی بکھری دکھائی دی اور جب دھندلاہٹ کچھ صاف ہوئی تو پگڑی اور داڑھی والے شخص کا مہربان اور نرم خو سا چہرہ اپنے اوپر جھکا نظر آیا۔ اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں تشویش تھی۔

"مجھے کیا ہوا تھا..... اور میں کہاں ہوں؟" راجکماری نے کمزور سی آواز میں پوچھا۔

"تم ہوٹل کے کمرے میں رات بھر قالین پر بے ہوش پڑی رہی تھیں اور سردی کی وجہ سے تمہیں نمونیہ ہو گیا تھا۔ اس وقت تم اسپتال میں ہو۔" اس شخص نے جواب دیا اور تب راجکماری کو یاد آیا کہ وہ کیسے بے ہوش ہوئی تھی۔

"تمہیں چار دن بعد ہوش آیا ہے۔" اس شخص نے مزید بتایا۔

"چار دن بعد!" راجکماری کے خوابیدہ اعصاب کو جھٹکا سا لگا۔ ایک لمحے کی

خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"میرا نام ہرمل سنگھ ہے۔ میں ڈاکٹر ہوں۔ یہاں ہاؤس جاب کر رہا ہوں۔" اس نے ملائمت سے جواب دیا۔

"ہرمل سنگھ! میرے ہوٹل فون کر کے معلوم کرو کہ میرے لیے کوئی پیغام تو نہیں ہے۔" راجکماری نے التجائیہ لہجے میں کہا۔ "پلیز..... میرا یہ کام کردو.... یہ بہت ضروری ہے۔ میرا منگیتر مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہو گا اور اگر اسے میرے بارے میں صحیح پتا نہ چلا تو ہماری زندگیاں برباد ہو سکتی ہیں۔"

نوجوان ڈاکٹر ہرمل سنگھ نے اثبات میں سرہلایا اور پلٹ کر ایک نرس کو فون کرنے کا حکم دیا۔ نرس فون کرنے چلی گئی اور چند منٹ بعد واپس آگئی۔

"ہوٹل والوں نے بتایا ہے کہ آپ کے لیے کوئی فون، کوئی پیغام نہیں آیا۔"

نرس کی زبان کی اس ذرا سی جنبش نے راجکماری کی آس اور امیدوں کے تمام گھروندے مسمار کر دیئے۔

اس کے بعد وہ مزید ایک ہفتہ اسپتال میں رہی اور روزانہ ڈاکٹر ہرمل سنگھ کو مجبور کرتی رہی کہ وہ اس کے ہوٹل سے معلوم کرتا رہے راجکماری کے لیے کوئی پیغام تو نہیں، کوئی اسے پوچھنے تو نہیں آیا؟ ہر بار اسے نفی میں جواب ملا مگر اس کا دل جیسے مانتا ہی نہ تھا۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے ساری دنیا مل کر اس کے خلاف سازش کر رہی تھی۔ کرشن کو اس سے دور رکھنے کی سازش!

اسپتال میں صرف ہرمل سنگھ تھا جو اس سے ہمدردی سے پیش آرہا تھا۔ اس پر توجہ دے رہا تھا۔ وہ اس کی کیفیات کو کافی حد تک سمجھ رہا تھا۔ وہ اس کے کام آنا چاہتا تھا مگر شاید اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس کے لیے کیا کرے۔

آخر کار وہ دن بھی آیا جب راجکماری کو اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔ ڈاکٹر ہرمل سنگھ اسے گیٹ تک چھوڑنے آیا جہاں وہ ٹھٹک کر سوچنے لگی کہ اب وہ کہاں جائے گی؟ کیا کرے گی؟ اس کے پاس اب اتنے پیسے نہیں رہے تھے کہ ہوٹل میں مزید قیام کر سکتی۔ اسے اب وہاں سے بھی سامان اٹھانا تھا۔

ڈاکٹر ہرمل سنگھ غالباً اس کی الجھن سمجھ رہا تھا۔ وہ ایک دیوار کے پاس رکتے

ہوئے بولا۔ "میرا خاندان تو پنجاب میں ہے۔ میں بچپن ہی میں یہاں اپنی خالہ کے پاس آگیا تھا۔ کیوں آگیا تھا.....؟ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اب تو میں ان خالہ کے پاس بھی نہیں رہتا۔ ڈاکٹروں کے ہوسٹل میں رہتا ہوں۔ میری وہی خالہ تمہارے بھی بہت کام آسکتی ہیں۔"

راجکماری خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تم نے بتایا تھا کہ تم زنانہ کپڑوں کی دکان پر کام کرچکی ہو۔ میری خالہ کا بھی ایک چھوٹا سا بوتیک ہے اور انہیں ایک خوبصورت اور سلجھی ہوئی لڑکی کی ضرورت ہے۔ وہ چونکہ زیادہ تنخواہ نہیں دے سکتیں اس لیے کوئی بھی معقول لڑکی' زیادہ عرصے ان کے پاس نہیں ٹکتی۔ جونہی کوئی بہتر ملازمت ملتی ہے' فوراً" چلی جاتی ہے۔ تم ضرورت مند ہو۔ جب تک ضرورت محسوس کرو ان کے پاس گزارا کرلو۔ میں انہیں فون کردوں گا۔ ذرا مرد مارسی عورت ہیں لیکن دل کی بہت اچھی ہیں۔ بلونت کوران کا نام ہے۔"

ہرمل سنگھ نے ان کا ایڈریس اور انگریزی میں تین چار لائنیں ان کے نام ایک کاغذ پر لکھ کر راجکماری کو دے دیں۔ راجکماری نے وہ کاغذ تہہ کرکے احتیاط سے پرس میں رکھ لیا۔

"تمہارے پاس گزارے کے لیے کچھ پیسے ہیں ؟" ہرمل نے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔ "تھوڑے سے پیسے تھے تو سہی لیکن وہ ہوٹل میں ہی ہیں۔ اب جاکر حساب کروں گی تو پتا چلے گا کہ کیا کچھ بچتا ہے یا ہوٹل والوں سے بھی منت سماجت کرکے ادھار کرنا پڑتا ہے۔"

ڈاکٹر ہرمل نے چند نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیئے اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ ہاؤس جاب کرنے والوں کو زیادہ تنخواہ نہیں ملتی۔ بہرحال اگر تم ضرورت محسوس کرو تو ماسی بلونت کور سے ضرور مل لینا۔"

"شکریہ....." راجکماری مدھم آواز میں صرف اتنا کہہ سکی۔ نہ جانے کیوں اس کا گلا رندھ گیا۔ ڈاکٹر ہرمل نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور واپسی کے لیے مڑگیا۔

راجکماری کو اسی شام ڈاکٹر ہرمل کی خالہ سے ملنا پڑا کیونکہ اس کے سامنے کوئی

ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ ہوٹل کا بل ادا کرنے کے بعد اس کے پاس کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

بلونت کور ایک لمبی تڑنگی' بھاری بھرکم عورت تھی۔ گوری چٹی تھی اور چہرے مہرے کے اعتبار سے اسے خوبصورت کہا جاسکتا تھا لیکن اس میں کسی بھی قسم کی کشش نہیں تھی۔ شاید جوانی میں بھی نہیں رہی تھی۔ وہ برف کے مجسمے کی طرح تھی۔ لیکن ہرمل سنگھ نے سچ کہا تھا کہ سینے میں ایک گرمجوش دل تھا۔

وہ راجکماری سے اس محبت' شفقت اور گرمجوشی سے پیش آئی جیسے وہ اس کی کوئی بچھڑی ہوئی عزیز ترین ہستی تھی۔ اس نے ذرا سی دیر میں راجکماری کے سارے مسئلے حل کردیئے۔ نوکری تو اس نے راجکماری کو فوراً" ہی دے دی۔

رہائش کا مسئلہ زیر غور آیا تو وہ بولی .... "رکھنے کو تو میں تمہیں اپنے پاس بھی رکھ سکتی ہوں۔ میں اکیلی ہی رہتی ہوں۔ صرف ایک نوکرانی ہے میرے ساتھ ..... اور خاصا بڑا فلیٹ ہے لیکن میرا زندگی کا بس اپنا ایک اسٹائل ہے۔ میں اکیلی ہی رہنا پسند کرتی ہوں۔ ہرمل سنگھ نے جب میٹرک کیا تھا تب سے میں اکیلی ہی رہنے کی عادی ہوچکی ہوں۔ کالج میں داخلہ لیتے ہی وہ ہوسٹل میں چلاگیا۔ لڑکا ہو یا لڑکی۔ میں نہ کسی جوان انسان کے سر پر مسلط ہونا پسند کرتی ہوں اور نہ کسی کو اپنے سر پر مسلط کرتی ہوں۔"

"لیکن میں تو....." راجکماری نے کچھ کہنا چاہا۔

"مگر یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "اس بوتیک کے اوپر بھی ایک چھوٹا سا کمرا ہے۔ اس کا راستہ بھی الگ ہے۔ میں اسے اسٹور کے طور پر استعمال کرتی ہوں۔ اس میں کچھ اسٹاک پڑا ہے۔ سلائی مشینیں پڑی ہیں لیکن اس میں ایک بیڈ کی جگہ ہے۔ چھوٹا سا باتھ روم بھی ہے اور ایک چھوٹی سی جگہ ہے جسے تم کچن کے طور پر استعمال کرسکتی ہو۔ بس اس کمرے میں ایک بیڈ ڈلوانا پڑے گا۔ وہ میں اپنے گھر سے اٹھوا کر آج ہی ڈالوا دوں گی۔ جب تک کوئی اور بندوبست نہیں ہو جاتا تب تک گزارا کرو۔ بوتیک والے فون کی ایکسٹینشن بھی ہے اوپر۔ کبھی کبھار ہرمل سے یا کسی اور سے ..... جس سے تمہارا جی چاہے بات چیت بھی کرلیا کرنا۔ دل لگا رہے گا۔" وہ مہربان انداز میں مسکرائی۔

راجکماری کو اور کیا چاہیے تھا۔ بمبئی عجیب شہر تھا۔ ایک پل میں نامہرباں ہوتا تھا' دوسرے پل مہرباں۔ ایک پل میں سفاک نظر آتا تھا تو دوسرے پل میں نرم خو' ایک پل میں سب کچھ لوٹ لیتا تو دوسرے پل جھولی میں بہت کچھ ڈال دیتا تھا۔

چند دن میں اس نے اوپر والے کمرے کو بہت اچھا سیٹ کرایا۔ صبح تیار ہو کر وہ نیچے آجاتی اور بلونت کور کے آنے سے پہلے بوتیک کھول لیتی۔ دن بھر نہایت جاں فشانی سے وہ اپنا کام کرتی لیکن کام میں مکمل طور پر منہمک ہونے کے باوجود وہ کچھ کھوئی کھوئی سی لگتی تھی۔ اس کا ذہن نہ جانے کون سی گتھیاں سلجھاتا رہتا۔

اپنا اچھوتا عروسی لباس اس نے جوں کا توں ایک الماری میں عین سامنے لٹکا رکھا تھا۔ صبح اٹھ کر سب سے پہلے اس کی نظر اسی لباس پر پڑتی تھی اور رات کو سوتے وقت بھی جو آخری چیز دیکھتی وہ یہی شادی کا جوڑا تھا جسے پہن کر کرشن کے سامنے جانے کی تمنا دل میں ہی مدفون رہ گئی تھی۔

بلونت کور کے ساتھ کام کرتے اسے دو ماہ ہو چکے تھے جب اس نے خود ڈاکٹر ہرمل کو فون کیا اور شام کو باہر کہیں ملنے کی فرمائش کی۔ ہرمل تو اسے فون کرتا ہی رہتا تھا مگر باتیں بس رسمی سی ہوتی تھیں۔ ہرمل نے اسے ایک ریستوران کا اتا پتا سمجھایا۔ راجکماری مقررہ وقت پر وہاں پہنچ گئی۔ ڈاکٹر ہرمل پہلے ہی سے اس کا منتظر تھا اور اس کے چہرے پر اشتیاق کی پرچھائیاں تھیں۔

ادھر ادھر کی باتوں کے بعد راجکماری نے مدھم لہجے میں ڈاکٹر کو بتایا۔ "میں امید سے ہوں ہرمل!"

یہ بات اسے اسی دن سے معلوم تھی جس دن اس کی کوکھ میں اس نئی زندگی کی بنیاد پڑی تھی۔ اپنی تمامتر ناتجربے کاری اور بغیر کسی واضح نشانی کے' اسے اس لمحے تک کا احساس تھا جب اس روح نے اس کی کوکھ میں پہلا قدم رکھا تھا۔

ہرمل چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر سر جھکا کر قدرے شرمیلے سے لہجے میں بولا۔ "راجکماری! اگر تم اس بچے کی ماں بننا چاہتی ہو لیکن اس خیال سے خوفزدہ ہو کر یہ بن باپ کا بچہ کہلائے گا تو میں تم سے شادی کرنے اور اس بچے کی ولدیت کے خانے میں اپنا نام لکھنے کے لیے تیار ہوں۔"

"نہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ بچہ دنیا میں آئے۔" راجکماری فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"تو پھر..... کام تو غیر قانونی ہے....." ڈاکٹر ہرمل کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "لیکن ایک لیڈی ڈاکٹر میری واقف ہے۔ میں اس سے بات کروں گا۔ امید ہے وہ یہ کام کروے گی۔"

دو دن بعد ڈاکٹر ہرمل اسے لیڈی ڈاکٹر سے ملانے لے گیا لیکن وہاں راجکماری نے یہ کہہ کر اسے حیران کر دیا کی فی الحال وہ صرف چیک اپ کرانا چاہتی ہے۔

"لیکن جوں جوں وقت گزرتا جائے گا یہ کام مہلک اور خطرناک ہوتا جائے گا۔" لیڈی ڈاکٹر بولی۔ "یہ وقت مناسب ہے۔"

"آپ اس کی پرواہ مت کریں۔" راجکماری نے پراسرار اور ضدی سے لہجے میں کہا۔ "فی الحال صرف چیک اپ کر کے بتا دیں کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے یا نہیں۔"

چیک اپ کرا کے ہرمل' راجکماری کو واپس چھوڑ گیا۔ وہ اس عجیب و غریب اور مبہم رویے پر حیران تھا۔ یہ لڑکی اسے اسی دن سے نہایت عجیب اور دنیا سے الگ تھلک لگی تھی جس دن اس نے پہلی مرتبہ اس سے بات کی تھی۔ اس کے بے پناہ حسن اور دلکشی کے علاوہ اس کے اسی پراسرار طرزِ عمل کی وجہ سے بھی ہرمل اس کی طرف کھنچا چلا آرہا تھا۔ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہونا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے اپنے آپ پر اختیار ہی نہیں رہا تھا۔

ادھر راجکماری کی پراسراریت روز بہ روز اور بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ نہ تو کچھ بتاتی تھی اور نہ ہی کوئی اقرار کرتی تھی۔ نہ کسی بات پر حیران ہوتی تھی اور نہ ہی اس پر کسی جذبے کا اثر ہوتا تھا۔ وہ اسے بتا چکا تھا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے مگر وہ نہ شرمائی تھی' نہ برہم ہوئی تھی۔ اس نے نہ کوئی سوال کیا تھا' نہ کوئی جواب دیا تھا۔ بس اپنے اسی مبہم سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

ہرمل قطعاً" اندازہ نہیں کر سکا تھا کہ اس کے اظہار محبت کا راجکماری پر کیا اثر ہوا تھا۔ یا اس کے دل میں ہرمل کے لیے کتنی جگہ تھی؟ وہ شاید عورت نہیں' ایک سمندر تھی۔ اس کم عمری میں ہی اسے اپنے آپ کو دنیا سے چھپا کر رکھنے کا فن آگیا

تھا۔

پھر مہینے پر مہینہ گزرنے لگا۔ ہرمل اور راجکماری کی ملاقاتیں اکثر ہوتیں اور ہر بار وہ اسے یاد دلاتا کہ اسے اس ان چاہے وجود کو اپنی کوکھ سے نوچ پھینکنے کا کٹھن مرحلہ سرکر ہی لینا چاہیے لیکن ہر بار وہ اپنی مخصوص پراسرار سی مسکراہٹ کے ساتھ صرف اتنا کہہ کر ٹال جاتی۔ "ابھی نہیں۔"

ہرمل کو معلوم نہیں تھا کہ آج کل رات کی تنہائی میں راجکماری بستر پر اپنے کمرے میں لیٹی گھنٹوں چھت پر کیا تکتی رہتی ہے اور سوچوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتی رہتی ہے۔

اس کے باطن کی دنیا میں ایک انقلاب آچکا تھا۔ محبت اور نفرت کی انتہا کے درمیان بال برابر فاصلہ ہوتا ہے اور راجکماری یہ فاصلہ طے کرچکی تھی۔ وہ انتہائے محبت سے انتہائے نفرت کی دنیا میں داخل ہوچکی تھی۔ اس نے جس طرح اپنی روح کی گہرائیوں سے کرشن کو چاہا تھا' اب وہ اس سے کہیں زیادہ تند اور شدید نفرت کے عمل سے گزر رہی تھی۔

اس شخص نے اس کی نسوانیت کی توہین کی تھی۔ اس نے راجکماری کے ساتھ جو شب و روز گزارے تھے ان کی' اس کی نظر میں کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اسے یاد تک نہیں رہا تھا کہ وہ کسی کو خوشبوؤں بھری زندگی کا خواب دکھا کر انتظار کی سولی پر مصلوب چھوڑ آیا ہے۔ گویا راجکماری اس کے لیے محض اتفاقاً" سرراہ مل جانے والا عیاشی کا ایک وقتی سہارا تھی۔

شاید یہ کرشن کا آئے دن کا معمول تھا لیکن راجکماری اپنی اولین محبت کی یہ توہین برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ وہ کرشن کو اس کی دغابازی اور زعم کی سزا دینا چاہتی تھی۔ اسے خود بھی ابھی معلوم ہوا تھا کہ وہ فطرتاً" ایسی لڑکی نہیں تھی جو کسی مرد کے ہاتھوں میں' محبت کے نام پر کھلونا بن جانے اور پھر ناکارہ گڑیا کی طرح ایک طرف پھینک دیئے جانے کے بعد صبر کرکے بیٹھ جاتی۔

ہرمل کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ راجکماری اس کی دوست لیڈی ڈاکٹر کے پاس پابندی سے چیک اپ کرانے کیوں جاتی ہے اور ہر مرتبہ اس سے کیوں پوچھتی ہے کہ

بچہ کون سے مرحلے میں ہے؟ کیا اس میں جان پڑگئی ہے؟ کیا وہ جسمانی تکلیف محسوس کرسکتا ہے؟ ہرمل کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ راجکماری دودھ' پھل اور دوائیں بڑی باقاعدگی سے استعمال کر رہی تھی۔ بالکل ان متوقع ماؤں کی طرح جنہیں بڑی فکر ہوتی ہے کہ ان کا ہونے والا بچہ تندرست اور صحت مند ہو۔

چھٹا مہینہ شروع ہوا تو ایک ملاقات میں ہرمل اس پر برس پڑا۔ "آخر تم چاہتی کیا ہو؟ کب یہ کام کراؤ گی؟ تمہیں معلوم ہے اب اس میں تمہاری جان کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے؟"

لیکن یہ سن کر بھی راجکماری کے چہرے پر فکرمندی کے کوئی آثار نہ ابھرے۔ اس کے ہونٹوں پر بدستور وہی مبہم اور پراسرار سی مسکراہٹ رقصاں رہی۔

"کرشن کا بچہ ابھی اپنے باپ کے پاپ کی سزا بھگتنے کے لیے تیار نہیں ہے۔" راجکماری اتنی آہستگی سے بڑبڑائی تھی کہ ہرمل یہ الفاظ نہیں سن سکا تھا۔

پھر ایک رات جبکہ ہرمل ڈاکٹرز ہوسٹل میں اپنے کمرے میں گہری نیند سویا ہوا تھا' فون کی گھنٹی نے اسے جگا دیا۔ ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے اس نے وال کلاک میں وقت دیکھا۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ یقیناً" اسپتال سے کوئی غیرمتوقع بلاوا آگیا تھا۔ ہاؤس جاب والوں کو تو اسپتال والے وقت بے وقت کچھ زیادہ ہی تنگ کرتے رہتے تھے۔

برا سا منہ بناتے ہوئے اس نے ریسیور اٹھا کر "ہیلو" کہا۔ دوسری طرف سے ایک بیٹھی بیٹھی سی آواز سنائی دی۔ الفاظ اس کی سمجھ میں نہ آسکے۔

"کون ہے؟" اس نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں پہچانا؟" سرگوشی قدرے واضح ہوگئی۔ "اب وقت آگیا ہے ہرمل! فوراً" پہنچو .... وقت آگیا ہے .... " اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔ بہرحال تب تک ہرمل اس آواز کو پہچان چکا تھا اور اس کی تہہ میں چھپے ہوئے کسی عجیب اور بے عنوان سے پیغام نے نہ جانے کیوں اس کے جسم میں سرد سی لہر دوڑا دی تھی۔ اس نے بے تابی سے کمبل ایک طرف پھینکا اور لباس تبدیل کرنے لگا۔

وہ جب راجکماری کے کمرے میں پہنچا تو وہ فرش پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔ اس کے شکم کے قریب خون کا ایک چھوٹا سا تالاب بن گیا تھا۔ پاس ہی ایک مڑتڑا' خون

آلود' لوہے کا تار پڑا تھا جو پہلے دراصل ہینگر رہا ہوگا۔ یہ تار اس نے یقیناً" کئی مرتبہ اپنے پیٹ میں گھونپا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر بھی خون لگا ہوا تھا۔

راجکماری کا چہرہ دھلی ہوئی چادر کی طرح سفید پڑچکا تھا لیکن وہ ہوش میں تھی۔ اس کی لحمہ بہ لحمہ بند ہوتی ہوئی آنکھوں میں ایک عجیب غیر انسانی سی چمک جاگزیں تھی۔ ہرل کو دیکھ کر وہ نہایت مبہم لیکن آسودہ سے انداز میں مسکرائی۔

"کرشن کو میں نے پہلی سزا تو دے لی ..." ان مسکراتے ہونٹوں کے عقب سے سرگوشی ابھری۔ پھر راجکماری کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

ہرل کو اس کے قریب جاتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی جلد کے نیچے گویا ان گنت سانپ اور کنکھجورے سرسرا رہے تھے۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ کوئی عورت نفرت و انتقام کے ساتھ ساتھ خود اذیتی کی اس انتہا تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ وہ یقین کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن ثبوت اس کے سامنے تھا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے جھرجھری آرہی تھی۔ اگر اس عورت کی نفرت کا یہ عالم تھا تو اس کی محبت کا انداز بھی یقیناً" اپنی مثال آپ رہا ہوگا۔

ہرل نے راجکماری کو اسپتال تو پہنچا دیا لیکن اسے اس کے بچنے کی امید بہت کم تھی۔ اسپتال میں چھ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم آٹھ گھنٹے تک اسے بچانے کی جدوجہد کرتی رہی۔ خطرہ ایک نوعیت کا نہیں' کئی طرح کا تھا۔ اس کے شکم میں سوراخ تھے۔ خون بے تحاشا ضائع ہوچکا تھا اور لوہے کے تار سے اس کے سارے اندرونی نظام میں زہر پھیل گیا تھا۔

تاہم دوسرے دن اس کی حالت خطرے سے باہر ہوگئی اور چھٹے دن وہ اس قابل ہوگئی کہ بستر میں تکیے کے سہارے بیٹھ سکے۔ ہرل اسے دیکھنے آیا۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں کہ تمہارا بچ جانا ایک معجزہ ہے اور ان ڈاکٹروں میں' میں بھی شامل ہوں۔" وہ بولا۔

راجکماری نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہونٹوں پر وہی مبہم اور پراسرار مسکراہٹ ابھر آئی جو ہرل کے جسم میں ایک بے عنوان سے خوف کی لہر دوڑا دیتی تھی اور جس سے وہ کوئی بھی مطلب اخذ کرنے میں ناکام رہتا تھا۔

راجکماری دل ہی دل میں سوچ رہی تھی "ابھی میں کیسے مرسکتی ہوں۔ ابھی تو کرشن سے میرے انتقام کا صرف ایک مرحلہ پورا ہوا ہے۔ میں اسے بھی اسی طرح برباد کروں گی جس طرح میں نے اس کے بچے کو کیا ہے۔ میں کرشن کو ڈھونڈ نکالوں گی۔ وقت یقیناً" بہت لگے گا لیکن بہرحال ..... میں ہمت نہیں ہاروں گی ..... میرا انتقام ادھورا نہیں رہے گا۔"

دنیا میں کہاں' کس کردار پر' کیا گزر رہی ہے' وقت کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ وقت کا کام گزرنا ہے' سو گزرتا چلا جاتا ہے۔

راجکماری کے بھی دو سال کسی نہ کسی طرح گزر ہی گئے۔ اب وہ ایک بہت بڑے بوتیک میں ملازم تھی جہاں اس کے علاوہ بھی پندرہ سیلز گرلز تھیں۔ اسے اب معقول تنخواہ ملتی تھی۔ کمیشن وغیرہ کا بھی سلسلہ تھا۔ وہ جان توڑ محنت کرتی تھی۔ لباسوں کی سلائی اور ڈیزائننگ تک میں اس کا عمل دخل ہوگیا تھا۔ اس کا معاوضہ اسے الگ ملتا تھا۔ وہ بمبئی شہر کو سمجھنے لگی تھی اور وہاں رہنے کا اسے سلیقہ آگیا تھا۔ اس میں بلا کی خود اعتمادی آگئی تھی۔

وہ اب ورکنگ ویمنز ہوسٹل میں رہتی تھی۔ انڈین ایرلائنز کی ایک ایئرہوسٹس اس کے ساتھ کمرا شیئر کرتی تھی۔ اس طرح دونوں کو خاصی بچت ہوجاتی تھی۔

بوتیک میں کام کرنے کی وجہ سے راجکماری کو پہننے اور سنورنے کا خاص سلیقہ تھا۔ وہ جب پرس کندھے پر لٹکائے' ایک بے عنوان احساس تفاخر سے گردن اونچی کیے کھٹ کھٹ کرتی جب کہیں سے گزرتی تھی تو بہت سے سراس کی طرف گھوم جاتے تھے اور اسے دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایک بوتیک میں محض ایک سیلز گرل ہے۔ وہ کسی بہت بڑے سیٹھ کی نک چڑھی بیٹی نظر آتی تھی جسے دست قدرت نے حسن کی دولت سے بھی خوب نوازا تھا۔

بمبئی کی زندگی اپنی مخصوص ہماہمی کے ساتھ رواں دواں تھی۔ اس میں صرف کبھی کبھی ایک ہلچل سی پیدا ہوجاتی تھی۔ سکھوں کی شورش کئی صوبوں میں زور پکڑ چکی تھی۔ اس کا اصل مرکز تو پنجاب ہی تھا لیکن اور بھی جہاں جہاں سکھ موجود تھے' کوئی نہ

کوئی گڑبڑ ہو ہی جاتی تھی۔

پنجاب میں تو مسئلہ جتنا بڑھ چکا تھا اور جس طرح حکومت اس سے نمٹنے کی کوشش کر رہی تھی وہ معاملہ اپنی جگہ تھا لیکن سکھ جہاں معمولی اقلیت میں تھے وہاں حکومت اس معاملے میں زیادہ حساس تھی۔ وہاں وہ چاہتے تھے کہ یہ مسئلہ سر اٹھانے ہی نہ پائے۔ بڑے شہروں میں یہ معاملہ براہ راست فوج کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

آرمی سیکرٹ سروس اس معاملے میں نہایت خاموشی لیکن بے حد سرگرمی سے مصروف عمل تھی۔ بمبئی چونکہ ایک بہت بڑا تجارتی و صنعتی شہر تھا۔ ہر قومیت کے لوگ یہاں خاصی تعداد میں موجود تھے اس لیے یہاں آرمی کسی بھی گڑبڑ کو زیادہ خطرناک تصور کرتی تھی کیونکہ اس کے بہت تیزی سے پھیلنے اور پھر اس کے زیادہ سے زیادہ تباہ کن اثرات مرتب ہونے کا خطرہ موجود رہتا تھا۔ عام لوگوں کو اندازہ نہیں تھا لیکن درون خانہ اس معاملے میں بہت سختی برتی جا رہی تھی۔ سکھ کیمونٹی کی شامت آئی ہوئی تھی لیکن تمامتر سختیوں اور احتیاطی تدابیر کے باوجود کہیں نہ کہیں گڑبڑ ہوتی ہی رہتی تھی۔ قتل و غارت' خونریزی' سیٹھوں کے اغوا اور چھرا گھونپنے کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ہر جگہ بظاہر امن و امان کو کنٹرول کرنے میں پولیس پیش پیش نظر آتی تھی لیکن درحقیقت اس معاملے کو آرمی کی سیکرٹ سروس ہی کنٹرول کرتی تھی۔

لیکن راجکماری کو جیسے اپنے گرد و پیش سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ایک تو اسے فرصت میسر ہی کم آتی تھی۔ ایک عرصے سے اس کا تو بلونت کور اور ہرمل سنگھ سے بھی کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ ایک بار اس نے ان سے ملنے کی کوشش بھی کی تو پتا چلا کہ وہ دونوں ہی نہ جانے کہاں غائب ہو چکے ہیں۔ بلونت کور اپنا بوتیک بھی بند کر گئی تھی اور رہائش بھی تبدیل کر چکی تھی۔ ہرمل سنگھ بھی نہ جانے کہاں جا چکا تھا۔

راجکماری نے دوبارہ انہیں تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ ویسے بھی صبح سے رات تک مصروف رہتی تھی۔ اگر اسے فرصت ہوتی تب بھی وہ گویا سب سے الگ تھلگ اپنی ہی کسی دنیا میں مگن رہتی۔ دل ہی دل میں اپنی کسی خاص ادھیڑ بن میں لگی رہتی۔

وہ دراصل تمامتر چھوٹی چھوٹی جزئیات کے ساتھ اپنی زندگی کا لائحہ عمل طے کر

رہی تھی۔ اسے ایک خاص راستہ اختیار کرنا تھا اور اس پر چلتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچنا تھا۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے مقصد کے حصول سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ یہ اس کا اپنے آپ سے عہد تھا۔

ایک روز اس نے اپنی ایئرہوسٹس روم میٹ سے پوچھا۔ ”ہمارے ملک میں تو عام' پیشہ ور قسم کے جاسوس یا پرائیویٹ سراغرساں وغیرہ نہیں ہوتے نا ...... جیسے یہ جاسوسی کہانیوں یا بعض انگریزی فلموں وغیرہ میں ہوتے ہیں ؟“

ایئر ہوسٹس جس کا نام مدھو تھا' مسکراتے ہوئے اور نفی میں سرہلاتے ہوئے بولی۔ ”نہیں ..... باقاعدہ طور پر ویسے تو نہیں ہوتے۔ اس طرح کا کوئی نظام فی الحال نہیں ہے ہمارے ہاں لیکن تمہیں کیا ضرورت پڑگئی پرائیویٹ سُراغرساں کی ؟“

”بس .... ایسے ہی .... ایک چھوٹا سا کام تھا۔“ راجکماری ٹالنے کے سے انداز میں بولی ..... ”خیر..... میں کوئی اور طریقہ سوچوں گی۔“

مدھو کچھ سوچتے ہوئے بولی ..... ”ویسے ہمارے بعض پولیس والے ریٹائر ہونے کے بعد کچھ اس قسم کے کام شروع کر دیتے ہیں کہ کسی کا تھانے کچہری میں کوئی مسئلہ حل کرا دیا' کسی کا کوئی جھگڑا ختم کروایا' کھوئی ہوئی کسی چیز یا کسی گمشدہ آدمی کی تلاش میں مدد کر دی۔ ان میں سے کوئی آدمی بڑا ذہین اور مستعد بھی ہوتا ہے۔ مجھے اتفاق سے یہ معلومات اس طرح حاصل ہوئیں کہ میری بڑی بہن کا سولہ سال کا لڑکا ایک روز اسکول سے واپسی پر غائب ہو گیا تھا۔ بہن بہنوئی نے ظاہر ہے اپنی سی پوری بھاگ دوڑ کی۔ پولیس نے بھی روایتی کارروائی کی مگر لڑکا نہیں ملا۔ والدین کی بری حالت تھی۔ انہیں کسی نے ایسے ہی ایک شخص سے ملوایا۔ اسے مہینہ تو پورا لگ گیا لیکن اس نے بہرحال لڑکے کو ڈھونڈ نکالا۔ وہ خود ہی اپنے سے بڑی عمر کے ایک آدمی کے ساتھ مل کر غائب ہوا تھا اور دلی جا پہنچا تھا۔ ان کے بڑے بڑے پروگرام تھے۔ بس پتا نہیں کیوں دماغ خراب ہو گیا تھا۔ ماں باپ کو پریشانی تو بہت اٹھانی پڑی۔ خرچا بھی کافی ہو گیا لیکن لڑکا بہرحال مل گیا تھا۔“

”کیا نام تھا اس شخص کا ..... اور اس سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟“

راجکماری نے بے تابی سے پوچھا۔

"پہلے تم بتاؤ کام کیا ہے ؟ کیوں اس چکر میں پڑ رہی ہو؟" مدھو نے شریر سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے بھی ایک شخص کی تلاش کرانا ہے۔" راجکماری نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"دیکھو ....." مدھو فوراً" سمجھانے پر اتر آئی۔ "اگر کوئی تمہارے ساتھ دوچار اچھی شامیں گزار کے ..... آسمان جتنے اونچے وعدے کرکے غائب ہوگیا ہے تو تم بھی اس پر لعنت بھیج دو۔ اپنی لنگڑی انا کو لے کر اس کے پیچھے مت بھاگتی پھرو۔ تم کوئی ایسی گئی گزری لڑکی نہیں ہو۔ یہ دنیا ایک سے ایک شاندار آدمی سے بھری پڑی ہے اور ان میں سے نہ جانے کتنے تمہارے قدموں میں لوٹنے کے لیے تیار ہوں گے۔ کیا تم اپنے آپ کو آئینے میں غور سے نہیں دیکھتیں ؟"

"بات ایسی نہیں ہے جیسی تم سمجھ رہی ہو۔" راجکماری بے چارگی سے بولی۔

"بس تم مجھے اس آدمی کا اتا پتا بتا دو۔ میں تمہاری بنتی کرتی ہوں۔" اس نے واقعی مدھو کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

مدھو ایک لمحے بغور اس کی طرف دیکھتی رہی پھر طویل سانس لے کر بولی۔

"اتا پتا تو اس کا مجھے بھی نہیں معلوم۔ ایک دو دن ٹھہر جاؤ۔ میں تمہیں معلوم کرکے بتاؤں گی۔ میری وہ بہن اور بہنوئی اب گوالیار میں رہتے ہیں۔"

"پلیز..... تم ضرور معلوم کرکے مجھے بتاؤ۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔" راجکماری کا انداز کچھ ایسا التجائیہ تھا جیسے یہ اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہو۔

مدھو الجھن زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی لیکن اس نے مزید کچھ نہیں پوچھا۔ وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی معاملات میں مگن رہنے والی لڑکی تھی۔

دو دن بعد مدھو نے ایک چٹ اسے تھما دی تھی۔ اس پر وشواناتھ نامی ایک شخص کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ راجکماری دوسرے ہی روز ڈھونڈتی ڈھانڈتی اس ایڈریس پر جا پہنچی۔

وشاناتھ کا دفتر پرانے شہر کی ایک گنجان گلی میں واقع کئی منزلہ عمارت میں تھا۔ عمارت کی سیڑھیاں تنگ اور دیواریں پان کی پیکوں سے منقش تھیں۔ دوسری منزل پر

واقع ایک کمرے کے دروازے پر وشواناتھ کے نام کی تختی آویزاں تھی لیکن اس تختی کے مطابق وہ باقاعدہ ڈگری یافتہ وکیل تھا۔

دفتر کے اندر پہنچ کر راجکماری کا تاثر کچھ بہتر ہوا۔ اندر سے دفتر خوب کشادہ اور صاف ستھرا تھا۔ دیواروں کے ساتھ موٹی موٹی کتابوں سے بھری الماریاں موجود تھیں۔ ٹیلیفون، ٹائپ رائٹر وغیرہ بھی موجود تھا۔ وشواناتھ ایک لمبی چوڑی اور بارعب قسم کی میز کے عقب میں موجود تھا۔ دفتر میں اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔

وشواناتھ کا سر سفید مگر صحت عمدہ تھی۔ وہ ایک چاق و چوبند اور گہرا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ شام کے وقت بھی وہ وکیلوں والا کالا کوٹ ہی پہنے بیٹھا تھا۔ اس نے راجکماری کے استقبال میں ذرا بھی گرمجوشی نہیں دکھائی۔

"مجھے مسٹر پرتاپ نے آپ کے پاس بھیجا ہے ....." راجکماری نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ پرتاپ، مدھو کے بہنوئی کا نام تھا جن کا بچہ وشواناتھ نے تلاش کیا تھا۔

وشواناتھ کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ "پرتاپ .....؟" اس نے خود کلامی کے انداز میں دہرایا اور ایک لمحے کی الجھن آمیز سی خاموشی کے بعد جیسے اسے کچھ یاد آگیا اور وہ چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔ "ہاں ..... ہاں ..... ٹھیک ہے ۔ بیٹھیے۔"

راجکماری ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "مجھے ایک شخص کو تلاش کرانا تھا ..... لیکن آپ تو وکیل ہیں ....."

"اس کی فکر مت کیجئے۔" وشواناتھ بولا۔ "پولیس میں نوکری کے دوران میں نے وکالت کا امتحان پاس کیا تھا کہ بڑھاپا کچھ اچھا کٹ جائے گا لیکن وکالت تو کوئی خاص نہیں چلی البتہ دوسرے قسم کے کام اچھے چل رہے ہیں۔"

"کس قسم کے کام ؟" راجکماری نے پوچھا۔

"بے فکر رہیں۔ میں کوئی ناجائز یا غیر قانونی کام نہیں کرتا۔" وشواناتھ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "میں صرف پریشان حال لوگوں کے جائز قسم کے مسائل حل کراتا ہوں۔"

"وہ آدمی کسی دوسرے شہر میں ہے۔" راجکماری جلدی سے بولی۔

"دوسرے ملک میں بھی ہو تو کوئی ایسی فکر کی بات نہیں۔ وشواناتھ اسے ڈھونڈ نکالے گا۔ بس آدمی جتنا دور ہوتا جائے گا' خرچ اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔ ہر جگہ' ہر محکمے میں' ہر شہر میں میرا کوئی نہ کوئی مدد کرنے والا نکل ہی آتا ہے۔ میں یہیں بیٹھے بیٹھے ڈوریاں ہلاتا ہوں تو معلومات خودبخود چلی آتی ہیں لیکن ظاہر ہے اس قسم کے کاموں کو رواں رکھنے کے لیے مجھے بھی دوسروں کی کچھ خدمت کرنا پڑتی ہے۔"

"میں زیادہ خوشحال لڑکی نہیں ہوں۔" راجکماری سیدھے سادے انداز میں بولی۔

"میرے رکھ رکھاؤ سے آپ دھوکا نہ کھائیے گا لیکن میں کوشش کروں گی کہ آپ کی فیس ہرحال میں ادا کرتی رہوں خواہ اس کے لیے مجھے تین وقت کی جگہ ایک وقت کھانا پڑے۔ ویسے بھی اس مقصد کے لیے میں پہلے ہی کافی دنوں سے بچت کر رہی ہوں۔"

پھر اس نے کرشن کے متعلق وشوا ناتھ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو اسے معلوم تھا۔ یہ معلومات کچھ اتنی زیادہ نہیں تھیں لیکن وشوا ناتھ حوصلہ افزا انداز میں سرہلاتے ہوئے بولا۔ "کوئی بات نہیں۔ مل جائے گا یہ شخص۔ یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے لیکن اگر تمہارے پاس اس کی تصویر ہو تو بہتر رہے گا۔"

تصویر تو میرے پاس نہیں ہے۔" راجکماری بے چارگی سے بولی۔" بلکہ اگر اس کا سراغ مل جائے تو تصویر آپ مجھے لا کر دیجئے گا تاکہ مجھے یقین ہوجائے کہ آپ صحیح کرشن کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ کرشن تو ایئرفورس میں بہت سے ہوں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ یہ بھی ہو جائے گا۔" وشوا ناتھ نے اطمینان سے سرہلایا۔ اس شخص میں بلا کی خوداعتمادی تھی۔ اس کی موجودگی میں راجکماری کو ایک طرح کا حوصلہ سا محسوس ہو رہا تھا۔ وشوا ناتھ نے اسے پندرہ دن بعد دوبارہ آنے کی ہدایت کی۔ راجکماری نے اس کی فرمائش پر کچھ رقم ایڈوانس ادا کی۔ جو اس کی توقع سے کچھ کم ہی تھی۔

اس عمارت سے نکل کر راجکماری نے فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر چند گہری گہری سانسیں لیں۔ وہ اپنے آپ کو کچھ ہلکی پھلکی محسوس کر رہی تھی۔ یہ کام اتنا دشوار ثابت نہیں ہوا تھا۔ جتنا وہ سمجھ رہی تھی اور اس کے خیال میں یہ لگن کا کمال تھا۔ اس کا یہ

یقین اب اور بھی پختہ ہوگیا تھا کہ اگر کسی کام کے لیے لگن سچی اور شدید ہو تو راستے خودبخود کھلتے چلے جاتے ہیں۔

پندرہ دن بعد دوبارہ اس دفتر میں آئی تو اس کا دل بے تحاشا دھڑک رہا تھا مگر بظاہر وہ بالکل پرسکون تھی۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وشواناتھ نے کرشن کا سراغ لگا لیا ہوگا۔ وشواناتھ کے تاثرات سے بھی کچھ اندازہ لگانا مشکل تھا۔ میز کی دراز سے ایک خاکی لفافہ نکالتے ہوئے وہ بولا۔ "انگریزی پڑھ لیتی ہو؟"

"کافی حد تک۔" راجکماری نے دھڑکتے دل سے جواب دیا۔

"ویسے رپورٹ مختصر ہی ہے۔ آسان انگریزی میں ہے۔ پھر بھی میں نے تمہاری سہولت کے لیے ہندی میں بھی اس کا ترجمہ ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ انگریزی میں رپورٹ ٹائپ کیے بغیر مجھے مزہ نہیں آتا۔ معاملہ کچھ آفیشل سا نہیں لگتا۔" اس نے لفافہ راجکماری کے سامنے رکھ دیا۔

راجکماری نے بمشکل اپنی انگلیوں کی لرزش پر قابو رکھتے ہوئے لفافہ کھولا اور تہہ شدہ اوراق نکالے۔ اوپر کے ورق کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی بلیک اینڈ وائٹ تصویر بھی منسلک تھی جسے دیکھ کر راجکماری کا دل ایک لمحے کے لئے دھڑکنا بھول گیا۔ لگتا تھا کہ وہ تصویر کسی شناختی کارڈ یا فارم وغیرہ سے اکھاڑی گئی تھی۔ وہی جادوگر آنکھیں' وہی ہوش و حواس سے بیگانہ کر دینے والی مسکراہٹ!

"یہی ہے نا تمہارا مطلوبہ کرشن؟" وشواناتھ نے اعتماد سے پوچھا۔

راجکماری میں بولنے کی سکت نہیں تھی۔ وہ محض اثبات میں سرہلا کر رہ گئی اور رپورٹ پر نظر دوڑانے لگی۔ اس میں اختصار کے ساتھ کرشن کے بارے میں تمام ضروری معلومات موجود تھیں۔ مثلاً وہ کون سے اڈے پر تھا' کون سا طیارہ اڑا رہا تھا۔ اس کا موجودہ عہدہ اور کوڈ نمبر کیا تھا۔ حتیٰ کہ اس میں یہ بھی درج تھا کہ ہر تھوڑے دن بعد وہ ایک نئی لڑکی کے ساتھ نظر آتا تھا۔ راجکماری نے رپورٹ کے اس حصے کا مطالعہ بھی نہایت صبر و سکون سے کیا۔

وہ سب کچھ پڑھ چکی تو وشوا ناتھ نے پوچھا۔ "اب اس آدمی کا کیا کرنا ہے؟"
اس کا خیال تھا کہ اس کا کام اب ختم ہوچکا ہے۔ اب جو کچھ بھی کرنا ہوگا راجکماری خود

ہی کرے گی۔

مگر وہ اس کی بقیہ فیس کی ادائیگی کرنے کے بعد بولی۔ ”آپ کو مستقل طور پر اس شخص پر نظر رکھنی ہے۔ یہ شخص جہاں بھی جائے، جو کچھ بھی کر رہا ہو، جس حال میں بھی ہو، مجھے اس کی خبر ملتی رہنی چاہیے۔ جو بھی مناسب فیس ہوگی، میں مستقل ادا کرتی رہوں گی لیکن آپ کے جو بھی ذرائع ہوں، ان ذرائع کی نظر سے یہ شخص اوجھل نہ ہونے پائے۔“

یہ کہہ کر وہ وشوا ناتھ کو حیران چھوڑ کر اس کے دفتر سے نکل آئی۔ واپسی پر وہ اطمینان سے ایک سینما ہاؤس میں فلم دیکھنے بیٹھ گئی۔ اسے اگر کبھی فرصت میسر آہی جاتی تھی تو فلم دیکھنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ فلم کی کہانی یا دیگر دلچسپیوں کی طرف اس کی توجہ قطعاً نہیں ہوتی تھی۔ وہ تو بس ایک نقاد کی سی گہری نظر سے اچھلتی، ناچتی گاتی، شوخ و شنگ اور گلیمرس ہیروئن کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتی تھی۔ اس کے اندر ہی اندر ایک عجیب سی کھچڑی پک رہی تھی۔

ایک روز وہ بوتیک میں ایک دبلی پتلی اور تیز و طرار سی سانولی سلونی لڑکی کو ایک ڈریس پسند کرا رہی تھی اور بغور اس کی صورت بھی دیکھے جا رہی تھی۔ آخر کار وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔ ”مس! آپ کی صورت کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔“

لڑکی نے بغور اس کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے وثوق سے بولی۔ ”مجھے یقین ہے کہ ہم پہلے کبھی نہیں ملے۔ تم نے مجھے فلموں میں دیکھا ہوگا۔“

”کیا آپ فلمی ہیروئن ہیں؟“ راجکماری نے بے پناہ اشتیاق سے پوچھا۔

لڑکی خود استہزائی کے سے انداز میں ہنس دی اور بولی۔ ”اگر میں ہیروئن ہوتی تو اس وقت بوتیک کے سامنے ایک ہجوم لگا ہوتا۔ آئی تو میں بھی ہیروئن ہی بننے کے لیے تھی۔ لیکن میری کامیابی کی انتہا بس یہی ہے کہ کسی کسی فلم میں کوئی دو چار ڈائیلاگ کا چھوٹا موٹا رول مل جاتا ہے۔ وہ بھی نہ جانے کیا کچھ جتن کرکے۔“

”بہرحال آپ ہمیں شوٹنگ تو دکھا سکتی ہیں۔ کبھی دکھائیے نا۔ بہت شوق ہے مجھے شوٹنگ دیکھنے کا۔“ راجکماری بلاتامل بولی۔ پچھلے کچھ عرصے میں اس نے بصد

کوشش اپنے اندر یہ خصوصیت پیدا کی تھی کہ بلا جھجک، بلاتامل اور بلا تمہید اپنا مدعا بیان کر دیتی تھی۔

”کیا کرو گی شوٹنگ دیکھ کر۔“ وہ لڑکی لباس کا جائزہ لیتے ہوئے طویل سانس لے کر بولی۔ ”بہت بور ہو جاؤ گی شوٹنگ دیکھ کر۔ تمہارے ذہن میں جو تصورات ہوں گے شوٹنگ ان سے بہت مختلف ہوتی ہے۔“

”چلیے کوئی بات نہیں۔ شوق تو پورا ہو جائے گا۔“ راجکماری مصر رہی۔

”لڑکیوں کے حق میں یہ شوق کچھ اچھا ثابت نہیں ہوتا۔“ وہ لڑکی گہری نظروں سے اس کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ ”لیکن اگر تم اتنی ہی ضد کر رہی ہو تو یہ رکھ لو۔“ اس نے پرس سے ایک کارڈ نکال کر اسے دیا۔ ”یہ ایکسٹرا لڑکیوں کا گیٹ پاس ہے۔ اسے دکھا کر تم کسی بھی اسٹوڈیو میں جا سکتی ہو۔ جب تمہارا دل چاہے، جتنی شوٹنگز چاہو دیکھ لینا لیکن مجھے یقین ہے دو چار مرتبہ دیکھ کر ہی تمہارا دل بھر جائے گا۔“

”بہت شکریہ۔“ راجکماری نے حقیقی ممنونیت سے کہا اور لڑکی کو اس کے پسندیدہ ڈریس میں پندرہ فیصد رعایت دے دی۔ سیلز گرلز کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنی کسی رشتے دار یا دوست کو ایک دن میں ایک ڈریس پر پندرہ فی صد تک رعایت دے سکتی تھیں۔ راجکماری نے آج پہلی بار اپنا یہ اختیار استعمال کیا تھا۔ اسے وہ لڑکی بہت ہی اچھی لگی تھی جو چند منٹ میں اس کا اتنا بڑا مسئلہ حل کرکے چلی گئی تھی۔

دوسرے دن سے اس نے اوور ٹائم لگانا چھوڑ دیا۔ جلدی چھٹی کرکے وہ اسٹوڈیوز کی طرف نکل جاتی۔ اس نے کئی اسٹوڈیوز کی سیر کی بہت سی شوٹنگز دیکھیں اور آخر کار بی۔ آر۔ اسٹوڈیوز کے ایک فلور پر فلم ”کالا خون“ کی شوٹنگ میں اسے گویا اپنے کسی مقصد کی تکمیل ہوتی نظر آئی۔

اسے پتا چلا تھا کہ اس فلور پر اسی شفٹ میں اسی فلم کی شوٹنگ بیس پچیس دن تک چلتی رہے گی۔ وہ روزانہ ایک مقررہ وقت پر وہاں جاتی اور مہمانوں کی کرسیوں پر سب سے آگے جا بیٹھتی۔ بوتیک پر آنے والی لڑکی نے اسے جو کارڈ دیا تھا اس کو استعمال کرنے کی تو اسے ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔

گیٹ پر، کسی بھی فلور یا کسی بھی سیٹ پر کبھی کسی نے اسے نہیں روکا تھا اور
نہ ہی کچھ پوچھا تھا۔ وہ جس شان اور تمکنت سے کہیں پہنچتی تھی، اس سے ماحول پر
ایک عجیب سی مرعوبیت چھا جاتی تھی۔ نہ جانے کیا سوچ کر، کیا سمجھ کر کوئی نہ کوئی
شخص اس کے لیے کرسی خالی کر دیتا۔

"کالا خون" کے سیٹ پر زیادہ تر کام فلم کے ہیرو رمیش مہتہ پر پکچرائز ہو رہا تھا۔
رمیش مہتہ شہرت کے پہاڑ پر چڑھائی کا سفر مکمل کر چکا تھا۔ اب ڈھلان کی طرف جا رہا
تھا۔ ناکام فلموں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ دروازے پر پروڈیوسروں اور ہدایتکاروں کی
قطار ختم ہو چکی تھی۔ اب اسے خود فون کر کے لوگوں سے اپنے مراسم کی تجدید کرنی
پڑتی تھی۔ وہ اپنے عروج کا دور گزار چکا تھا۔ اب صرف گزرے وقتوں کا خراج وصول
کر رہا تھا۔

لیکن مردہ ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے اور وہ تو ابھی کچھ ایسا مردہ بھی نہیں تھا۔
ینگ ٹو اولڈ مرکزی کرداروں والی کہانیاں اب بھی اس کے لئے نکلتی ہی رہتی تھیں۔
اب بھی وہ ہر وقت مصروف تو رہتا ہی تھا۔ اب بھی بہت سے لوگ اس کی بات مانتے
تھے۔ اس کا مان رکھتے تھے۔

وہ تقریباً" عام سی شکل صورت کا ایک سانولا سا آدمی تھا مگر اس کی شخصیت
میں ایک عجیب سی مقناطیسیت تھی جو عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ دھیرے دھیرے گھٹتی
چلی گئی تھی مگر اس کی جگہ خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔ فلموں میں اپنا ہٹ ہو
جانا اسے خود بھی ایک معجزہ لگتا تھا۔ اس معجزے کا پھل اس نے برسوں کھایا تھا۔ فلم
انڈسٹری میں وہ عروج کے سترہ اٹھارہ برس گزار چکا تھا۔ اس نے چار شادیاں کی تھیں۔
تین فلمی عورتوں سے اور ایک غیر فلمی عورت سے مگر کامیاب ایک بھی نہیں ہوئی
تھی۔ سب طلاق پر ہی منتج ہوئی تھیں۔ ایک فلمی بیوی سے اس کا سولہ سال کا ایک لڑکا
تھا۔ جو ماں اور باپ دونوں ہی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ دونوں ہی سے نہیں ملتا تھا مگر
دونوں ہی اسے خرچا بھیجتے تھے اور وہ لندن میں پڑھ رہا تھا۔

راجکماری شوٹنگ دیکھنے بیٹھتی اور ایک ٹک رمیش مہتہ کی طرف دیکھتی
رہتی۔ رمیش مہتہ برسوں ہر طرح کی نسوانی نظروں کا مرکز رہا تھا۔ یہ اس کے لیے کوئی

نئی بات نہیں تھی مگر نہ جانے کیوں ایک ہی کرسی پر، ایک ہی انداز سے بیٹھی ہوئی،
ایک ہی لڑکی کا مسلسل ایک ہی انداز میں ...... گھنٹوں اس کی طرف دیکھتے رہنا اس کے
اعصاب پر بوجھ بننے لگا۔ اور پھر لڑکی بہت ہی خوبصورت تھی۔ ایک عرصے سے اتنی
خوبصورت اور اتنی کم عمر لڑکی نے اتنی دیر تک ایک ٹک اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

پانچویں دن ایک لائٹ مین نے راجکماری کے قریب سے گزرتے وقت ایک
چھوٹی سی چٹ اسے تھما دی۔ اس پر لکھا تھا۔ "شوٹنگ ختم ہونے کے بعد میرے میک
اپ روم میں مجھ سے ملو۔ آر۔ ایم۔"

راجکماری کے ہونٹوں پر وہی پراسرار اور مبہم مسکراہٹ ابھر آئی جسے کوئی بھی
شخص سو معانی پہنا سکتا تھا اور وہ سب معانی غلط بھی ہو سکتے تھے اور درست بھی۔

شوٹنگ ختم ہونے کے بعد وہ پوچھتی پاچھتی رمیش کے میک اپ روم میں
پہنچی۔ وہ تنہا اس کا منتظر تھا۔ میک اپ مین یا میک اپ گرل بھی کمرے میں نہیں
تھی۔ رمیش نے انسان کی تہ تک اتر جانے والی نظروں سے راجکماری کی طرف دیکھا
اور ہلکے سے مخمور لہجے میں بولا۔ "میں کئی دن سے تمہیں سیٹ پر دیکھ رہا ہوں۔ تم
ایک ٹک صرف میری طرف دیکھتی رہتی ہو۔ کیا چاہتی ہو؟"

"میں تمہیں چاہتی ہوں۔" راجکماری نے بلا تمہید اور بلا جھجک کہا۔ اپنے
تاثرات سے وہ ہر وقت کسی ادھیڑبن میں مصروف اور کھوئی کھوئی نظر آتی تھی لیکن
اس وقت اس کے چہرے پر یک لخت ایسا سکون اور آنکھوں میں ایسی چمک جھلک آئی
تھی جو کسی خاص فیصلے پر پہنچنے کے بعد ہی آتی ہے۔

رمیش نے بھوکی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "یہ مت سمجھنا کہ مجھ سے
دوستی گانٹھ کر تم کوئی مالی فائدہ اٹھا سکو گی۔" اس نے گویا راجکماری کو تنبیہہ کی۔
"مجھے عورتیں مفت ملتی ہیں اور بے حساب ملتی ہیں۔"

"میں بھوکی ننگی نہیں ہوں اور نہ ہی میں کوئی عام عورت ہوں۔" راجکماری
نے نخوت سے جواب دیا۔

وہ رات جب راجکماری نے رمیش کے بنگلے پر گزاری تو وہ بے اختیار چلا اٹھا۔
"واقعی تم عام عورت نہیں ہو۔"

ناشتے کی میز پر اس نے پوچھا۔ "تم رہتی کہاں ہو؟"

"ورکنگ ویمنز ہوسٹل میں۔" راجکماری نے بتایا۔

"خود مختار ہو؟" رمیش نے پوچھا۔

"مکمل خود مختار اور دنیا میں بالکل تنہا۔" راجکماری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ...." رمیش کے منہ میں ایک بار پھر جیسے .... پانی بھر آیا۔ اس نے ایک لمحے کچھ سوچا پھر پرجوش لہجے میں بولا۔ "تم سامان اٹھا کر یہیں آجاؤ۔ میرے ساتھ رہو۔"

راجکماری نے اس پیشکش کو قبول کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کی۔ اس نے نہیں پوچھا کہ اس کی حیثیت کیا ہوگی' اس کا قیام کتنا طویل ہوگا۔ وہ اسی روز ہوسٹل سے سامان اٹھا لائی اور اس کے بنگلے میں منتقل ہوگئی۔

دو ماہ اسی طرح گزر گئے۔ راجکماری ایک وفا شعار بیوی کی طرح رہتی رہی۔ اس نے اپنی نوکری جاری رکھی لیکن بوتیک سے وہ سیدھی گھر آتی۔ نوکروں اور نوکرانیوں سے اپنی نگرانی میں گھر کا ہر کام کراتی۔ ہر طرح سے رمیش کے آرام و آسائش کا خیال رکھتی اور ہر وقت اسے خوش و خرم رکھنے کی کوششوں میں مصروف رہتی اور اس کے عوض کبھی کچھ نہ مانگتی' کوئی فرمائش نہ کرتی۔ رمیش کے گھر میں چمک دمک سی آگئی۔ در و دیوار نکھرے نکھرے سے لگنے لگے۔ رمیش کو گھر کے کھانے اچھے لگنے لگے۔ اسے پورا گھر اچھا لگنے لگا۔ ورنہ اسٹوڈیوز کے بعد بھی اس کا زیادہ تر وقت ہوٹلوں اور کلبوں میں ہی گزرتا تھا۔ گھر تو وہ گویا مجبوراً" ہی آیا کرتا تھا مگر اب فارغ ہوتے ہی سیدھا گھر کی طرف دوڑتا تھا۔

ایک روز وشواناتھ نے فون کرکے راجکماری کو بلایا اور کرشن کے بارے میں ایک اور رپورٹ اس کے حوالے کی۔ اس کا بیس اب بھی کلکتہ ہی تھا لیکن مشقوں کے سلسلے میں اسے کئی مقامات کی طرف پرواز کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔

گزشتہ دنوں میں اسے ایک حادثہ بھی پیش آیا تھا۔ ایک زیر تربیت پائلٹ کو تربیت دیتے وقت نو آموز پائلٹ کی غلطی کی وجہ سے طیارہ بحیرہ عرب میں جا گرا تھا۔

زیر تربیت پائلٹ مرگیا تھا لیکن کرشن کے خراش تک نہیں آئی اور اسے بچا لیا گیا۔ ایئرفورس میں اسے پہلے ہی بہت خوش قسمت آفیسر تصور کیا جاتا تھا۔ اس قسم کے واقعات سے اس تاثر کی تصدیق ہوتی تھی۔

رپورٹ کا دوسرا حصہ اس کی نجی زندگی کے بارے میں تھا۔ اسے ایک بہت اچھا اور نہایت باصلاحیت فائٹر پائلٹ سمجھا جاتا تھا مگر ڈسپلن کے معاملے میں وہ آفیسرز کی نظر میں کبھی پسندیدہ نہیں رہا تھا۔ اس کی ترقی اسی لیے رکی ہوئی تھی۔ اکثر اسے کوئی نہ کوئی سزا ملتی رہتی تھی۔ سرزنش تو آئے دن ہوتی ہی رہتی تھی۔

اس کی فطرت میں ایک عجیب لاابالی پن تھا۔ جو عام طور پر فوجی زندگی اختیار کرنے والوں میں نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تو یوں لگتا جیسے کچھ حرکتیں وہ محض آفیسروں کو خار دلانے کے لیے کرتا تھا۔ اس کے ذہن میں کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی کجی تھی۔ مثلاً وہ کوئی ایسا عادی شرابی نہیں تھا مگر اکثر میٹنگز میں اور خصوصاً" آفیسرز کے سامنے ضرور شراب پی کر جاتا تھا۔

عورتوں کے معاملے میں وہ اتنا بدنام تھا کہ اسے فورسز کی مخلوط پارٹیوں میں بلانا ترک کر دیا گیا تھا۔ ایک اسکواڈرن لیڈر کی جس لڑکی پر ڈورے ڈال کر اس نے منگنی کرلی تھی' وہ بھی اس سے بدظن ہوکر منگنی توڑ چکی تھی۔ وہ شادی سے پہلے ہی اس کی غیرذمہ دارانہ حرکتیں دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

وشوا ناتھ بلاشبہ بڑی محنت سے کرشن کے بارے میں معلومات جمع کروا رہا تھا۔ دور بیٹھا ہوا وہ ہرجائی کھلی کتاب کی طرح راجکماری کے سامنے آتا جا رہا تھا اور اسے خبر تک نہیں تھی۔

وشوا ناتھ کو ایک بار پھر حیرت کا سامنا تھا کہ یہ رپورٹ پڑھ کر بھی راجکماری کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔ وہ بالکل اندازہ نہیں کرسکا تھا کہ یہ عورت درحقیقت کیا چاہتی تھی۔ واقعی سمندر کی طرح گہری تھی اور وشواناتھ جیسا گرگ باراں دیدہ بھی نہیں دیکھ پا رہا تھا کہ اس سمندر کی تہہ میں کیا تھا۔

"کیا میں یہ سلسلہ جاری رکھوں؟" وشواناتھ نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔

"یقیناً۔" راجکماری نے غیر متزلزل لہجے میں جواب دیا۔ وہ رپورٹ پرس میں

رکھ کر اور اس کے بل کی ادائیگی کر کے رخصت ہوگئی۔

راجکماری نے مزید دو ہفتے رمیش مہتہ کے ساتھ گزارنے کے بعد ایک روز نہایت دھیمے لہجے میں اس سے کہا۔ "رمیش! میں اداکارہ بننا چاہتی ہوں۔"

"یہ عامیانہ سی بات مت کرو۔" رمیش کے چہرے پر بدمزگی جھلک آئی۔ "اداکاری کی شوقین عورتوں اور ہیروئنوں سے میں اکتایا ہوا ہوں۔ جب کوئی عورت والہانہ انداز میں میرے قریب آتی ہے اور بعد میں مجھے بتاتی ہے کہ وہ اداکارہ بننا چاہتی ہے تو مجھے ابکائی آنے لگتی ہے۔ تمہارے ساتھ میرا اتنا گہرا تعلق اس لیے استوار ہوا ہے کہ تم مجھے ایسی عورتوں سے بہت مختلف لگی تھیں۔"

راجکماری خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اسے اس جواب سے مایوسی ہوئی ہے یا نہیں۔ "اور اگر ہوئی ہے تو کس حد تک؟"

چند دن بعد رمیش مہتہ نے اپنے بنگلے کو از سرنو آراستہ کیا اور ایک زبردست پارٹی کا اہتمام کیا۔ فلمی دنیا کی خاص خاص شخصیات مدعو تھیں۔ وہ شخصیات جنہیں قریب سے دیکھنے کے خواب کبھی راجکماری دیکھا کرتی تھی۔ وہ ایک ہنگامہ خیز پارٹی تھی۔

اس پارٹی کے دوران رمیش مہتہ نے اچانک اعلان کر دیا کہ وہ راجکماری سے شادی کرنے والا ہے۔ اپنے اس ارادے سے اس نے راجکماری کو بھی آگاہ نہیں کیا تھا۔ تمام مہمانوں نے جوش و خروش سے تالیاں بجائیں اور ان کی پر اشتیاق نظریں راجکماری کے سراپا پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

راجکماری نہایت متانت سے صرف مسکرا دی۔ اس نے غیر معمولی خوشی یا جوش و خروش کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کی جگہ اس کی حیثیت کی کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید مسرت سے دیوانہ وار ناچ اٹھتی۔

پارٹی میں رقص کا دور شروع ہوا تو راجکماری کو پکی عمر کے، دبلے پتلے، سانولے اور کم رو سے ایک شخص کے ساتھ رقص کا اتفاق ہوا۔ اس کے ساتھ رسمی تعارف سے پہلے ہی راجکماری جانتی تھی کہ وہ مشہور فلم ڈائریکٹر روی پالیکر تھا۔ اس کا نام کسی بھی فلم کے لیے کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ وہ تھیٹر سے فلم کی دنیا میں آیا تھا اور

فلم تھیٹر کی لائن کے استادوں میں شمار ہوتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ 'پہلوئے حور میں لنگور' کی عملی تفسیر نظر آتا تھا۔ وہ خواہ کتنا ہی کم رو تھا لیکن اب اس کا نام بھی ایسا تھا اور کام بھی کہ دو چار خوش شکل عورتیں ہمیشہ ہی اس کے گرد منڈلاتی نظر آتی تھیں۔

رقص کے دوران روی استہزائیہ سے لہجے میں بولا۔ "اچھے گھوڑے پر کاٹھی ڈالی ہے تم نے۔ گھوڑا تھوڑا سا بڈھا ضرور ہے لیکن مارکیٹ ویلیو اب بھی لاکھوں کی ہے۔"

"کیا مطلب؟" راجکماری کی خوبصورت پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"میرا مطلب ہے رمیش مہتہ کے پاس دولت، عزت اور شہرت سبھی کچھ ہے اور اس عمر میں آکر بڑے بڑے اڑیل فلمی ہیرو تم جیسی نوجوان بیویوں کو بڑے چاؤ سے رکھنے لگ جاتے ہیں۔ ہر طرح کے چونچلے اٹھاتے ہیں۔ بہت خاموشی سے تم نے اپنا کام دکھایا ہے۔ پریس والوں تک کو ہوا نہیں لگنے دی۔"

"مجھے رمیش کی دولت، شہرت اور عزت سے کوئی دلچسپی نہیں۔" راجکماری خشک لہجے میں بولی۔ "یہ میری منزل نہیں ہے۔ میں نے رمیش پر ڈورے نہیں ڈالے تھے۔ وہ خود ہی میری طرف متوجہ ہوا تھا۔"

"تو پھر تمہاری منزل کیا ہے؟" روی نے پہلے سے زیادہ استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ میں تمہیں کل رات تمہارے گھر آکر بتاؤں گی۔ کل رمیش کی رات کی شوٹنگ ہے۔ کل رات وہ گھر پر نہیں ہوگا۔" راجکماری نے جواب دیا۔

"میرا ایڈریس ...." روی جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالنے لگا۔

"ایڈریس مجھے معلوم ہے...." راجکماری نے اسے روک دیا اور رقص کا راؤنڈ ختم ہونے پر مہمانوں کی بھیڑ میں شامل ہوگئی۔ روی پالیکر اب اپنے ذہن میں ایک عجیب سی خلش محسوس کر رہا تھا۔ اس عورت میں یقیناً کوئی ایسی بات تھی جو اسے دوسری عورتوں سے مختلف بنائے ہوئے تھی۔ شاید اس کے وجود میں کوئی شعلہ فروزاں تھا۔

دوسری رات روی نہ چاہتے ہوئے بھی گھر پر راجکماری کا انتظار کر رہا تھا۔ اور جب وہ آئی تو روی کو ایک انوکھی سے مسرت کا احساس ہوا۔ وہ نوجوانی کے دور کی بھولی بسری سی ملاقاتوں کی مسرت تھی لیکن راجکماری نے جب اپنی کشمیری شال اتار کر کرسی پر پھینکتے ہوئے اسے بتایا کہ وہ اس سے اداکاری کا فن سیکھنا چاہتی ہے' تو اس کی مسرت یک لخت دم توڑ گئی۔ یکدم ہی اس کے رویے میں چڑچڑاہٹ سی آ گئی۔

"تم نے یہ بتا کہ مجھے مایوس کیا ہے۔" وہ ناگواری سے بولا۔ "میں سمجھا تھا کہ تم کوئی انوکھی بات کرو گی اور میں سوچ رہا تھا نہ جانے وہ کون سی منزل ہے جس کا تم خواب دیکھ رہی ہو لیکن تمہاری منزل تو وہی ہے جو بمبئی کی آدھی لڑکیوں کی ہے۔ جسے تلاش کرتے کرتے وہ نہ جانے کون سے اندھیروں میں کھو جاتی ہیں۔"

"لیکن تم مجھے اداکاری سکھاؤ گے۔" راجکماری نے گویا اس کی بات پر دھیان دیے بغیر تحکمانہ لہجے میں کہا" اس کے عوض میں تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ میرے لیے کوئی نئی پیشکش یا بہت بڑا لالچ نہیں ہے۔" روی بے رحمی سے بولا۔ اور یہ حقیقت تھی۔ اس کی زندگی میں ایسی سینکڑوں عورتیں آئی تھیں جو ہیروئن بننے' فلم میں اپنے چھوٹے کردار کو بڑا کروانے یا محض کسی اسٹیج ڈرامے میں معمولی سا کردار ادا کرنے کے لیے بھی اپنی راتیں اس کی خوابگاہ کی دہلیز پر چھوڑ گئی تھیں۔

"میں اداکاری سکھانے والا کوئی ٹیچر نہیں ہوں۔" وہ تقریباً" چلا اٹھا۔ "وہ زمانہ کب کا گزر گیا جب میں اس طرح کے کاموں میں سر کھپایا کرتا تھا۔ اب میں شوقیہ فنکاروں کو نہیں' سپر اسٹارز کو ساتھ لے کر کام کرتا ہوں۔ تمہیں اداکاری سیکھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو پونا میں انسٹی ٹیوٹ کھلا ہوا ہے۔ وہاں جا کر داخلہ لے لو۔"

"نہیں۔ مجھے پونا جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا انسٹی ٹیوٹ تو میرے سامنے ہی موجود ہے۔ مجھے اداکاری تم ہی سکھاؤ گے۔" راجکماری نے سرگوشی میں مگر فیصلہ کن انداز میں کہا اور روی کے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں۔

اس لمحے روی نے سوچا کہ نذرانہ پیشگی وصول کر لینے میں کیا حرج ہے۔ بعد میں وہ اس حسین گڑیا کو دھتکار دے گا کہ اس میں اداکارہ بننے کی صلاحیت بالکل نہیں

ہے۔ وہ اسے لیے بیڈروم کی طرف چل دیا۔

دوسری صبح تک روی کی اندرونی کیفیت یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو راجکماری کا زر خرید غلام محسوس کر رہا تھا۔ راجکماری جیسی عورت اس کی زندگی میں آج تک نہیں آئی تھی۔ وہ بے بس ہو چکا تھا۔ بالآخر اس نے راجکماری کو اداکاری سکھانے کا وعدہ کر لیا لیکن ارادہ اس کا اب بھی یہی تھا کہ اس بہانے وہ راجکماری کو صرف بہلائے رکھے گا اور جب اس سے دل بھر جائے گا تو اسے کوئی کام دیے بغیر اپنی زندگی سے نکال دے گا۔

راجکماری جب رمیش کے بنگلے پر واپس پہنچی تو وہ خلاف توقع جلدی شوٹنگ سے واپس آ چکا تھا اور غصے میں بھرا بیٹھا تھا۔ اسے اپنے وفادار ملازموں سے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ رات بھر غائب رہی تھی۔

"رات بھر کہاں غائب رہیں تم؟" وہ اسے دیکھتے ہی دہاڑا۔

راجکماری نے گویا جواب دینے کی بھی ضرورت نہ سمجھی اور دوسرے کمرے میں جا کر اپنا سامان پیک کرنے لگی۔ رمیش اس کے پیچھے پیچھے آیا اور برہمی سے بولا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟"

"میں مزید تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے جا رہی ہوں۔" راجکماری نے نہایت سکون اور سادگی سے کہا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔" رمیش کے چہرے پر جیسے زلزلہ سا آ گیا۔ "میں بیسیوں بڑے لوگوں کے سامنے تم سے شادی کا اعلان کر چکا ہوں۔ آج کل میں اخباروں رسالوں میں سرخیاں لگنے والی ہوں گی۔"

"اعلانات کا کیا ہے۔ اداکار اعلانات تو کرتے ہی رہتے ہیں۔" راجکماری کے سکون میں کوئی فرق نہ آیا۔" ان کے بارے میں اخباروں رسالوں میں سرخیاں بھی لگتی ہی رہتی ہیں اور وہ ان کی تردید بھی کرتے ہی رہتے ہیں۔ ایک زوال پذیر ایکٹر کی پتنی بن کر باقی زندگی اس کی سیوا میں گزارنا میرا خواب نہیں ہے۔" اور وہ رمیش کو ہکا بکا چھوڑ کر بنگلے سے نکل آئی۔

وہ واپس ورکنگ ویمنز ہوسٹل میں چلی گئی جہاں اس نے کمرا ابھی تک چھوڑا

نہیں تھا اور باقاعدگی سے اپنے حصے کا کرایہ ادا کر رہی تھی۔

یہ کمرا اب محض اس کی آڑے وقت کی پناہ گاہ تھا۔ اس کا زیادہ وقت تو روی پالیکر کے ساتھ اس کے گھر پر یا اسٹوڈیوز میں گزرتا تھا۔ لوگ اب اسے جاننے پہچاننے لگے تھے۔ رمیش کی طرح راجکماری نے روی کو بھی سکھ، آسائش اور تسکین و آرام بہم پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

روی اسے اداکاری کے سلسلے میں برائے نام تربیت دیتا۔ کبھی کبھار اسکرپٹ پڑھنے میں ساتھ بٹھا لیتا اور مکالموں کی ادائیگی کا طریقہ سمجھا دیتا۔ وائس کنٹرول کے بارے میں کچھ بتا دیتا۔ اس نے ایک مدت تک تھیٹر کی مار کھائی ہوئی تھی۔ اسے بہت سے شارٹ کٹ، بہت سی گر کی باتیں معلوم تھیں جو دوسرے ڈائریکٹرز کو معلوم نہیں تھیں مگر اس کی پوری کوشش تھی کہ راجکماری اس سے کچھ سیکھنے، کچھ بننے نہ پائے۔

ایک بار اس نے محض جان چھڑانے کے لیے اسے ایک فلم میں رول دینے کا وعدہ کیا اور حکم دیا کہ وہ صرف تین دن میں سارے مکالمے یاد کرکے آجائے۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ فلم میں تو کام بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ہوتا تھا۔

کردار طویل تھا۔ روی کو یقین تھا کہ راجکماری تین دن تو کیا، تین ہفتوں میں بھی سارے مکالمے یاد نہیں کر سکتی لیکن راجکماری جب دو دن میں ہی مکالمے ازبر کرکے آگئی تو روی الجھن میں پڑ گیا۔ تاہم وہ ایک بالکل نئی لڑکی کو کاسٹ کرنے کا خطرہ مول لینے کے لیے اب بھی تیار نہیں تھا۔ وہ اپنے نام اور شہرت کو داؤ پر لگانا نہیں چاہتا تھا چنانچہ پہلے ہی کی طرح ٹال مٹول کرتا رہا۔

ایک روز وہ گھر آیا تو خلاف معمول راجکماری وہاں موجود نہیں تھی۔ نوکرانی نے بتایا کہ آج وہ دن بھر آئی ہی نہیں تھی۔ روی نے اپنے شاندار اپارٹمنٹ کی ایک چابی بھی اسے دے رکھی تھی کہ اگر اتفاقاً" کبھی اسے اپارٹمنٹ بند بھی ملے تو کوئی دشواری نہ ہو۔

دوسرا، تیسرا حتیٰ کہ چوتھا دن بھی گزر گیا ہے اور راجکماری کی صورت تک دکھائی نہ دی۔ روی نے اس کے ہوسٹل فون کیا تو پتا چلا کہ وہ گھر گئی ہوئی ہے۔ روی

کو یوں لگا جیسے ہوسٹل کی وارڈن راجکماری ہی کی ہدایت پر اسے غچا دے رہی تھی، ٹرخا رہی تھی۔ کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ راجکماری کا کسی گاؤں یا دوسرے شہر میں ایسا کوئی گھر نہیں تھا جہاں وہ جا سکتی۔ بحث کرنا روی کو اپنی شخصیت اور وقار کے منافی محسوس ہوا۔ اس نے خاموشی سے ریسیور رکھ دیا۔

تین دن اور گزر گئے تو اپنے اندر کے انسان کے تقاضوں سے مجبور ہو کر وہ خود راجکماری کے ہوسٹل پہنچا مگر چوکیدار نے اسے اندر نہیں جانے دیا اور گیٹ پر ہی بتا دیا کہ راجکماری کے کمرے میں وہ خود یا اس کی روم میٹ، کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ وہ بے مراد واپس آگیا۔

اس کی حالت دیوانوں کی سی ہوگئی۔ اس نے لاکھ اپنے معمولات پر قائم رہنا چاہا، اپنے آپ کو سمجھانا چاہا مگر کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ دل کی عدالت میں کوئی دلیل نہ چلی۔ اس نے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ خلوت میں ہر عورت ایک جیسی ہوتی ہے مگر کوئی بھی اسے راجکماری کا نعم البدل نہ لگی۔

یہ محسوس کرکے اسے خود پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس کی زندگی میں ایک ایسی عورت بھی آگئی تھی جس کے بغیر وہ رہ نہیں سکتا تھا۔ ذہنی انتشار کا اس کے کام پر بہت برا اثر پڑا۔ سپراسٹارز سے اس کی لڑائیاں ہونے لگیں، شوٹنگز لیٹ ہونے لگیں۔ اس کی بدمزاجی اور چڑچڑے پن سے اس کے پرڈیوسر اور فنانسر گھبرانے لگے۔ ہر وقت وہ شراب کے نشے میں چور رہتا اور راتوں کو بھی کسی گمنام اور معمولی شرابی کی طرح گلیوں میں بھٹکتا پھرتا۔ اسے خود بھی احساس تھا کہ وہ بڑی تیزی سے تباہی کے دہانے کی طرف بڑھ رہا ہے مگر اس کے اپنے اختیار میں گویا کچھ بھی نہ رہا تھا۔

پھر ایک روز وہ رات بھر کی آوارہ گردی کے بعد علی الصباح اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر اسے یقین نہ آیا کہ راجکماری بیڈ پر بیٹھی ایک کتاب پڑھ رہی تھی۔ روی کی طرف دیکھ کر وہ یوں مسکرائی جیسے سب کچھ معمول کے عین مطابق تھا۔

"تم کہاں چلی گئی تھیں؟" روی نے وحشت زدہ اور گلوگیری آواز میں پوچھا۔

"کبھی کبھی ناکامیوں کا دکھ بھلانے کے لیے انسان کا کہیں بھی چلے جانے کو جی چاہتا ہے۔ میں بھی چلی گئی تھی۔ تھکن بھلا کر، تازہ دم ہو کر واپس آگئی ہوں۔"

راجکماری نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

روی چند لمحے ساکت کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے اعصاب پر لرزہ سا طاری تھا۔ بہ مشکل تمام اس کے حلق سے آواز نکلی۔ ”میں کل تمہیں اسکرپٹ دے رہا تھا۔ تم میری آئندہ فلم کی ہیروئن ہوگی۔ خواہ یہ فلم مجھے خود فنانس کرنی پڑے۔“

یوں دیکھتے ہی دیکھتے راجکماری اسٹار بن گئی۔ راتوں رات وہ گمنامی کے اندھیروں سے نکل کر شہرتوں کی چکاچوند میں آگئی۔ اس کی پہلی فلم نے ہی تہلکہ مچا دیا۔ ہر صوبے' ہر شہر میں اس نے کم از کم گولڈن جوبلی ضرور منائی خواہ وہاں کی زبان کچھ بھی تھی۔

فلمی دنیا کے دستور کے مطابق' اس کی پہلی فلم کیا ہٹ ہوئی کہ راتوں رات اس کے دروازے پر فلمسازوں کی قطار لگ گئی۔ ابھی اس کی پہلی فلم ہندوستان میں ایک سینما سے دوسرے سینما میں سفر کر ہی رہی تھی کہ چند دوسری فلمیں بھی مکمل ہوکر ریلیز ہوگئیں۔ ان میں بھی کامیاب فلموں کا تناسب زیادہ رہا۔ اس کے مداحوں اور پرستاروں کا حلقہ فٹ پاتھ نشینوں سے لے کر بڑے بڑے صنعت کاروں تک پھیل چکا تھا۔

وہ جب بھی کسی اخبار یا رسالے کو انٹرویو دیتی یا اس کی کوئی فلم ریلیز ہوتی تو وہ یہی سوچا کرتی کہ شاید کبھی کہیں بیٹھے بیٹھے کرشن وہ اخبار یا رسالہ اٹھا کر دیکھے گا' اچانک راجکماری کی تصویر پر اس کی نظر پڑے گی اور جب وہ پڑھے گا کہ وہ صف اول کی ہیروئن بن چکی ہے تو کیا سوچے گا؟ یا شاید وہ کبھی وقت گزاری کی خاطر کسی سینما ہال میں داخل ہوگا اور اسکرین پر اسے ایک ہیروئن کے روپ میں دیکھے گا تو کیا محسوس کرے گا؟ ان سوالوں کا کوئی یقینی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

اس ایک سال میں بھی وہ وشواناتھ سے کرشن کے بارے میں رپورٹیں حاصل کرنا نہیں بھولی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ پہلے وہ خود اس کے آفس جاتی تھی' اب اسے فون کر دیتی تھی اور وہ خود اس کے گھر آجاتا تھا۔ وہ اب باندرہ کے علاقے میں ایک شاندار' آراستہ و پیراستہ اپارٹمنٹ میں رہ رہی تھی۔

اس عرصے میں سکھوں کا مسئلہ بھی کچھ اور سنگین ہوگیا تھا۔ پنجاب میں تو خونریز

کشمکش جاری ہی تھی لیکن دوسرے کئی مقامات پر بھی خالصہ تحریک منظم انداز میں کارروائیاں کر رہی تھی۔ حتیٰ کہ بمبئی جیسے شہر میں بھی انہوں نے گوریلوں والے انداز میں مار دھاڑ شروع کر دی تھی۔ یہاں ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی اس لیے تحریک کو زیر زمین رہ کر چلایا جا رہا تھا۔

پولیس کو معلوم تھا کہ یہاں سکھوں کی طاقت زیادہ نہیں ہے اس کے باوجود مقامی طور پر وہ تحریک کی جڑیں تلاش کرنے اور اس کے کرتا دھرتا کو پکڑنے میں ناکام رہی تھی۔ اب بظاہر پکڑ دھکڑ پولیس ہی کرتی تھی لیکن اصل تفتیش آرمی سیکرٹ سروس نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔

آرمی سیکرٹ سروس نے یہ تو معلوم کر لیا تھا کہ یہاں جو شخص تحریک کو منظم کر رہا تھا وہ مہان سنگھ کا فرضی نام اختیار کیے ہوئے تھا۔ اس شخص کا اصل نام یا حلیہ کیا تھا اور وہ کہاں سے گوریلا کارروائیوں کو کنٹرول کرتا تھا' اس سلسلے میں آرمی سیکرٹ سروس بھی کچھ معلوم کرنے سے قاصر رہی تھی۔ تحریک کے کئی سرگرم لڑکے سیکرٹ سروس کے ہتھے چڑھے مگر وہ یا تو عزم کے اتنے پکے تھے یا حقیقتاً“ مہان سنگھ کے بارے میں لاعلم تھے کہ اذیتیں برداشت کرتے مرگئے لیکن اے ایس ایس ان سے کچھ معلوم نہ کر سکی۔ مہان سنگھ کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ اور اے ایس ایس نے اسے اب اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔

اکثر محفلوں میں رنگین موضوعات کے ساتھ ساتھ لوگ راجکماری سے ملکی حالات پر بھی تبادلہ خیال کرنے کی کوشش کرتے۔ روی نے بھی کئی مرتبہ سکھوں کا موضوع چھیڑا مگر راجکماری ہمیشہ بات ٹال گئی۔ وہ خالص ہندنی تھی۔ برہمن تھی مگر ایسا لگتا تھا کہ اسے نہ تو ہندوؤں کی بالادستی سے کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی سکھوں سے کوئی خوف یا نفرت۔

وہ اب بھی اپنی ہی کسی انجانی دنیا میں مگن رہتی تھی۔ خود روی بھی نہیں سمجھ سکا تھا کہ آخر وہ کس قسم کی عورت تھی اور اس کی زندگی کا نصب العین کیا تھا؟ حالانکہ روی کو عورتوں کی نفسیات سمجھنے کا بڑا دعویٰ تھا مگر راجکماری کی ذات کی گتھیاں کھولنے میں وہ ناکام ہوچکا تھا۔ اس سے زیادہ الجھنے کا خطرہ وہ اس لیے مول نہیں لیتا تھا کہ

راجکماری اب اس کی محتاج نہیں رہی تھی۔ وہ الگ رہائش تو اختیار کر ہی چکی تھی، کسی وقت اس سے ترک تعلق بھی کر سکتی تھی۔ بلکہ روی کو حیرت تھی کہ اس نے اب تک ایسا کیوں نہیں کیا تھا؟ وہ اب جس مقام پر تھی وہاں اب اسے روی کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

ایک روز اسٹوڈیو میں راجکماری اپنی آخری شوٹنگ ختم کرکے اپنے ڈریسنگ روم میں آئی تو میز پر اسے بڑے بڑے اور گہرے سرخ گلابوں کا ایک نہایت خوبصورت گلدستہ رکھا ملا۔ خزاں کا موسم تھا اور بمبئی میں بہت دنوں سے گلاب عنقا تھا۔ یقیناً یہ پھول کہیں سے خصوصی جتن کرکے حاصل کیے گئے تھے۔

میک اپ گرل نے بتایا۔ "ابھی ابھی ایک آدمی یہ گلدستہ دے کر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ یہ اس کے صاحب نے بھیجا ہے۔"

راجکماری نے گلدستے سے منسلک کارڈ دیکھا۔ اس پر لکھا تھا۔

ہندوستان کی حسین ترین اداکارہ راجکماری کے لیے۔ کیا تم آج رات کا کھانا "تاج" میں میرے ساتھ کھانا پسند کروگی؟

کرنل شیکھر کپور

میک اپ گرل ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میڈم! وہ شخص اندر والے گیٹ کے قریب فوجی گاڑی میں بیٹھا ہے۔ وہ انتظار کر رہا ہے..... کہہ رہا تھا کہ اس کے صاحب نے جواب منگوایا ہے....."

"یہ گلدستہ اسے واپس دے آؤ۔" راجکماری نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور جواب اسے یہ دینا کہ راجکماری رات کا کھانا کھاتی ہی نہیں۔"

"لیکن میڈم! دعوت دینے والا فوجی ہے۔" میک اپ گرل نے آہستگی سے کہا۔

"فوجی ہے تو کیا ہوا؟" راجکماری نے سرد نگاہوں سے اسے گھورا۔ "کوئی بھگوان تو نہیں ہے۔"

میک اپ گرل گلدستہ اٹھا کر جلدی سے باہر کو کھسک گئی۔ تاہم وہ نام راجکماری کے ذہن سے چپک کر رہ گیا۔ کرنل شیکھر کپور! بہت سے لوگ اسے طرح طرح کے تحائف بھجواتے تھے لیکن ایک فوجی کی طرف سے اسے کبھی کوئی تحفہ یا دعوت نہیں

ملی تھی اور تحفہ بھی پھولوں کا!

اگلے سال کے اختتام تک راجکماری فلم انڈسٹری پر چھا چکی تھی۔ اس کے سامنے سپر اسٹارز ماند پڑنے لگی تھیں۔ ہر طرف اسی کے چرچے تھے۔

دسمبر میں چیمبر آف کامرس نے ایک ٹی بی اسپتال کے لیے بہت بڑے امدادی ورائٹی شو کا اہتمام کیا۔ راجکماری کو بھی بصد عزت و احترام اس میں مدعو کیا۔ مدعو کرنے والے ملک کے چوٹی کے صنعتکار تھے۔ راجکماری نے بڑی خوشی سے دعوت قبول کرلی۔ ورائٹی شو سے پہلے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر تھا جس میں صرف خاص خاص لوگ مدعو تھے۔ اس ڈنر کے دعوت نامے بھی ہزاروں اور لاکھوں روپے کے عطیات کے بدلے میں جاری کیے گئے تھے۔

اس ڈنر کے تمام مراحل کے دوران راجکماری نے محسوس کیا کہ ایک ادھیڑ عمر مگر نہایت باوقار شخص کی عقابی نگاہیں اس کا تعاقب کرتی رہی ہیں۔ نہایت نفیس قسم کے نیلے سوٹ میں وہ ایک دراز قد آدمی تھا۔ جس کی شخصیت میں بیک وقت کرختگی اور ملائمت، نرمی اور مضبوطی، شائستگی اور سفاکی کا ایک عجیب امتزاج جھلکتا تھا۔ تقریب کے دوران بلاتوقف راجکماری کو گہری گہری نظروں سے دیکھنے کے باوجود اس شخص نے قریب آنے اور متعارف ہونے کی کوشش نہیں کی۔ بالآخر راجکماری اپنے تجسس پر قابو نہیں رکھ سکی۔

"یہ شخص کون ہے؟" اس نے ایک فلم پروڈیوسر سے پوچھا جسے سیٹھوں نے ورائٹی شو کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا ہوا تھا۔

پروڈیوسر نے قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور دبی دبی آواز میں بولا۔ "حیرت ہے! تم اسے نہیں جانتیں؟ میں تو سمجھتا تھا کہ یہ تمہارے دوستوں میں سے ہے۔"

"کیوں بھلا۔ تم ایسا کیوں سمجھے تھے؟" راجکماری نے پوچھا۔

"پچھلے دنوں تمہاری ایک فلم سنسر میں پھنس گئی تھی۔ سنسر بورڈ کو تمہارے ایک ڈانس پر سخت اعتراض تھا اور وہ اسے پورے کا پورا کاٹنا چاہتے تھے۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ یہ شخص بھی سنسر شو کے دوران بورڈ کے کسی ممبر سے ملنے آیا ہوا تھا۔

اس نے تمہاری سفارش کی تھی۔ آدمی اثر و رسوخ والا ہے۔ اس کے کہنے پر تمہارا ڈانس جوں کا توں جانے دیا گیا تھا۔ اگر وہ ڈانس کٹ جاتا تو فلم آدھی ٹھنڈی ہو جاتی۔"

"آدمی کون ہے' یہ تم نے ابھی تک نہیں بتایا۔" راجکماری بولی۔

"یہ کرنل ٹیکمر کپور ہے۔" پروڈیوسر نے بتایا۔

راجکماری ایک لمحے کے لیے خاموش رہ گئی۔ اسے وہ گلدستہ اور کارڈ یاد آگیا جو اسے اس کے ڈریسنگ روم میں ملا تھا۔ وہ سنبھل کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "ہندوستانی فوج اب بہت ترقی کر گئی ہے۔ کرنلوں کی دوستیاں بھی اب بڑے بڑے لوگوں سے ہونے لگی ہیں۔ ان کا اتنا اثر و رسوخ ہوگیا ہے۔ وہ اتنی مہنگی مہنگی سول تقریبات میں شرکت کرنے لگے ہیں؟"

"فوجی نوکری تو ایک طرح سے اس کا مشغلہ ہے۔" پروڈیوسر بولا "دراصل ٹیکمر کپور خاندانی جاگیردار ہے۔ زرعی اصلاحات سے بھی ان لوگوں کی زمینداریوں میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ یہ ان خاندانوں کا نمائندہ ہے۔ جنہیں انگریزوں نے اپنے دور میں زمینوں سے نوازا تھا اور اسی زمانے سے ان لوگوں میں فوج میں نوکری کا رواج چلا آرہا ہے۔ یہ لوگ بس .ذرا وردی کے شوق میں فوج میں جاتے ہیں۔ بہرحال وہاں بھی ان کا خاص مقام ہوتا ہے اور سول زندگی میں بھی۔ اب تو تم سمجھ گئی ہوگی کہ یہ محض ایک کرنل ہوکر اس قسم کی تقریبات میں کیوں نظر آرہا ہے۔"

"ہاں' میں سمجھ گئی۔" راجکماری نے اثبات میں سرہلایا۔ اس کی پشت کرنل ٹیکمر کپور کی طرف تھی اور وہ اس سے کافی دور ایک کونے میں دبکی کھڑی تھی مگر وہ اپنی پشت پر اس کی نظروں کی چبھن محسوس کر رہی تھی۔ اسی دوران کچھ اور مہمانوں نے راجکماری کو گھیر لیا اور موضوع گفتگو تبدیل ہوگیا۔ راجکماری نے کرنل ٹیکمر کی طرف مزید توجہ نہیں دی۔

چند دن بعد ایک بار پھر میک اپ روم میں اسے ویسا ہی بڑا سا خوبصورت گلدستہ ملا جیسا وہ ایک بار واپس کرچکی تھی۔ اس کے ساتھ منسلک کارڈ پر تحریر تھا۔

کیوں نہ چند لمحوں کے لیے ہم اپنی اپنی ذات کی بلندیوں سے اتر کر اور عام سے انسان بن کر کہیں مل بیٹھیں۔ کیا میں تم سے ملاقات کے لیے آسکتا ہوں؟ کرنل ٹیکمر

کپور۔

راجکماری نے کارڈ پھاڑ کر گلدستے کے ساتھ ہی ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

آنے والے دنوں میں بھی دو تین تقریبات میں راجکماری نے کرنل ٹیکمر کو دیکھا۔ وہ اب بھی دور دور سے ہی اسے گہری نظروں سے تکتا۔ اس نے کبھی قریب آکر نہیں پوچھا کہ وہ اس کی دعوت کیوں قبول نہیں کرتی؟ اس کا رویہ کچھ ایسا ہوتا جیسے راجکماری کو دو مرتبہ گلدستہ بھیجنے والا وہ نہیں' کوئی اور شخص تھا۔

وہ جنوری کا ایک بھیگا بھیگا سا دن تھا۔ وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی۔ راجکماری اور روی پالیکر ایک نوجوان مصورہ کی پینٹنگز کی نمائش میں مدعو تھے۔ وہ مصورہ روی کی کوئی جاننے والی تھی اور روی کی سفارش پر ہی راجکماری کو اس نمائش میں آنا پڑا تھا ورنہ اسے آرٹ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا کہ مصورہ نے بھی محض پبلسٹی کی خاطر اسے بلایا تھا ورنہ مصوری سے بھلا اس کا کیا تعلق تھا؟ لیکن اسے معلوم تھا کہ شوبزنس کی شخصیت کو بلانے سے پبلسٹی آسان ہوجاتی تھی۔ رپورٹر اور فوٹو گرافر خودبخود ہی کھنچے چلے آتے تھے۔ روی کی سفارش کو راجکماری نظرانداز نہیں کرسکتی تھی۔ اس لیے وقت نکال کر آگئی تھی۔

نمائش کے دوران بھیڑ بھاڑ میں کسی نے راجکماری کا بازو چھو کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ راجکماری نے مڑ کر دیکھا۔ وہ ایک لمبی چوڑی مردمار سی عورت تھی مگر لگتا تھا کہ اپنی اصل جسامت سے کچھ کم ہوچکی تھی۔ اس کے چہرے کی کھال کچھ لٹک سی گئی تھی اور آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ حلیے سے وہ دیسی کرسچن معلوم ہوتی تھی مگر اس کی رنگت دیسی کرسچن عورتوں کی نسبت خاصی صاف تھی۔ وہ کسی موٹے کپڑے کا پرانا سا' سکرٹ اور لمبے مردانہ جوتے پہنے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت تھی۔

راجکماری سے اس کی نظر ملی تو اس کے روکھے پھیکے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ یہ مسکراہٹ راجکماری کے لیے اجنبی نہیں تھی اور اسی کی مدد سے اس نے پہچانا کہ وہ عورت بلونت کور تھی۔ ڈاکٹر ہرل سنگھ کی خالہ جس کے ہاں

راجکماری نے کچھ عرصہ ملازمت کی تھی۔ وہ دونوں ہی اس کے محسن و مہربان تھے۔ ڈاکٹر ہرل نے دو مرتبہ اس کی جان بچائی تھی۔ اور بلونت کور نے ایسے وقت میں اُسے سہارا دیا تھا جب اس کے پاس سرچھپانے کو جگہ اور گزر اوقات کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

مگر دو سال میں ہی بلونت کور کی شخصیت میں زمین آسمان کا فرق پڑگیا تھا۔ نت نئی نفیس ساڑیوں میں نظر آنے والی ایک نہایت گریس فل عورت کے بجائے وہ ایک اجڑی، مفلوک الحال سی عورت دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے سر پر ایک میلا سا اسکارف بھی باندھ رکھا تھا۔

وہ یقیناً" راجکماری سے کوئی خاص بات کرنا چاہتی تھی۔ راجکماری اس کا ہاتھ پکڑ کر بھیڑ بھاڑ سے ذرا دور ایک کونے میں لے گئی۔

"میں اس بلڈنگ میں ایک کام سے آئی تھی۔" بلونت کور چور سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ اپنی عمر سے دس سال بڑی نظر آرہی تھی۔ "میں نے تمہیں لابی سے گذر کر بہت سارے لوگوں کے ساتھ اندر آتے دیکھا۔ بڑی دیر کی کوششوں کے بعد بہت مشکل سے میں اندر آئی ہوں۔ دعوتی کارڈ کے بغیر کوئی مجھے اندر گھسنے ہی نہیں دے رہا تھا۔"

پھر وہ راجکماری کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے کھوکھلے سے انداز میں ہنس کر بولی۔ "بہت ترقی کی ہے تم نے۔ بہت دل خوش ہوا ہے تمہیں دیکھ کر راجی! آج پورے ہندوستان میں تمہاری دھوم ہے۔" وہ راجکماری کو ہمیشہ راجی کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔

راجکماری انکسار سے مسکرا دی۔ اسے احساس تھا کہ بلونت کور درحقیقت کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ وہ خاموشی سے اصل بات کی منتظر تھی۔ بلونت کور ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔ "اس عمارت کے بالکل پیچھے گلی میں ایک چھوٹا سا کیفے ہے۔ کیفے گلاب۔ کیا تم تھوڑی دیر بعد چند منٹ کے لیے وہاں آسکتی ہو؟ مجھے معلوم ہے کہ وہ جگہ تمہاری شایان شان نہیں ہے۔ مگر کوئی تم سے ملنا چاہتا ہے۔ صرف چند منٹ کے لیے۔"

"میں آجاؤں گی، ایسی کیا بات ہے۔" راجکماری نے سوچے سمجھے بغیر کہا اور بلونت کور مزید کچھ کہے بغیر تیزی سے لوگوں کی بھیڑ میں غائب ہوگئی۔

راجکماری کو فوٹوگرافروں کی ایک ٹولی نے آن گھیرا۔ وہ مسکرا مسکرا کر اور تصویروں کے پاس کھڑی ہوکر پوز دیتی رہی اور سوچتی رہی کہ بلونت کور اتنی بدحال کیوں نظر آرہی تھی؟ شاید اس کا بزنس تباہ ہوگیا تھا۔ شاید اسے مالی مدد کی ضرورت تھی۔

اب اس نے سوچا تو اسے احساس ہوا کہ پچھلی گلی میں کسی معمولی سے کیفے میں جانا اس کے لیے خاصا دشوار کام تھا۔ وہ ایک سپراسٹار تھی۔ کہیں اگر اس کی آمد کی افواہ بھی پھیل جاتی تھی تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے تھے۔ بلونت کور کو یقیناً" اس کا اندازہ نہیں تھا۔ اس لیے بس وہ فرمائش کرکے تیزی سے غائب ہوگئی تھی اور راجکماری نے بھی بے خیالی میں ہاں کردی تھی۔ اس وقت روی سمیت اس کے ساتھ کئی لوگ بھی تھے جو بطور خاص صرف اس کی وجہ سے آئے تھے۔ ان سب سے پیچھا چھڑانا بھی خاصا مشکل کام تھا۔

مگر وہ ایک حاضر دماغ عورت تھی۔ بیس منٹ بعد بالآخر وہ مختلف بہانے کرکے لوگوں سے پیچھا چھڑا کر اس جگہ سے تنہا کھسک لی۔ آرٹ گیلری ایک بہت بڑی صاف ستھری عمارت کے گراؤنڈ فلور پر واقع تھی۔ گیلری سے باہر آنے سے پہلے راجکماری نظر بچا کر لیڈیز ٹوائلٹ میں گھس گئی۔

اپنے وینٹی بیگ سے اپنا صابن نکال کر اس نے واش بیسن پر کھڑے ہوکر اپنا تمام میک اپ اچھی طرح دھوڈالا۔ میک اپ صاف ہونے سے اس کی خوبصورتی یا نقوش میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا مگر اس کا خیال تھا کہ گہرا میک اپ ویسے ہی ایک اداکارہ کا شناختی نشان لگتا تھا۔

اس کے بیگ میں ایک بڑا رومال اور تاریک چشمہ بھی موجود تھا۔ رومال اس نے اسکارف کے انداز میں سر پر باندھ لیا اور سیاہ چشمہ لگالیا۔ اب وہ کافی حد تک ایک عام عورت معلوم ہورہی تھی لیکن پھر بھی اس کے بیش قیمت اور نہایت فیشن ایبل پہناوے کی وجہ سے وہ گلی کے کسی چھوٹے موٹے ریستوران یا کیفے میں اٹھنے بیٹھنے والی عورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بہرحال اب اسے کیفے گلاب میں تو جانا ہی تھا۔ وہ اپنی محسنہ سے وعدہ کرکے پھر نہیں سکتی تھی۔

لوگوں کی نظروں سے بچتی ہوئی وہ عمارت سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھی اور ڈرائیور کو پچھلی گلی میں چلنے کا حکم دیا۔ پچھلی گلی میں کیفے گلاب اسے آسانی سے مل گیا۔ اس کے سامنے سے گزرنے کے بعد راجکماری نے گاڑی رکوائی اور ڈرائیور کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دے کر اتر آئی۔

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ وہ دکانوں کے آگے بنے ہوئے برآمدہ نما حصے میں چلنے لگی۔ فوراً ہی ایک ستون کی اوٹ سے ایک شخص نکل کر اس کا ہم قدم ہوگیا اور دوستانہ لہجے میں بولا۔ "آؤ بارش تھمنے تک کیفے گلاب میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

راجکماری نے سر اٹھا کر دیکھا اور ایک بار پھر اسے شناسائی کے سلسلے میں ویسا ہی تجربہ ہوا جیسا بلونت کور کے معاملے میں ہوا تھا۔ اس شخص کو اس نے پہچان تو لیا لیکن بے حد دشواری کے ساتھ۔ وہ چمڑے کی جیکٹ اور پی کیپ پہنے ہوئے تھا جس کا چھجا اس نے کچھ زیادہ ہی جھکا رکھا تھا اور سب سے حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ کلین شیو تھا۔

ایک سکھ کے لیے اپنی داڑھی صاف کر دینا اپنی گردن کاٹ لینے سے زیادہ مشکل کام تھا۔ شاید اپنی دانست میں کسی بہت ہی عظیم مقصد کے تحت اس نے یہ قربانی دی تھی۔ وہ ڈاکٹر ہرمل سنگھ تھا۔ وہ پہلے سے کچھ دبلا ہوچکا تھا اور اپنی خالہ ہی کی طرح اپنی عمر سے کچھ بڑا بڑا لگ رہا تھا۔ چہرے پر ملائمت کی جگہ عجیب سی سختی اور کرختگی آگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی ویرانی اور تھکن تھی جیسے اس نے کئی راتوں سے مکمل آرام نہ کیا ہو۔

کیفے میں خاصی بھیڑ بھاڑ تھی۔ کئی عورتیں بھی موجود تھیں مگر وہ آس پاس کے علاقوں میں ہی چھوٹے موٹے کام کرنے والی عورتیں تھیں۔ راجکماری کی وضع قطع کی کوئی عورت نہیں تھی۔ بہت سی نظریں اس کی طرف اٹھیں اور غالباً یہی سمجھا گیا کہ وہ بارش سے پناہ لینے کی خاطر ایسی جگہ مجبوراً آن گھسی ہے۔ جو اس کی شایان شان نہیں۔ ایک کونے میں صرف ایک ہی میز خالی تھی۔ وہ جلدی سے اس پر جا بیٹھے۔

"تم پہلے سے بھی زیادہ حسین ہوگئی ہو راجکماری۔" ہرمل نے بات شروع کی۔ "میں نے تمہاری کئی فلمیں دیکھی ہیں۔ اداکارہ بھی واقعی تم زبردست ہو۔"

"میری باتیں چھوڑو۔ فی الحال اپنی سناؤ۔" راجکماری نے کہا۔

"میں تو خاصی بے کیف زندگی گزار رہا ہوں۔ بتانے والی کوئی دلچسپ بات نہیں۔" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر کھوئی کھوئی سی نظروں سے راجکماری کی طرف دیکھتے ہوئے تلخ انداز میں مسکرایا۔ "سکھ ہونے کی سزا بھگت رہا ہوں۔ میں نے پریکٹس شروع کردی تھی۔ اپنا کلینک کھول لیا تھا لیکن جب میں مسیحائی کے سوا کچھ نہیں کر رہا تھا تو روزانہ میرے کلینک پر چھاپے پڑنے لگے۔ الزام یہ تھا کہ دہشت گردی میں زخمی ہونے والے سکھوں کو طبی امداد دینے کا سب سے بڑا مرکز میرا کلینک ہے۔ بالآخر روز روز کی بے عزتی اور پکڑ دھکڑ کے بعد میری میڈیکل رجسٹریشن بھی منسوخ کردی گئی۔ یہی کچھ ماسی بلونت کور کے ساتھ ہو رہا تھا۔ ہم لوگ اپنے اپنے کاروبار بند کرنے پر مجبور ہوگئے۔ تم ہندو ہو لیکن میں یہ سب کچھ تمہیں بتا رہا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے تم ایک مختلف عورت ہو۔ متعصب نہیں ہو۔"

"کیا یہی بتانے کے لیے تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے؟" راجکماری نے ملائمت سے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے تمہاری ایک چھوٹی سے مدد کی ضرورت ہے۔ میرا ایک دوست....." ہرمل سنگھ کا جملہ ادھورا رہ گیا کیونکہ عین اسی وقت چار مسلح پولیس والے اندر آگئے۔

ان کے پیچھے پیچھے ایک باوردی میجر تھا جس نے بہ آواز بلند اعلان کیا۔ "یہ پولیس والے آرمی سیکرٹ سروس کے حکم پر یہاں موجود ہر شخص کی شناخت کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی اعتراض یا ہنگامہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جس کے پاس بھی اپنی شناخت کا کوئی ثبوت ہے وہ جیب سے نکال لے۔ کوئی شناختی کارڈ، کوئی سرٹیفکیٹ، کوئی رسید، یا کوئی بھی ایسا کاغذ جس سے اس کے نام اور ایڈریس کا پتا چلتا ہو۔"

راجکماری نے محسوس کیا کہ ہرمل سنگھ کے جسم میں یک لخت تناؤ پیدا ہوگیا تھا۔ میجر تو مستعد انداز میں دروازے سے لگ کر کھڑا ہوگیا اور پولیس والوں نے دروازے کے قریب سے فرداً فرداً ہر ایک کو غور سے دیکھنا اور اگر اس کے پاس کوئی کاغذ تھا تو وہ چیک کرنا شروع کردیا۔ پولیس والوں نے عورتوں کو چیکنگ کے بغیر باہر جانے کی

اجازت دے دی تھی۔

ہرمل سنگھ' راجکماری کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔ "مجھ سے لاتعلق سی ہو کر یہاں سے نکل جاؤ۔ کوئی سوال نہ کرنا۔"

تذبذب کے عالم میں راجکماری اٹھی اور دروازے کی طرف مڑی۔ کیفے میں خاموشی چھا گئی تھی۔ ہرمل نے کرسی یوں پیچھے کھسکائی جیسے کوئی نو گرفتار پنچھی جال میں ہلنے جلنے کی زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ راجکماری نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ جیکٹ کی جیب میں چلا گیا تھا جو کچھ زیادہ ہی ابھری ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی وحشت یک لخت کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

کرسی کھسکنے کی آواز نے میجر کو اس کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ خود سیدھا اسی کی طرف آگیا۔ وہ نوجوان ہی تھا اور اس کی وردی پر جو پٹی لگی ہوئی تھی اس کے مطابق اس کا نام شنکر تھا۔

"تمہارے پاس اپنی شناخت کی کوئی چیز ہے؟" اس نے ہرمل کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے انگریزی میں سوال کیا۔

اس لمحے جیسے کسی غیبی قوت نے راجکماری کو احساس دلایا کہ پولیس اور آرمی سیکرٹ سروس کو جس شخص کی تلاش ہے وہ ہرمل سنگھ ہی ہے اور وہ اس وقت راہ فرار کی تلاش میں ہے۔ یہ بھی صاف نظر آرہا تھا کہ اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ اسے وہاں چھوڑ کر جانا ایسا ہی تھا جیسے بھوکے بھیڑیوں کے آگے کسی خرگوش کو پھینک جانا۔

اچانک ایک حتمی فیصلے پر پہنچتے ہوئے راجکماری' میجر سے مخاطب ہوئی۔ "فلمی لوگوں کو شناختی کاغذوں کی کیا ضرورت ہے۔ میجر صاحب! شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں راجکماری ہوں اور یہ ہمارے ساتھی اداکار ہیں۔ ابھی ان کی کوئی فلم ریلیز نہیں ہوئی لیکن جلد ہی آپ انہیں ولن کے طور پر پہچاننے لگیں گے۔" اس نے اپنا سیاہ چشمہ اتار لیا اور مسکرا دی۔

میجر نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "راجکماری جی! آپ اور یہاں؟"

"ہم لوگ یہ پچھلے بازار میں ہی آرٹ گیلری میں تھوڑی سی شوٹنگ کر رہے

تھے۔" راجکماری فراٹے سے بولتی چلی گئی۔ "ان ڈور شوٹنگ تو ہم کر چکے تھے لیکن بارش کی وجہ سے آؤٹ ڈور شوٹنگ کچھ دیر کے لیے رک گئی تھی۔ یونٹ کے سب لوگ ادھر ادھر ہوگئے۔" پھر وہ ہرمل سنگھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "میں نے خود ہی ان سے فرمائش کی تھی کہ چل کر کسی عوامی سی جگہ پر بیٹھتے ہیں۔ کبھی کبھی گمنام سا بن کر ایسی جگہوں پر بیٹھنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ ہے نا....؟" اس نے معصومیت سے لمبی لمبی پلکیں جھپکاتے ہوئے میجر کی پھیلی پھیلی سی آنکھوں میں جھانکا۔ اس وقت وہ خاصا بے وقوف نظر آرہا تھا۔

"ہاں' ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" اس نے جلدی سے تائید میں سر ہلایا۔ "آپ لوگ جاسکتے ہیں۔ اس نے مودبانہ انداز میں ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

ہرمل کی خود اعتمادی بھی اب لوٹ آئی تھی۔ تاثرات یک لخت بدل چکے تھے۔ راجکماری کے ساتھ ساتھ وہ نہایت اعتماد سے قدم اٹھاتا ہوا باہر آگیا۔ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہ گاڑی تک پہنچے جسے ڈرائیور ایک محفوظ جگہ چھجے کے نیچے لیے کھڑا تھا۔

"اسٹوڈیو چلنا ہے۔ ذرا تیز مگر احتیاط سے۔" راجکماری نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔ ہرمل بالکل خاموش تھا۔ راستے میں بھی اس نے کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی راجکماری کچھ بولی۔ ان کا ساتھ صرف چند فرلانگ کا رہا۔ ایک سگنل پر گاڑی رکی تو ہرمل نے الوداعی سے انداز میں راجکماری کا بازو تھپتھپایا اور دروازہ کھول کر غیر محسوس سے انداز میں گاڑی سے اتر کر غائب ہوگیا۔

راجکماری نے گہری سانس لی۔ اس کے اعصاب سے جیسے بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ ہرمل سنگھ سے یہ تشنہ اور خطرناک سی ملاقات اسے حیران بھی کرگئی تھی اور خوفزدہ بھی۔ اس کے ذہن میں بہت سے سوالات بھی رینگ رہے تھے۔ کیا ہرمل سنگھ جیسا نرم خو' شائستہ اور رحمدل سا آدمی سکھوں کی تحریک کا کوئی اتنا اہم اور خطرناک آدمی بن گیا تھا کہ اس کی تلاش میں یوں گلی کوچوں میں چھاپے پڑ رہے تھے؟ اسے یقین نہیں آرہا تھا مگر اس زمانے میں سب کچھ ممکن تھا۔ اس کم عمری میں اس نے خود اپنی آنکھوں سے کتنی انہونیاں دیکھی تھیں۔ کتنی ہی انہونیاں اس پر بیتی تھیں۔

اسے بار بار یہ خیال بھی آئے جا رہا تھا کہ ہرمل نہ جانے کس ضروری کام کے سلسلے میں اس سے ملا تھا۔ وہ بات تو بیچ میں ہی رہ گئی تھی۔ کاش وہ اس کا وہ کام کرسکتی۔ گو کہ آج بھی اس نے ہرمل کے لیے جو کام کیا تھا وہ معمولی نہیں تھا۔ اس نے اپنا مقام داؤ پر لگا کر اس کی جان بچائی تھی مگر یہ سب کچھ تو حادثاتی سے انداز میں ہوگیا تھا۔ وہ ہرمل کے مزید کام آنے کے لیے بھی تیار تھی۔

دفعتاً" ایک عجیب سے خیال نے اس کے ذہن میں سر ابھارا۔ کہیں ہرمل سنگھ ہی تو درحقیقت مہان سنگھ نہیں تھا۔ جس نے بمبئی میں پولیس اور آرمی سیکرٹ سروس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا اور جو اتنی دور بیٹھ کر پنجاب میں سکھوں کی تحریک کے لیے مالی امداد بھجوا رہا تھا؟ مہان سنگھ کے بارے میں بہت سی خبریں اور افواہیں اس کے ذہن میں تازہ تھیں۔ اس تصور سے ہی اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔

اسٹوڈیو پہنچ کر اس نے ان پریشان کن خیالات کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی کیونکہ اسے آٹھ دس گھنٹے مسلسل شوٹنگ کرنا تھی اور اس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ شوٹنگ ذہنی یکسوئی کے ساتھ کرے تاکہ اچھی سے اچھی پرفارمنس دے سکے۔

ایک ہی فلم کی شوٹنگ میں اسے تین گھنٹے سے زیادہ وقت لگ گیا جبکہ شیڈول کے مطابق اسے تقریباً" ایک گھنٹا لگنا تھا۔ مگر اسے تجربہ ہوچکا تھا کہ شوٹنگ کے معاملے میں شیڈول دھرا رہ جاتا تھا۔ اب اسے دوسرے اسٹوڈیو جانا تھا۔ لباس اور میک اپ تبدیل کرنے وہ اپنے ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی تو دو آدمی اس کے منتظر تھے۔

ایک تو وہی میجر شنکر تھا جسے راجکماری نے کیفے گلاب میں جل دیا تھا۔ دوسرا تقریباً" چالیس کی عمر کا' گھٹے ہوئے جسم کا ایک میانہ قد آدمی تھا جس کے سر پر ایک بھی بال نہیں تھا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں' پتلے ہونٹ اور نوکیلی ناک دیکھ کر جھرجھری آتی تھی۔ اس کی صورت سے ہی ظاہر تھا کہ وہ ایک بے پناہ سفاک آدمی تھا۔ وہ سادہ لباس میں تھا۔

"مجھے کرنل کھنہ کہتے ہیں۔ میرا تعلق آرمی سیکرٹ سروس سے ہے۔" اس نے گھٹی گھٹی سی آواز میں اپنا تعارف کرایا۔ آواز خواہ گھٹی گھٹی تھی لیکن اسے سن کر راجکماری کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں دو تیز

دھار خنجروں کی طرح راجکماری کے وجود میں اتری جا رہی تھیں۔

وہ نوجوان باوردی میجر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "میجر شنکر نے ہمیں بتایا ہے کہ کیفے میں جو شخص تمہارے ساتھ تھا وہ کسی فلم میں بھی کام کر رہا ہے۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا تھا۔ میجر کو شاید میری بات سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔" راجکماری دل مضبوط کر کے بولی۔

"لیکن آپ نے کہا تھا۔ میجر شنکر نے احتجاجاً" منہ کھولا۔

"شٹ اپ۔" کرنل کھنہ اس کی طرف مڑ کر دہاڑا اور اس کا منہ مشینی انداز میں بند ہوگیا۔

کرنل کھنہ دوبارہ راجکماری کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "ہاں ....." وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کبھی کبھی ایک ہی زبان بولنے والے اور ایک ہی دھرم سے تعلق رکھنے والے دو انسانوں کو بھی ایک دوسرے کی بات سمجھنے میں دقت ہو جاتی ہے۔ ویسے بائی دا وے..... اگر تمہارا وہ ساتھی اداکار نہیں تھا تو پھر کون تھا؟ تم نے میجر کو اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔"

"دراصل ...." راجکماری تھوک نگل کر بولی۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ مجھے اس پر ترس آگیا تھا۔ اسی کی وجہ سے میں کیفے گلاب میں گئی تھی۔ ورنہ ظاہر ہے وہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں مجھ جیسی عورت اٹھنا بیٹھنا پسند کرے۔ وہ میرے لیے اجنبی تھا اور کیفے کے باہر مجھے ملا تھا۔ کہنے لگا کہ پولیس اس کی تلاش میں ہے کیونکہ اس نے فاقوں سے تنگ آکر اپنے بیوی بچوں کے لیے کچھ سامان چوری کرلیا تھا۔ مجھے وہ مجرم نہیں' مدد کا مستحق محسوس ہوا۔ چنانچہ میں نے اس کی مدد کی کوشش کی تھی۔"

کرنل کھنہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور گہری سانس لے کر بولا۔ "اب میں سمجھ گیا ہوں کہ تم کیوں اتنے کم عرصے میں اتنی بڑی اداکارہ سمجھی جانے لگی ہو۔"

ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے گویا اندر ہی اندر اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ملائمت سے کہا "دیکھو .... ہم آرمی سیکرٹ سروس والوں کو جتنے

اختیارات حاصل ہیں ان کا تم سویلین لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے اور خاص کر یہ سکھوں کی بغاوت کے سلسلے میں تو ہمیں خصوصی امکانات اور اختیارات ملے ہیں۔ اس معاملے میں تو ہم اپنے عام فوجی ساتھیوں، حتیٰ کہ عام فوجی افسروں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔"

وہ تقریر کے سے انداز میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ تم اپنی کم عمری اور ناتجربے کاری کی وجہ سے، جانتے بوجھتے یا انجانے میں سکھ دہشت گردوں کی آلہ کار بن جاؤ۔ اس کا انجام بہت بھیانک ہوگا۔ دوسرے لوگوں کی طرح ہم بھی شوبزنس کے لوگوں کا خاصا لحاظ کرتے ہیں لیکن جو دہشت گردوں کا ساتھ دے گا، ہماری نظر میں وہ بھی دہشت گرد ہے۔"

راجکماری خاموش بیٹھی ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ کرنل کھنہ کی آواز ایک بار پھر سرگوشی میں ڈھل گئی۔ وہ اس کی ڈریسنگ ٹیبل کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ "ہم تمہارے اس 'اجنبی' دوست کو بہرحال تلاش کرلیں گے۔ اور اس کی زبان بھی کھلوالیں گے۔"

"مجھے اس سلسلے میں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔" راجکماری نے لاتعلقی اور بے نیازی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"تمہیں ڈرنے کی ضرورت ہے۔ مجھ سے۔" کرنل کھنہ یک لخت دہاڑ اٹھا۔ راجکماری اپنی جگہ سے اچھلتے اچھلتے رہ گئی۔ اسے گمان بھی نہیں تھا کہ اتنی گھٹی گھٹی آواز میں بولنے والا شخص یک لخت اس طرح دہاڑ بھی سکتا تھا۔

پھر وہ ایک وزیٹنگ کارڈ اس کے سامنے پھینکتے ہوئے بولا۔ "آئندہ ایک ماہ کے دوران اگر تم شہر سے باہر کہیں بھی جاؤ گی تو ان فون نمبروں پر اطلاع دینے کے بعد جاؤ گی۔" پھر وہ راجکماری کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔ "آج رات شوٹنگ کے بعد تمہاری کیا مصروفیت ہوگی؟"

"مجھے کرنل شیکھر کپور کے ساتھ کھانا کھانے جانا ہے۔" راجکماری نے بے ساختہ کہا۔ وہ کرنل کھنہ کو احساس دلانا چاہتی تھی کہ فوج میں تھوڑی بہت اس کی بھی شناسائی تھی۔

"بہت خوب!" کرنل کھنہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور مزید کچھ کہے بغیر ایڑیوں کے بل گھوم کر میجر کے ساتھ باہر چلا گیا۔

راجکماری نے گہری سانس لے کر ریوالونگ چیئر کے پشتے سے ٹیک لگا لی۔ یہ سب کچھ نہایت غیرمتوقع طور پر پیش آیا تھا اور اسے احساس تھا کہ اس کی گفتگو زیادہ متاثر کن نہیں رہی۔ اس کا اندازہ تھا کہ آرمی سیکرٹ سروس جیسا ادارہ کسی بہت ہی اہم معاملے میں اتنا حساس اور مستعد ہو سکتا تھا۔ کیا ہرمل سنگھ واقعی ان کی نظر میں اتنا اہم آدمی تھا؟ کیا واقعی وہ سکھوں کے ان لیڈروں میں سے تھا جو اس قوم کے ہیرو بن چکے تھے؟

اسے ہرمل سنگھ سے نظریاتی طور پر کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی کہ ان لوگوں کی جدوجہد صحیح تھی یا غلط۔ اسے تو بس یہ احساس تھا کہ ہرمل سنگھ کا اس پر احسان بہت بڑا تھا۔ آج وہ زندہ تھی، اس مقام پر تھی، اس کا کریڈٹ درحقیقت ہرمل کو جاتا تھا۔ وہ شخص نہ ہوتا تو شاید اس کی راکھ مدت پہلے گنگا میں بہائی جا چکی ہوتی۔ وہ اس شخص کی مدد سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ خواہ اس میں کتنے ہی خطرات پوشیدہ تھے۔

اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس رات ایک فلم کی شوٹنگ کینسل ہو گئی اور وہ تقریباً نو بجے ہی فارغ ہو گئی۔ آخری شاٹ دے کر وہ ڈریسنگ روم میں پہنچی تو اسے ایک اور جھٹکا برداشت کرنا پڑا۔ ڈریسنگ روم میں ایک کرسی پر کرنل شیکھر کپور براجمان تھا۔

راجکماری خاموشی سے اس کے ساتھ باہر آگئی۔ اپنے ڈرائیور کو اس نے گھر بھیج دیا۔ کرنل شیکھر کی لمبی سی کار اس کی منتظر تھی جسے باوردی ڈرائیور چلا رہا تھا۔ اس میں بیٹھ کر وہ "تاج" کی طرف روانہ ہوگئے۔

کھانے کے دوران ان کے درمیان زیادہ تر ایسی ہی گفتگو ہوئی جیسی عموماً نئے نئے دوست بننے والے آپس میں کرتے ہیں۔ کرنل شیکھر اسے اپنے بارے میں بتاتا رہا۔ اس کا لب و لہجہ بے حد دھیما اور رویہ بے حد شائستہ تھا۔ اس نے راجکماری کو اپنے خاندانی پس منظر یا دولت مندی کے تذکروں سے مرعوب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اس کا رکھ رکھاؤ خاندانی دولت مندوں والا تھا۔ کھانے کے بعد کرنل نے کیفے گلاب والے واقعے کا ذکر چھیڑا۔ کرنل شیکھر کا تعلق سیکرٹ سروس سے نہیں تھا مگر وہ سارے واقعے سے واقف تھا۔

"میں تو خواہ مخواہ ایک مصیبت زدہ کی مدد کرکے خود مصیبت میں پھنس گئی۔" راجکماری نے اپنے لہجے میں بیزاری ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ "اس بے چارے نے کھانے پینے کا سامان ہی تو چوری کیا تھا۔ معلوم نہیں اتنی سی بات پر اتنا ہنگامہ کیوں برپا......"

"اس داستان طرازی کی ضرورت نہیں۔" کرنل نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہیں یہ فرض نہیں کرلینا چاہیے کہ فوجی بے وقوف ہوتے ہیں اور نہ ہی تمہیں آرمی سیکرٹ سروس کے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار ہونا چاہیے۔"

اس کے لہجے میں یکایک تلوار کی سی کاٹ پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ پہلے جیسی ملائمت سے بولا۔ "کرنل کھنہ بھول جانے یا معاف کرنے والا انسان نہیں ہے۔ بہرحال اگر تم آیندہ اپنے اس دوست سے رابطہ رکھنے کی کوشش نہیں کروگی تو تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ تمہاری جگہ اگر کوئی اور عورت ہوتی تو وہ اس وقت سیکرٹ سروس کے تفتیشی سیل میں ہوتی۔"

اس کے بعد اس نے موضوع بدل دیا۔ کچھ دیر تک وہ اپنی اپنی ذات' فن اور شوبزنس وغیرہ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ کرنل کی باتوں سے اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ اس کا حلقہ شناسائی کتنا وسیع اور متنوع تھا۔

"بمبئی میں خوبصورت عورتوں کی کمی نہیں ہے۔" راجکماری گفتگو کے دوران بولی۔ "جن تک رسائی آپ جیسے آدمی کے لیے ہرگز مشکل نہ ہوتی۔ اس کے باوجود آپ کی نظرِ انتخاب مجھ پر ہی کیوں پڑی؟ اور آپ نے میرا خاصا نامناسب سلوک بھی برداشت کرلیا۔"

"میں کوئی عیاش آدمی نہیں ہوں۔" شیکھر کپور بولا۔ "میں نے تمہاری صرف ایک فلم دیکھی تھی اور تمہاری صورت دیکھ کر ذہن میں لڑکپن کی کچھ یادوں کے دریچے کھل گئے تھے۔ کوئی ہستی یاد آگئی تھی جسے میں پا سکتا تھا لیکن اپنی تھوڑی سی

بزدلی کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ بس شاید یہی ایک طاقتور حوالہ تھا جس کے تحت تم سے دوستی استوار کرنے کو بڑی شدت سے جی چاہا۔ یہ جسم کا نہیں' دل کا تقاضا تھا۔"

کرنل کی گفتگو کتنی مخلصانہ اور شخصیت خواہ کتنی ہی متاثر کن تھی لیکن راجکماری اس سے دوبارہ ملنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

کرنل نے جب اسے اس کے اپارٹمنٹ کے قریب اتارا اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ جب وہ اوپر پہنچی تو روی اس کے گھر میں موجود تھا۔ وہ نہ جانے کب سے وہیں موجود تھا۔

اسے دیکھتے ہی وہ چلا اٹھا۔ "تم کیا کرتی پھر رہی ہو؟ تمہیں معلوم ہے آرمی سیکرٹ سروس کے لوگ یہاں آئے تھے؟" تب راجکماری نے دیکھا کہ اپارٹمنٹ کا بہت سا سامان الٹ پلٹ پڑا تھا جیسے وہاں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ کرنل کھنہ یقیناً اسٹوڈیو جانے سے پہلے اس کے گھر ہی آیا تھا۔

راجکماری نے روی کو حقیقت حال بتانا بہتر نہ سمجھا۔ وہ کٹر قوم پرست ہندو تھا اور سکھوں کے بارے میں کوئی اچھے جذبات نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اسے آج کا واقعہ اسی طرح بتایا جس طرح کرنل کھنہ کو بتایا تھا۔ وہ خوفزدہ سا ہوگیا۔ اس نے محتاط رہنے کے سلسلے میں راجکماری کو سینکڑوں نصیحتیں کیں۔

اس دن کے بعد راجکماری نے محسوس کیا کہ کہیں بھی آتے جاتے اس کی نگرانی ہوتی تھی۔ تقریباً دو ہفتے بعد اخبارات کے پہلے صفحات پر نمایاں سرخیوں کے ساتھ یہ خبر شائع ہوئی کہ پولیس نے سکھوں کی ایک ٹولی کو پکڑا تھا جو حلیے بدل کر بمبئی میں ذرا بڑے پیمانے پر خونریز کارروائیوں کا پروگرام بنا رہے تھے۔ کچھ بڑی شخصیتوں کو قتل کرنا چند اہم عمارتوں میں دھماکے کرنا اور بعض ایسی جگہوں کو لوٹنا ان کے منصوبے میں شامل تھا جہاں سے بڑے پیمانے پر رقم ہاتھ آسکتی تھی۔ پنجاب میں چلنے والی تحریک کو اسلحے کی فراہمی کے لیے ہر وقت رقم کی ضرورت رہتی تھی۔

خبر میں بتایا گیا تھا کہ اس خصوصی مہم کی قیادت مہان سنگھ کر رہا تھا لیکن یہ پتا نہیں چلا تھا کہ مہان سنگھ خود بھی پکڑا گیا تھا یا نہیں۔ راجکماری اب بھی حتمی طور پر

فیصلہ نہیں کر سکی تھی کہ کیا واقعی ڈاکٹر ہرمل سنگھ ہی درحقیقت مہان سنگھ تھا؟ تاہم لاشعوری طور پر نہ جانے کیوں اسے احساس تھا کہ ہرمل کی طرف سے جلد یا بدیر اسے کوئی پیغام ضرور ملے گا اور پھر شاید حقیقت واضح ہو جائے گی۔

پیغام اسے دو دن بعد واقعی مل گیا اور ایک ایسے وسیلے سے جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کہ ان کی عمارت کا بوڑھا سا چوکیدار بھی تو سکھ ہے۔ لمبی سی سفید داڑھی والا وہ مشفق و مہربان آدمی پرانی سی بندوق سنبھالے اس طرح جی جان سے بلڈنگ کی حفاظت کرتا تھا جیسے یہاں اس کا اپنا کنبہ آباد ہو۔ وہ ایک مدت سے بلڈنگ کا چوکیدار تھا اور کئی بار اس نے جان پر کھیل کر مکینوں کے جان و مال کی حفاظت کی تھی۔

اس روز گیٹ پر چوکیدار نے اسے روک لیا اور اپنی مخصوص لڑکھڑاتی ہوئی سی آواز میں بولا۔ "راجکماری جی! آپ نے برتھ ڈے کے جس کیک کا آرڈر دیا تھا' وہ پٹیل روڈ کی پارسی بیکری میں تیار رکھا ہے۔"

سالگرہ منانا اداکاراؤں کے لیے محض پبلسٹی حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا تھا لیکن راجکماری نے ابھی تک یہ علت نہیں پالی تھی۔ غربت اور گمنامی میں اسے کبھی سالگرہ منانے کی توفیق نہیں ہوئی تھی۔ اب بھی اس نے یہ تکلف شروع نہیں کیا تھا۔ اسے ان بہانوں سے پبلسٹی کی ضرورت نہیں تھی۔

"لیکن میں نے تو کسی کیک کا آرڈر نہیں دیا ......" راجکماری کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ بوڑھے چوکیدار نے خاص انداز سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں ایک خاص پیغام پنہاں تھا۔ راجکماری نے تفہیمی انداز میں سرہلایا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

ڈرائیور کو اس نے گھر پر ہی رہنے کا حکم دیا اور پٹیل روڈ روانہ ہو گئی۔ پٹیل روڈ پر پارسی بیکری ایک ہی تھی جو ایک مدت سے کسی پارسی کی ملکیت نہیں رہی تھی لیکن مشہور اب بھی پارسی بیکری ہی کے نام سے تھی۔

بیکری کے بیرونی حصے میں شوکیس کے کاؤنٹر پر ایک عورت ایپرن باندھے کھڑی تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے راجکماری کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے

راجکماری نے سوچا۔ اب بھی وقت ہے۔ اب بھی میں واپس جا سکتی ہوں۔

ہرمل اس کے لیے اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا کہ اس کی خاطر وہ اپنی زندگی' اپنا مقصدِ حیات' اپنا کیریئر غرضیکہ سب کچھ داؤ پر لگا سکتی۔ لیکن نہ جانے کیوں یہ ساری صورت حال اب اسے ایک چیلنج کی طرح محسوس ہونے لگی تھی۔ خصوصاً کرنل کھنہ کے وہ الفاظ تو اس کے ذہن پر نقش تھے "تمہیں ڈرنے کی ضرورت ہے مجھ سے۔" یہ سب کچھ اس کی انا کو مجروح کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کے اندر جو ایک بے پناہ ضدی عورت چھپی ہوئی تھی وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ واپس جانے کے لیے تیار نہیں تھی۔

"میرا نام راجکماری ہے اور میں اپنی سالگرہ کے کیک کے بارے میں معلوم کرنے آئی تھی۔" راجکماری نے جھجکتے ہوئے کہا۔

عورت نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر شیشے کے دروازے کے قریب جا کر باہر جھانکا کہ کوئی آس پاس موجود تو نہیں۔ پھر اس نے دروازے پر "کلوزڈ" کا بورڈ آویزاں کیا اور راجکماری کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے دکان کے عقبی حصے کی طرف چل دی۔ دکان کے اندر ہی اندر راستہ تھا۔ وہ گودام وغیرہ سے گزرتے ہوئے ایک ہال کی سیڑھیاں اترنے لگے۔

ڈاکٹر ہرمل سنگھ تہ خانے نما ایک چھوٹے سے کمرے میں چارپائی پر پڑا تھا۔ اس کی ایک ٹانگ گھٹنے تک کچلی ہوئی تھی۔ جیسے اس پر سے کوئی ٹرک یا اس سے بھی وزنی کوئی چیز گزر گئی۔ خون' گوشت اور کچلی ہوئی نسوں کا یہ ملغوبہ دیکھ کر راجکماری کو جھرجھری آ گئی۔ اذیت سے ہرمل سنگھ کے چہرے کے عضلات کھنچ کر رہ گئے تھے' مگر وہ مکمل طور پر ہوش و حواس میں تھا۔ اس نے راجکماری کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی بھی کوشش کی۔

پھر وہ بلا تمہید بولا۔ "راجکماری! آرمی سیکرٹ سروس اور سی آئی ڈی کے لوگ میری تلاش میں بمبئی کے چپے چپے کو کھنگال رہے ہیں۔ اگر میں کسی طرح شہری حدود سے نکل کر "لکڑی بندر" نامی ساحل تک پہنچ سکوں تو وہاں میرے کچھ دوست ہیں جو کسی لانچ وغیرہ پر مجھے ملک سے نکال لے جائیں گے ......"

گویا اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ ڈاکٹر ہرل ہی درحقیقت مہان سنگھ تھا۔
راجکماری کو اس کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "لیکن اس وقت ساحلوں کی طرف جانے والی سڑکوں کی ناکہ بندی ہو چکی ہے۔ ایک چوہا بھی چیکنگ کے بغیر ساحلی علاقوں کی طرف نہیں جا سکتا۔ انہیں اندازہ ہو گیا ہے کہ میں سمندری راستے سے فرار ہونے کی کوشش کروں گا اور پھر "لکڑی بندر" جانے کے لیے ڈاک یارڈ روڈ سے گزرنا پڑے گا جہاں ویسے ہی نیوی کا راج ہے' مگر تم ایک ایسی شخصیت ہو جو میری مدد کر سکتی ہو۔ بہت سی آنکھوں میں دھول جھونک سکتی ہو۔"

"اگر میں تمہاری مدد کروں بھی ......" راجکماری سنبھل کر بولی۔ "تو کیا تم اس کچلی ہوئی ٹانگ کے ساتھ سفر کر سکو گے؟"

"یہ کچلی ہوئی ٹانگ یہیں رہ جائے گی۔" ہرل دانت بھینچ کر اندر ہی اندر اپنی کراہ کا گلا گھونٹتے ہوئے بولا۔ اسی لمحے گھنی داڑھی والا ایک کیم شحیم آدمی ایک بیگ اٹھائے اندر آیا اور اس میں سے سرجری کے آلات نکال کر میز پر رکھنے لگا۔

ہرل اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "یہ سرجن نہیں ہے مگر میری ہدایات پر عمل کرتے ہوئے میری یہ ٹانگ کاٹے گا۔ یہ شاید دنیا کا پہلا آپریشن ہو گا جس میں ایک عام آدمی' معذور مریض کی ہدایات پر ایمپیوٹیشن کا عمل سرانجام دے گا اور وہ بھی آپریشن تھیٹر کی سہولیات کے بغیر۔ دعا کرنا کہ اس آپریشن کے دوران مجھ پر بار بار بے ہوشی کا حملہ نہ ہو۔"

راجکماری اس آپریشن کا تصور کر کے لرز کر رہ گئی۔ ایک لمحے کے لیے اسے یہ بھی خیال آیا کہ اگر کرنل کھنہ اسے یہاں دیکھ لے تو اس کا کیا حشر ہو؟ تمام راستے وہ اسی لیے لمبے لمبے چکر کاٹتی ہوئی آئی تھی کہ کہیں اس کا تعاقب تو نہیں ہو رہا؟ مگر خوش قسمتی سے آج کوئی گاڑی اس کے پیچھے نہیں لگی ہوئی تھی۔ شاید کرنل شیکھر کپور نے اس کی خاطر کچھ ڈوریاں ہلائی تھیں۔

وہ چند لمحے خاموش رہی۔ کچھ سوچتی رہی۔ پھر گویا سب کچھ ذہن سے جھٹکتے ہوئے گہری سانس لے کر بولی۔ "ٹھیک ہے ہرل ...... میں تمہاری مدد کروں گی۔"

....

کملا کی زندگی گویا ایک مخصوص ڈگر پر آ چکی تھی۔ آنند ورما

کے دفتر میں ڈیوٹی دینے کے بعد بھی اس کا زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزرتا۔

ایک شام جبکہ وہ جم خانہ کلب میں کھانا کھا رہے تھے' ورما نے اسے بتایا "میں ایک ضروری کام سے چند دن کے لیے لندن جا رہا ہوں اور اس دوران تمہیں ایک ایسا کام سونپ کر جا رہا ہوں جو شاید تمہارے لیے نہ صرف دلچسپی کا باعث ہو بلکہ کچھ دن کے لیے تمہیں دفتر کے لگے بندھے معمولات سے بھی نجات مل جائے گی اور تم بہت کچھ سیکھ بھی سکو گی۔"

"میں اس لگی بندھی زندگی سے بیزار تو نہیں ہوں۔" کملا مسکرائی۔ "بہرحال تم کام بتاؤ۔"

"کچھ دن کے لیے تمہیں بی آر فلم اسٹوڈیوز میں سر کھپانا ہو گا۔" ورما بتانے لگا۔ "وہاں ہماری ایجنسی کے ذریعے منسٹری آف ڈیفنس کے لیے ایک چھوٹی سی فلم بن رہی ہے۔ اس کا مقصد نوجوانوں کو ایئرفورس میں بھرتی کی ترغیب دلانا ہے۔ یوں تو ایئرفورس کا ایک آفیسر نگرانی کے لیے موجود ہے اور ہم نے ایک پروفیشنل فلم ڈائریکٹر کی خدمات بھی حاصل کی ہیں لیکن تخلیقی زاویوں سے فلم بندی کا اصل کام تمہیں کروانا ہے۔ فلم میں باقاعدہ پیشہ ور اداکار ایئرفورس کے آفیسرز کا کردار کر رہے ہیں۔ میں نے ہی تجویز پیش کی تھی کہ اصل آفیسرز کے بجائے پیشہ ور اداکار اس فلم کو زیادہ متاثر کن بنا سکتے ہیں۔ شکر ہے محکمے نے میری بات مان لی۔ ورنہ کئی آفیسرز کو کیمرے کے سامنے آنے کا شوق ہو رہا تھا۔

"لیکن میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گی؟" کملا نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہے' تم ہی سب کچھ کر سکو گی۔ تمہاری نگرانی میں ایک عمدہ فلم تیار ہو سکے گی۔" ورما نے وثوق سے کہا۔ "تم اسکرپٹ پڑھ لو اور اس کے بعد جو مسائل تمہارے ذہن میں آئیں ان پر مجھ سے تبادلہ خیال کر لو۔ میں تمہیں ہر بات سمجھا دوں گا۔ ویسے بھی اصل ٹیکنیکل کام کے لیے تو ہم ڈائریکٹر ہائر کر ہی چکے ہیں۔"

"اچھا ...... جیسے تمہاری مرضی۔" کملا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

دوسرا تقریباً پورا دن انہوں نے اس فلم کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے ہوئے گزارا۔ اسکرپٹ کملا پڑھ چکی تھی اور ورما سے پورا دن اس سلسلے میں سیشن کرنے کے

بعد اسے احساس ہونے لگا کہ یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں تھا۔ اسٹوڈیو جانے کے لیے اس میں پوری طرح خوداعتمادی آ گئی۔ اسے ذہنی طور پر اس کام کے لیے تیار کرنے کے بعد دوسرے دن ورما لندن چلا گیا۔

دو دن بعد دفتر میں کملا کو رگھو کمار کا فون آ گیا۔ وہ اس فلم کا ٹیکنیکل ڈائریکٹر تھا جس کی تیاری کی نگرانی کے لیے کملا کو جانا تھا۔ آواز سے وہ نوجوان ہی معلوم ہوتا تھا۔ شگفتہ لہجے میں بولا۔ ”کملا دیوی! شوٹنگ شروع کرنے کے لیے ساری تیاریاں مکمل ہیں لیکن مسٹر ورما تاکید کر کے گئے تھے کہ آپ کو بلائے بغیر کوئی شوٹنگ نہ کی جائے۔ تو براہ مہربانی آپ بی آر اسٹوڈیوز کے فلور نمبر تیرہ پر تشریف لے آئیے۔“

”دیکھئے رگھو جی ...... بی آر اسٹوڈیوز میں نے دیکھا نہیں ہے ......“ کملا نے کہنا چاہا۔

”نو پرابلم ......“ رگھو نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”ایئر فورس والوں نے ہمیں بڑی سہولتیں دے رکھی ہیں۔ میں آپ کو لینے کے لیے ایئر فورس کی گاڑی بھیج دیتا ہوں۔ ڈرائیور آپ کو سیدھا فلور پر لے آئے گا۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“ کملا نے اطمینان محسوس کرتے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔
اس کا دل ایک عجیب سے اشتیاق سے دھڑک رہا تھا۔ آج وہ ایک ایسا کام کرنے جا رہی تھی جس کے اس نے کبھی خواب دیکھے تھے۔ خوش شکل لڑکیاں اگر فلم کے بارے میں کوئی خواب دیکھتی بھی ہیں تو ہیروئن بننے کے دیکھتی ہیں مگر کملا کو نو عمری میں فلم کی ڈائریکشن دینے کا بہت شوق تھا جبکہ اس وقت اسے فلم کی ابجد کا بھی پتا نہیں تھا۔ آج خواہ اسے ایک چھوٹی سی پبلسٹی فلم کے ذریعے ہی سہی، لیکن بہرحال اپنے شوق کی تکمیل کا موقع مل رہا تھا۔ تاہم اس نے ورما کو قطعاً یہ تاثر نہیں دیا تھا کہ اسے اس کام کا شوق تھا۔

ایک گھنٹے بعد گاڑی اسے لینے آ گئی۔ ایئر فورس کی اس جیپ میں بیٹھ کر وہ بی آر اسٹوڈیوز روانہ ہو گئی۔ ڈرائیور نے اسے فلور نمبر تیرہ کے بھاری بھرکم دروازے پر پہنچا دیا اور خود واپس چلا گیا۔

کملا اندر پہنچی تو بہت بڑے ہال میں ایک کونے میں اسے ایک فوجی دفتر کا سیٹ لگا

نظر آیا۔ بیسیوں ٹیکنیشن اپنے کاموں میں مصروف تھے اور ایئر فورس کی وردیوں میں ملبوس بیسیوں آدمی تیزی سے ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ ایک کو روک کر کملا نے پوچھا کہ رگھو کمار کہاں ہے، تو اس نے سانولے سے ایک دبلے پتلے نوجوان کی طرف اشارہ کیا جو ایک ایسے شخص پر برس رہا تھا جس کے جسم پر اسکواڈرن لیڈر کی وردی تھی۔

رگھو کمار چلا رہا تھا۔ ”کوئی بھی الو کا پٹھا اسکواڈرن لیڈر سے کم عہدے کی وردی پہننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ پھر ماتحتوں کی وردیاں کون پہنے گا؟ تم لوگ یہاں فلم میں کام کرنے آئے ہو یا سچ مچ اپنے آپ کو آفیسر سمجھ رہے ہو ......؟“

کملا نے قریب جا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور اپنا تعارف کرایا۔ اس نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ ”شکر ہے، آپ آ گئیں۔ میرا تو بھیجا خالی ہو گیا اس کام میں، حالانکہ کام ابھی شروع ہی نہیں ہوا۔ میں نے بیسیوں کمرشلز بنائی ہیں، لیکن ایسا بیکار کام کبھی نہیں کیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ فوجی قسم کے کام کیسے واہیات ہوتے ہیں۔“

پھر وہ اسکرپٹ کملا کو تھماتے ہوئے بولا۔ ”آپ ذرا تیاریوں کا جائزہ لیں، میں ابھی آتا ہوں۔ ہو سکے تو آپ کام شروع کرائیں۔ یہ میرا اسسٹنٹ بھولے رام یہاں موجود ہے۔ یہ آپ کی مدد کرے گا۔“ اس نے ایک اور سانولے سے نوجوان کی طرف اشارہ کیا جو اس سے بھی دبلا تھا اور اتنی تیزی سے پان چبا رہا تھا، جیسے پان چبانے کے کسی مقابلے میں حصہ لے رہا ہو۔

رگھو کمار یوں ہال سے بھاگا جیسے قید سے چھوٹا ہو۔ بھولے رام سر کھجاتے ہوئے بولا۔ ”چیف اب دو گھنٹے سے پہلے واپس نہیں آئے گا۔ بعض اوقات تو وہ ابھی کا کہہ کر جاتا ہے تو دوسرے روز ہی واپس آتا ہے۔ سارا کام مجھے کرنا پڑتا ہے۔“

”تو چلو پھر شروع کرتے ہیں۔“ کملا مسکراتے ہوئے بولی۔ اس نے ان چالیس اداکاروں اور ایکسٹراؤں پر نظر ڈالی جو بے پروائی سے ادھر ادھر گھوم رہے تھے یا پھر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ بھولے رام کی مدد سے کملا نے بمشکل ان سب کو کام کی طرف متوجہ کیا اور ایک لائن میں کھڑا کر دیا تاکہ ان کی وردیوں کا جائزہ لے سکے۔

ان میں سے تقریباً آدھے ایکسٹرا لڑکوں کو وردیاں فٹ نہیں تھیں۔ کسی کی پتلون

ڈھیلی تھی تو کسی کی قمیص تنگ۔ کملا نے ان سب کو واپس کاسٹیوم ڈیپارٹمنٹ میں بھیج دیا کہ وہ دوسری وردیاں پہن کر آئیں یا ایک دوسرے سے تبدیل کر کے آئیں۔

اس دوران وہ لائٹنگ اور دوسرے انتظامات کا جائزہ لینے لگی۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک باوردی ایکسٹرا ابھی تک دور ایک گوشے میں کھڑا تین چنچل سی لڑکیوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ نہ جانے وہ انہیں کیا سنا رہا تھا کہ وہ ہنس ہنس کر دہری ہوئی جا رہی تھیں اور بات بات پر اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار رہی تھیں۔ کملا کو کام کے اوقات میں اس قسم کی حرکتیں نہایت بے ہودہ لگتی تھیں۔

"اے مسٹر......!" کملا نے سخت لہجے میں اسے پکارا۔ نوجوان نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے حد وجیہہ تھا۔ یقیناً ہیرو بننے آیا ہو گا مگر ٹھوکریں کھا کر ایکسٹرا ہی بنے رہنے پر قناعت کر لی ہو گی۔ کملا اپنے مطالعے کی بنا پر جانتی تھی کہ فلمی دنیا ایک دلدل تھی۔ ایک بار جو ٹھوکر کھا کر گر گیا سو گر گیا۔ پھر اس کا بلندیوں کی طرف آنا مشکل تھا۔

"آپ نے مجھے بلایا؟" نوجوان نے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر پوچھا۔

"ہاں ......" کملا نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہاں سب لائن میں کھڑے ہیں اور تم ابھی تک وہیں کھڑے گپیں لڑا رہے ہو۔"

نوجوان نے پلٹ کر لڑکیوں سے سرگوشی میں کچھ کہا۔ وہ بے ساختہ ہنس دیں۔ پھر نوجوان اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کر کے کھٹ کھٹ کرتا دوسرے ایکسٹراؤں کے ساتھ آن کھڑا ہوا۔ کملا نے دیکھا کہ وردی تو اس کے متناسب اور کسرتی جسم پر فٹ تھی مگر اس نے نہ صرف کیپٹن کے عہدے کی رنگین پٹیاں کندھوں پر لگائی ہوئی تھیں بلکہ سینے پر دو تین تمغے بھی لٹکا رکھے تھے۔

"بڑا شوق ہے تمہیں اپنے آپ کو بہادر ظاہر کرنے کا۔" کملا نے اس کے تمغوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اس نے جھک کر تمغوں کی طرف دیکھا اور ایک لمحے کے لیے کچھ سوچ کر بولا۔

"میرا خیال تھا کہ اس طرح فلم میں کچھ رنگینی پیدا ہو جائے گی۔"

"لیکن شاید تمہیں یاد نہیں رہا......" کملا پہلے سے زیادہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "کہ

ہمارے شروع کے سین زمانہ جنگ سے پہلے کے ہیں۔ جب تماشائی دیکھیں گے کہ ایک کیپٹن صاحب میدان جنگ میں جانے سے پہلے ہی شجاعت کے اتنے تمغے لٹکائے پھر رہے ہیں تو وہ ڈائریکٹر کی قابلیت پر سر پیٹ لیں گے۔ جاؤ جا کر یہ تمغے اتار کر آؤ۔

"یس باس!" اس نے کملا کو سلیوٹ کیا اور ایڑیوں کے بل گھوم گیا۔ ہونٹوں پر اب بھی وہی مسکراہٹ تھی جس کی وجہ سے کملا کو زیادہ خار آ رہا تھا۔

"مجھے باس کہنے کی ضرورت نہیں۔" وہ غرائی اور بھولے رام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

جوں توں کر کے کام شروع ہو گیا اور کملا نے چند شاٹ پکچرائز کروا لیے۔ اس دوران ایکسٹرا لڑکے وردیاں بدل کر آ گئے تھے۔ وہ ایکسٹرا بھی تمغے اتار آیا تھا جس سے کملا کو چڑ سی ہو گئی تھی۔ کملا نے اسے دو مکالمے ادا کرنے کے لیے دیے جو اس نے کیمرے کے سامنے خاصی عمدگی سے ادا کیے۔

وقفے کے دوران وہ بھولے رام کے ساتھ اسٹوڈیو کے ریستوران میں کھانے کھانے چلی گئی۔ وہاں اس کے اپنے سیٹ پر کام کرنے والے باوردی اداکاروں کے علاوہ دوسری کئی فلموں کے اداکار بھی کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ ایک طرف کملا نے اسی ایکسٹرا کو بھی انہی تین چیپ سی لڑکیوں کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ اس نے کملا کو دیکھا تو ایک بار پھر پہلے کی طرح رازدارانہ انداز میں جھک کر لڑکیوں سے کچھ کہا۔ پھر انہیں ہنستا چھوڑ کر اٹھ کر سیدھا کملا کی طرف آیا۔

"اب کیا کہنا چاہتے ہو؟" کملا نے دور ہی سے پوچھا۔

"کیا آپ واقعی جاننا چاہتی ہیں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟" اس نے قریب آ کر اس کی میز پر جھکتے ہوئے اور اسی چڑانے والے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھو......" کملا کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔

"کیا میں ایک منٹ کے لیے آپ کے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں؟" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا اور اس سے پہلے کہ کملا کوئی جواب دیتی' وہ بیٹھ بھی چکا تھا۔ "میں دراصل صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ صبح میں نے کام ٹھیک بھی کیا تھا یا نہیں؟ آپ کچھ متاثر ہوئیں؟"

"تم سے صرف وہی متاثر ہو سکتی ہیں۔" کملا نے آنکھوں سے اس کی ساتھی لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "میری نظر میں تم آدمی بھی فضول ہو اور ایکٹر بھی۔"

"آخر آپ میری کس حرکت پر ناراض ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
صحیح معنوں میں دیکھا جاتا تو کملا کو اس سے خدا واسطے کا بیر ہو چلا تھا' تاہم وہ یہ بلا جواز بات اس سے نہیں کہہ سکتی تھی۔

"تمہاری تمام حرکات و سکنات ہی مجھے زہر لگ رہی ہیں۔" وہ گویا پھٹ پڑی۔

"اوہ ......" نوجوان ایکسٹرا نے فکرمندی سے ہونٹ سکیڑے۔ "کیوں نہ آج رات کے کھانے پر باہمی تعلقات بہتر بنانے کے موضوع پر گفتگو کریں۔ جو ہو پر ایک نیا ریستوران کھلا ہے جہاں سی فوڈ ......"

کملا کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ غصے سے اس کے رخسار تمتما اٹھے تھے۔ چیخ کر بات کرنا اس کی عادت نہیں تھی' مگر اس وقت وہ خلاف عادت چلا اٹھی۔ "دفع ہو جاؤ اور سیٹ پر واپس آنے کی زحمت نہ کرنا۔ تمہارے جو بھی پیسے ویسے بنتے ہوں گے رگھوکمار سے لے لینا۔ ہمارے ہاں سے ادائیگی چیک کے ذریعے ہوتی ہے۔ کس نام سے بنے گا تمہارا چیک۔"

"چیک کو تو چھوڑیں۔" وہ بدستور ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔ "ویسے میرا نام کرشن ہے۔"

کملا نے بھولے رام کو اشارہ کیا اور وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیٹ کی طرف واپس جاتے وقت کملا نے بھولے رام سے پوچھا۔ "کیا یہ لفنگا کافی عرصے سے فلموں میں کام کر رہا ہے؟"

"نہیں جی۔ میں نے تو اسے آج ہی سیٹ پر دیکھا ہے۔ اسے تو وردی بھی میں نے نہیں دلوائی۔ معلوم نہیں کہاں سے پہن کر آ گیا۔" پھر ایک لمحے کے توقف سے بولا۔ "ویسے میں خود بھی یہاں نیا ہوں۔ چیف زیادہ تر پبلسٹی فلموں کا ہی کام کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے ہم لوگ کسی چھوٹے موٹے اسٹوڈیو میں شفٹ لے لیتے ہیں۔ اتنے بڑے فلم اسٹوڈیو میں کام کرنے کا یہ میرا پہلا موقع ہے۔"

کملا کو اندازہ ہو گیا کہ یہاں سب کام تکے سے ہی ہو رہا تھا۔ اس فلم کا اللہ ہی

حافظ تھا۔ اس کا جوش و خروش کچھ ٹھنڈا سا ہو گیا تھا۔ کام کیا' ایک طرح کا درد سر تھا اور نہایت غیر منظم انداز میں ہو رہا تھا۔ اگر ورما نے شروع سے یہ پراجیکٹ اسے سونپ دیا ہوتا تو وہ اسے باقاعدہ منصوبہ بندی اور سلیقے سے کرتی۔ بہرحال جوں توں وہ کام بھگتاتی رہی۔ کرشن اس کے بعد سیٹ پر نظر نہیں آیا۔

دوسرے روز وہ سیٹ پر پہنچی تو کم عمر اور مفلوک الحال سے ایک لڑکے نے کاغذ میں لپٹی ہوئی کوئی پھولی پھولی اور لمبی سی چیز لا کر اسے دی۔ اس کے ساتھ ایک خط بھی تھا۔

"بی بی جی! یہ باہر ایک صاحب نے مجھے دیا تھا کہ آپ کو پہنچا دوں۔" لڑکے نے کہا۔ پھر وہ پرامید سے لہجے میں بولا۔ "انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جب میں یہ چیزیں آپ کو لا کر دوں گا تو آپ مجھے بیس روپے دیں گی۔"

کملا کو اس پر ترس سا آیا۔ اس نے بلا سوچے سمجھے بیس روپے نکال کر اسے دے دیئے۔ وہ آج ایک کونے میں میز پر قدرے لاتعلق سی بیٹھی تھی۔ رگھوکمار اور بھولے رام خود ہی کام میں مصروف تھے۔ انہیں ایئر فورس کے بارے میں کوئی بات معلوم کرنی ہوتی تھی تو ایک فلائٹ لیفٹیننٹ سے معلوم کر لیتے تھے جو ان کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا اور سیٹ پر ہی موجود تھا۔

کملا نے پیکٹ کھولا۔ وہ رنگارنگ قسم کا ایک خوبصورت گلدستہ تھا۔ اس کیساتھ کوئی کارڈ وغیرہ نہیں تھا۔ انداز میں اس نے لفافہ کھولا۔ اندر ایک مختصر سا خط تھا۔ لکھا تھا:

""قاصد کو بھی میں خود ہی ادائیگی کر کے بھیجتا لیکن کیا کروں ...... مالی حالات خراب ہو گئے۔ بڑی مشکل سے فلم میں تھوڑا سا کام ملا تھا' اس سے بھی آپ نے نکلوا دیا۔ بہرحال ان باتوں سے میری محبت میں کمی نہیں آئی۔ بے پناہ محبت کے ساتھ آپ کا کرشن۔"

کملا نے خط پھاڑ کر اور گلدستہ توڑ مروڑ کر ایک کونے میں پھینک دیا جہاں اور بھی بہت سا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی شخص اتنا ڈھیٹ بھی ہو سکتا تھا۔ اس نے کل والے واقعے کا رگھوکمار سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا اور

بھولے رام بھی شاید کام کی افراتفری میں اس بات کو بھول گیا تھا۔ کرشن خود ہی سیٹ پر نہیں آیا تھا۔ اگر وہ آتا تو کملا یقیناً کل سے زیادہ عبرت ناک طریقے سے اس کی خبر لیتی۔

ایک ہفتے میں کملا کا کام ختم ہو گیا۔ اب صرف آؤٹ ڈور میں ایئر فورس بیس پر طیاروں کی پرواز وغیرہ کے کچھ مناظر فلمبند ہونا تھے۔ ان کے لیے کملا کو جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے اب تک کی فلم کے آزمائشی پرنٹ دیکھے اور انہیں پاس کر دیا۔ اب اسے اسٹوڈیو آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جتنی خوشی اسے یہاں آتے وقت ہوئی تھی' اس سے زیادہ واپس جاتے وقت ہو رہی تھی۔ یہ فلم فلم نرا درد سر ثابت ہوئی تھی اور پھر اس مردود کرشن کے بچے نے شروع میں ہی اتنا دل جلا دیا تھا۔

ایک ہفتے کی چھٹی کے بعد وہ دفتر پہنچی تو فائلوں وغیرہ کا ایک انبار اس کا منتظر تھا۔ اس کی اور ورما کی عدم موجودگی میں بہت کام جمع ہو گیا تھا۔ دوپہر تک وہ بری طرح کام میں الجھی رہی۔ اسی دوران اس کی اسسٹنٹ مونا نے انٹرکام پر اسے اطلاع دی کہ اس کے لیے کرشن نامی کسی صاحب کا فون ہے۔

"اسے ٹال دو۔" کملا نے تیزی سے کہا' پھر کچھ سوچ کر بولی۔"

"اچھا۔ میں خود ہی بات کرتی ہوں۔" اس نے اپنے ٹیلی فون سیٹ کا بٹن دباتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔

"مسٹر کرشن ......!" وہ پھنکاری۔

"اوہ ......" کرشن نے گہری سانس لے کر اس کی بات کاٹ دی۔ "کتنی مشکل سے تم سے رابطہ قائم ہوا ہے۔ میں اصل میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا تمہیں پھول پسند نہیں ہیں؟"

"مسٹر کرشن!" غصے کی شدت سے کملا کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ "مجھے پھول بہت پسند ہیں لیکن تم بہت ناپسند ہو۔ اور تم سے تعلق رکھنے والی ہر چیز بھی۔ سمجھ گئے۔!" اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اب واقعی شدت سے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ورما لندن سے جلد از جلد واپس آ جائے۔

تیسرے دن اسے ڈاک میں کرشن کی ایک بڑی سی رنگین ...... تصویر موصول

ہوئی۔ کملا نے اپنی اسسٹنٹ مونا کے سامنے ہی اسے پرزے پرزے کر دیا۔

"ہائے ...... کتنی خوبصورت تصویر تھی۔" مونا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ وہ ایک نوعمر اور سانولی سلونی سی دلکش کرسچین لڑکی تھی۔

کملا گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مربیانہ لہجے میں بولی۔ "فلم اسٹوڈیوز میں بڑے خوبصورت سیٹ لگتے ہیں مگر ان کی کوئی بنیادیں نہیں ہوتیں۔ یہی معاملہ وہاں کے انسانوں کا ہے۔"

اگلے دو ہفتوں میں کرشن نے کم از کم پچاس مرتبہ فون کیا۔ کملا نے ایک بھی کال ریسو نہیں کی بلکہ اس کے بعد اس نے مونا کو منع ہی کر دیا کہ وہ کرشن کے فون کی اسے اطلاع ہی نہ دیا کرے۔ پھر بھی ایک بار مونا نے جھجکتے جھجکتے ذکر کر ہی دیا۔ "آج پھر اس کا فون آیا تھا۔ بے چارہ افسردہ' پریشان اور کچھ کھویا کھویا سا لگ رہا تھا۔"

"وہ واقعی کھویا ہوا ہے۔" کملا نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور اگر تم میں ذرا بھی عقل ہے تو اسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

پھر وہ مونا کو چند ضروری کام سمجھانے لگی۔ ساتھ ہی وہ سوچنے لگی کہ دنیا کرشن جیسے نوجوانوں سے بھری پڑی ہے جن کی حرکتیں اور ذہنیت فلمی ہوتی ہے۔ اب اس کے مقابلے میں آنند ورما کی سنجیدگی' متانت' بردباری اور دھیمے پن پر پہلے سے بھی زیادہ پیار آنے لگا۔ "مرد میں وقار اور انا نہ ہو تو کیا فائدہ؟" اس نے سوچا۔ "محض منہ زور جوانی ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔"

اگلے اتوار کو ورما واپس آ رہا تھا۔ کملا اسے لینے ایئرپورٹ پہنچی۔ جس بے تابی سے وہ ورما سے ملی اس پر اسے خود بھی حیرت ہوئی۔ اس کی گرمجوشی دیکھ کر ورما بھی خوش نظر آ رہا تھا۔ لگتا ہے تم نے میری کمی شدت سے محسوس کی ہے۔ وہ بولا۔

"بہت شدت سے۔" کملا نے جواب دیا۔ "تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ مجھے خود پہلی بار معلوم ہوا ہے کہ تمہاری غیرموجودگی میں' میں اپنے آپ کو غیرمحفوظ سا محسوس کرنے لگی ہوں۔ جیسے کوئی پتا نہیں' مجھ سے کیا لوٹ کر لے جائے گا۔"

"چلو' میری واپسی کی خوشی میں آج جمخانہ کلب میں چھوٹا سا جشن منائیں گے۔" ورما نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فی الحال تم مجھے گھر اتار دو۔ مجھے چند ضروری ٹیلی

فون کرنے ہیں۔ رات کو آٹھ بجے تم مجھے کلب میں ہی ملنا۔"

"ٹھیک ہے۔" کملا نے کہا او ورما کو اس کے گھر اتار کر اپنے اپارٹمنٹ پہنچ گئی۔

آج وہ غسل' لباس' سنگھار' بالوں کی آرائش اور خوشبوؤں کے انتخاب پر خصوصی توجہ دے رہی تھی۔ لاشعوری انداز میں وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں ورما آج اس سے شادی کی بات کرنے کا ارادہ تو نہیں رکھتا؟

اس تصور سے اس کے جسم میں کوئی خاص سنسنی دوڑی اور کملا نے محسوس کیا کہ وہ اب پہلے والی کملا نہیں رہی' بہت بدل چکی ہے۔ کوئی زمانہ تھا کہ شادی کے تصور سے اس کے ہر مسام جاں سے تپش پھوٹنے لگتی تھی۔

رات کو کملا جمخانہ کلب پہنچی تو ورما لابی میں ہی اس کا منتظر تھا۔ وہ یقیناً کچھ آرام کرکے' سفر کی تھکن اتار کر آیا تھا۔ خاصا تازہ دم نظر آ رہا تھا۔ کئی لمحے کے لیے وہ کملا کو دیکھتا رہ گیا۔

"اف کملا......! آج تو تمہیں دیکھ کر آنکھیں چندھیا رہی ہیں۔" ورما کا لہجہ اتنی سنجیدگی لیے ہوئے تھا کہ کملا اسے محض تعریف برائے تعریف سمجھ کر رسمی انداز میں ہنس بھی نہ سکی۔ وہ اپنی ریزروڈ میز پر جا بیٹھے۔ ان کے لیے اسپیشل ڈنر تیار ہو رہا تھا۔ ورما نے اپنے لیے بیئر کا آرڈر دیا۔ وہ کبھی کبھار تھوڑی سی پی لیتا تھا' لیکن کملا نے کبھی چکھی بھی نہیں تھی۔ اس نے اپنے لیے کولڈ ڈرنک کا آرڈر دیا۔

"ورما ......!" کملا کوئی بات شروع کرنے ہی لگی تھی کہ اچانک اسے سکتہ سا ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ وہی ڈھیٹ کرشن نہایت عمدہ تھری پیس سوٹ میں ان کی طرف چلا آ رہا تھا اور اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔ جمخانہ کلب شہر کے بہت اونچے اور خاص امراء یا ان کے مہمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ اس کی ممبر شپ بہت محدود تھی۔ کملا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فلموں کا ایک ایکسٹرا وہاں کس طرح منہ اٹھائے پھر رہا تھا۔

"نمستے ......!" قریب آ کر اس نے کہا لیکن اس نے کملا کو نہیں بلکہ ورما کو مخاطب کیا تھا اور یہ دیکھ کر کملا کو حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا لگا کہ ورما بھی اٹھ کر اس سے گرمجوشی سے ہاتھ ملا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی

کرشن!"

"بیٹھو ...... بیٹھو ......" ورما نے کہا' پھر وہ کملا سے مخاطب ہوا۔ "ان سے ملو کملا! یہ کیپٹن کرشن ہے۔ ایئرفورس میں ہے۔ کئی بار موت کے منہ میں جاتے جاتے بچا ہے' لیکن پھر بھی اس میں سنجیدگی نام کو نہیں آئی۔ فلمی ہیرو کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ اس کے بارے میں میری پیش گوئی ہے کہ ایک دن اسے ایئر فورس سے نکال دیا جائے گا۔"

"ہاں ...... ایسے آثار تو واضح ہو چکے ہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اصل میں وہ اس الجھن میں ہیں کہ نکالنے سے پہلے مرا صرف کورٹ مارشل کریں یا مجھے پھانسی دے دیں۔"

"میرا خیال ہے' پھانسی مناسب رہے گی۔" ورما نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا' پھر دونوں نے ہم آہنگ ہو کر قہقہہ لگایا اور ورما نے پوچھا۔ "کیا پیو گے؟"

"اسکاچ اور سوڈا۔" کرشن نے بے تکلفی سے کہا۔

"ایک میرے لیے بھی منگوانا۔" کملا بے اختیار بول اٹھی۔ ورما نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "میں نے سوچا ہے' آج سے میں بھی تھوڑی بہت شروع کر دوں۔ پارٹیوں میں بعض اوقات تو پینا پلانا ضروری محسوس ہوتا ہے۔"

ورما نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اس کے لیے بھی اسکاچ سوڈا کا آرڈر دے دیا۔ پھر وہ دوبارہ کرشن کی طرف متوجہ ہوا۔ "تمہارے بارے میں اڑتی اڑتی خبریں تو ملتی رہتی تھیں لیکن یہ امید نہیں تھی کہ یوں اچانک یہاں تم سے ملاقات ہو جائے گی۔"

"وہ دراصل ایئر فورس والوں کو اپنے بارے میں ایک فلم بنوانے کا شوق چرایا ہے نا۔ اس کے سلسلے میں مجھے حکم ملا کہ کوآرڈی نیشن آفیسر کے طور پر بمبئی چلا جاؤں۔ فلم بنانے والوں کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ انہیں مہیا کروں۔ انہیں کوئی دقت نہ ہو۔ ٹیکنیکل ڈائریکٹر کے طور پر ایک آفیسر کو پہلے ہی بھیجا جا چکا تھا۔ پیچھے پیچھے میں بھی آ گیا۔ یہاں آ کر مجھے پتا چلا کہ جو کمپنی فلم بنا رہی ہے' وہ تمہاری ہے۔ میں تو یہ

جان کر بڑے شوق سے اسٹوڈیو گیا کہ چلو' اس بہانے اپنے یار سے ملاقات ہو جائے گی لیکن تم وہاں کہیں نظر ہی نہیں آئے۔"

"مجھے اچانک لندن جانا پڑ گیا تھا۔" ورما بولا۔ "لیکن میں نے کملا کو وہاں بھیج دیا تھا۔ حیرت ہے ...... کیا تمہاری اسٹوڈیو میں کملا سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

کملا کو یقین تھا کہ اب کرشن وہ تمام واقعات سنائے گا جو اسٹوڈیو میں بیتے تھے اور وہ دونوں کملا کی حماقت پر ہنس ہنس کر دہرے ہو جائیں گے۔ کرشن حقیقتاً کیپٹن تھا اور کملا نے اسے ایکسٹرا سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور وہ بھی حقیقت ظاہر کیے بغیر اسے چڑاتا رہا تھا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے خفت اور خجالت کے مارے کملا کا جی چاہ رہا تھا کہ میز کے نیچے گھس جائے۔

کرشن نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر نہایت سنجیدگی سے کملا کی طرف دیکھا۔ اس کی سیاہ چمکیلی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی جھلک نہیں تھی۔

"دراصل سیٹ پر بڑی بھیڑ بھاڑ تھی۔" وہ بردباری سے کہہ رہا تھا۔ "شاید اسی لیے میرا مس کملا سے سامنا نہیں ہو سکا۔ ویسے بھی ہم تو وہاں صرف فلم والوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے موجود تھے اور تو کسی چیز میں ہم کو دخل دینا ہی نہیں تھا اور مس کملا کو کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں پڑی ہو گی۔ اس لیے ہم سے سامنا ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی ہو گی۔"

اسکاچ کے گلاس آئے تو کملا عادی پینے والوں کی طرح تیزی سے اپنا گلاس خالی کر گئی۔ اس کا سر گھومنے لگا اور ہاتھ پاؤں تپ گئے' تاہم جلد ہی اس کی حالت سنبھل گئی پھر ورما اسے بتانے لگا۔ "کملا! تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ میری دوستی اصل میں کرشن کے چچا سے تھی جو یہاں بمبئی میں ہی رہتا تھا۔ کرشن نوجوانی میں کبھی کبھی اس سے ملنے آتا تھا تو اس سے بھی ملاقات ہو جاتی تھی۔ چچا تو کافی عرصہ پہلے ملک سے باہر چلا گیا اور پھر لوٹ کر نہیں آیا' لیکن بھتیجے سے دوستی ابھی تک چل رہی ہے۔ یہ جب بھی بمبئی آتا ہے تو مجھ سے ملاقات ضرور کرتا ہے۔"

کملا بالکل چپ بیٹھی تھی۔ وہ ابھی تک اس قابل نہیں ہو سکی تھی کہ کسی بات پر کوئی تبصرہ کرتی یا گفتگو میں حصہ لیتی۔ کرشن اور ورما کھانے کے دوران بھی باتیں

کرتے رہے۔ کملا نے نہایت آہستگی سے بمشکل چند لقمے زہر مار کیے۔

کرشن کی متانت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ اس کی شخصیت میں اس وقت اس کرشن کی کوئی جھلک نظر نہیں آ رہی تھی' جس سے اسٹوڈیو میں کملا کا ٹکراؤ ہوا تھا۔ گفتگو کے دوران بارہا کملا اور کرشن کی نظریں ملیں۔ بظاہر اس کا انداز سرسری تھا' لیکن ہر بار کملا کو اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ایک شرارت' ہلکا سا احساس فتح اور ایک بے عنوان سا پیغام جھلکتا نظر آیا جیسے وہ کہہ رہا ہو ...... "دیکھا ......؟ ہم دونوں مل کر ورما کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔" اور ورما سے کوئی بات راز رکھنے کا احساس کملا کے لیے اذیت ناک تھا۔

اسے کرشن سے خوف بھی آ رہا تھا۔ وہ اس کی شخصیت کے سحر سے بچنے کے لیے مزاحمت کر رہی تھی۔ کوئی غیبی قوت اسے بتا رہی تھی کہ اگر وہ مقناطیسیت کے اس جال میں پھنس گئی تو برباد ہو جائے گی۔ اس کی زندگی کے پر سکون اور ہموار راستے میں دراڑیں پڑ جائیں گی۔

اس دوران کملا نے ایک ڈرنک اور لے لی تھی حالانکہ ورما نے اسے منع بھی کیا تھا لیکن اسے اپنے اعصاب کو قابو میں رکھنے کے لیے کسی چیز کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ پینے کے اثرات کیا ہوتے ہیں' لیکن اس نے اکثر دیکھا تھا کہ لوگ پریشانی کے عالم میں پینے لگتے ہیں۔ بس وہ بھی پینے بیٹھ گئی تھی۔ اب اس کے اندر عجیب سا ہیجان برپا تھا۔ اسے کرشن سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ کئی بار اس کا جی چاہا کہ گلاس اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارے۔ کھانا ختم ہونے تک کملا کو اپنے محسوسات سے وحشت ہونے لگی تھی۔ اس کا سر بری طرح بوجھل ہو رہا تھا اور وہ بولتے وقت ہکلانے لگی تھی۔

"میرا خیال ہے ...... ہمیں اب چلنا چاہیے ورما!" کملا نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

"دراصل آج تم نے پہلی مرتبہ پی اور کچھ جارحانہ انداز میں پی لی۔" ورما نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے کرشن سے اجازت لی اور کملا کا ہاتھ تھام کر باہر چل دیا۔ کملا مڑ کر نہیں دیکھ رہی تھی مگر اسے احساس تھا کہ کرشن اپنی جگہ بیٹھا گہری گہری نظروں سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے وجود پر اس کی نظروں کا باقاعدہ لمس

محسوس کر رہی تھی۔

دوسری صبح وہ سو کر اٹھی تو اس کے سر میں شدید درد تھا۔ وہ مریضوں کی طرح اپنے آپ کو گھسیٹتی ہوئی اٹھی اور اسپرین کی تین گولیاں کھانے کے بعد دفتر جانے کی تیاری کرنے لگی۔ گزشتہ رات کا ایک ایک لمحہ اس کے ذہن پر نقش تھا اور وہ دانت پیستے ہوئے دل ہی دل میں کرشن کو کوس رہی تھی۔ اس شخص نے خواہ مخواہ نہ جانے کہاں سے نمودار ہو کر اس کی پرسکون زندگی میں تلاطم برپا کر دیا تھا۔

دفتر پہنچ کر وہ اپنی میز پر بیٹھی ہی تھی کہ مونا انٹرکام پر بڑے جوش و خروش سے بولی۔ "کرشن کا صبح سے تین مرتبہ فون آ چکا ہے۔ وہ تو باس کا دوست نکلا...... اور ایئر فورس میں ہے...... وہ بتا رہا تھا کہ آپ سے اس کی صلح ہو گئی ہے اور آپ نے اسے معاف کر دیا ہے۔"

"اگر تمہارا جوش و خروش کچھ کم ہو گیا ہو تو ہم تھوڑا سا کام کر لیں۔" کملا اس کی بات کاٹتے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔ "تم اگر اپنی زندگی میں امن، سکون اور شانتی چاہتی ہو تو کرشن پر لعنت بھیج دو۔"

"سوری......" مونا نے کہا اور انٹرکام بند کر دیا۔

درحقیقت کملا کی کرشن سے نفرت اب ایک طرح کے خوف میں ڈھل چکی تھی۔ وہ چاہتی تو اس سے بات کر کے شائستگی سے اسے منع کر سکتی تھی کہ وہ اس کو فون نہ کرے، اس سے رسم و راہ بڑھانے کی کوشش نہ کرے، وہ اپنے آپ کو ایک طرح سے آنند ورما کی امانت سمجھتی ہے۔ آج بھی اس نے اپنے آپ کو ورما کے لیے وقف کر رکھا ہے اور کل کو باقاعدہ شادی کے بعد بھی وہ اسی کی ہو کر رہنا چاہتی ہے۔ لیکن درحقیقت کملا کو کرشن سے بات کرنے کے تصور سے ہی خوف آتا تھا۔ اسے احساس تھا کہ وہ شخص ایک آتش فشاں تھا، اور اگر وہ ایک بار بھی اس کے قریب چلی گئی تو بھسم ہو جائے گی۔ اس سے بات کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اس کی شخصیت میں الجھ جانے کا تصور شاید کملا کو اتنا خوفناک محسوس نہ ہوتا لیکن جو احساس اس کی انا کو کچوکے لگاتا تھا، وہ یہ تھا کہ اس سے پہلے بھی اس طوفان میں نہ جانے کتنی لڑکیاں الجھی ہوں گی اور نہ جانے کتنی آئندہ الجھیں گی۔ کرشن ان لوگوں میں

سے ہرگز نہیں تھا جنہیں ملکیت بنا کر رکھا جا سکے یا جس کی ملکیت بن کر رہا جا سکے۔ اس کے در ہستی پر جانا تو ایسا ہی تھا جیسے کوئی قصائی کی دکان پر جائے اور اپنی باری کے انتظار میں کھڑا ہو جائے۔

لہٰذا کملا اس سے نفرت کر کے دراصل اپنے گرد ایک دفاعی حصار بنا رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ ورما اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس موضوع پر اب خود ہی پہل کرتے ہوئے اس سے کہے گی کہ اس کام میں انہیں قطعاً تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اسے امید تھی کہ جب تک وہ ہنی مون منا کر واپس آئیں گے، کرشن کہیں جا چکا ہو گا۔ انہی سوچوں میں الجھی وہ شام کو دفتر سے نکلی اور لفٹ میں نیچے چل دی۔

نیچے لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی اسے کرشن سامنے کھڑا نظر آیا اور اس کے جسم سے گویا جان نکل گئی۔ وہ لابی میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور نیوی بلیو سوٹ میں تھا۔ وہ لپک کر اس کے قریب آیا اور بچوں کی طرح اپنے سراپا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اب تو ٹھیک ہے باس؟ یونیفارم...... اسٹارز اور تمغے...... سب اتار دیئے میں نے...... بلکہ اگر تم حکم دو تو ہمیشہ کے لیے اتار دوں گا۔ لعنت بھیج دوں گا نوکری پر۔"

"کرشن......! میرے ساتھ یہ سب کچھ مت کرو...... مت کرو پلیز۔" وہ یک لخت کمزور سی آواز میں بولی۔ "میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں آنند ورما کی امانت ہوں۔"

"کس ناطے سے؟ شادی کی انگوٹھی کہاں ہے؟" اس کے لہجے میں یک لخت گہری سنجیدگی در آئی۔ وہ کوئی جواب دیئے بغیر آگے چل دی۔ کرشن نے لپک کر اس کا بازو تھام لیا۔ اس کے جسم میں برقی رو سی دوڑ گئی۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟" وہ تقریباً رو دی۔

"میں تمہیں چاہتا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرایا، پھر اس کا بازو تھامے ایک طرف چل دیا۔ کملا کو اپنا وجود ایک بے وزن کھلونے کی طرح حقیر سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ رکنا چاہتی تھی مگر زمین اس کے قدموں کے نیچے سے نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو کرشن کے ساتھ پارکنگ لاٹ میں کھڑے

پایا۔ کرشن کی جیپ سامنے کھڑی تھی۔

چند لمحے بعد وہ اس کے برابر بیٹھی تھی اور کھلی چھت کی جیپ سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی۔ وہ اب بھی چلانا چاہتی تھی مگر اس کی روح جیسے کسی نے سلب کر لی تھی۔ کرشن سے دور رہنے کی کوششوں میں شاید اس نے اپنی ساری توانائی صرف کر دی تھی اور اب اس کے اعصاب میں دفاع کی سکت نہیں رہی تھی' لیکن عجیب بات یہ تھی کہ یہ سب کچھ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی دوسری عورت کے ساتھ پیش آ رہا ہو اور وہ خود محض ایک تماشائی کی طرح دور بیٹھی ہو۔

جب وہ اس کے ساتھ اس کے ہوٹل کے سوئٹ میں داخل ہوئی تو ایک لمحے کے لیے اسے پھر آنند ورما کا خیال آیا۔ اگر وہ اسے یہاں دیکھ لے تو یقیناً اسے ناقابل بیان صدمہ پہنچے گا ...... اور وہ اتنا اچھا' اتنا نفیس اور مہربان انسان تھا کہ اسے صدمہ پہنچانے کے تصور سے کملا کو تکلیف سی محسوس ہوئی' مگر اب کچھ بھی اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔ سیلاب آ چکا تھا اور اس کا سب کچھ بہائے لیے جا رہا تھا۔ کرشن کے سوئٹ میں پھیلی ہوئی بھینی بھینی خوابناک خوشبو اس کے حواس پر چھا چکی تھی۔

"کملا ......!" کرشن نے بانہوں کا حلقہ اس کے گرد تنگ کر دیا۔

"ہوں ......" کملا کو اپنی آواز کہیں دور سے سنائی دی۔ وہ اب بھی سوچوں کے سمندر میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی' مگر ابھرنے کے بجائے ڈوبتی جا رہی تھی ......

دو رات بعد کملا نے آنند ورما کے گھر فون کیا۔ اس وقت وہ اور کرشن بمبئی سے نوے میل دور پونا کی حدود میں ایک پرسکون موٹیل میں تھے۔ کئی گھنٹیاں بجنے کے بعد دوسری طرف ریسیور اٹھایا گیا۔

"ہیلو ......" ورما کی آواز آئی۔

"ورما! میں کملا بول رہی ہوں۔" اس کی آواز میں ایک عجیب سا بھاری پن' خمار اور سرشاری تھی۔

"کملا! کہاں ہو تم؟" ورما کی آواز میں تشویش تھی۔ "میں دو دن سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں' مگر تمہارا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔ تم ٹھیک تو ہو۔ کہاں سے بول رہی ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور اس وقت کرشن کے ساتھ پونا میں ہوں۔ کل ہم نے شادی کر لی ہے ......" کملا نے محسوس کیا کہ دوسری طرف موت کا سناٹا چھا گیا تھا۔



وشواناتھ آج بے حد خوش تھا۔ اسے یقین تھا کہ آج راجکماری سے اس کا کاروباری تعلق ٹوٹ جائے گا۔ وہ راجکماری جس نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں اسے سب سے زیادہ مالی فائدہ پہنچایا تھا اور سب سے طویل مدت کے لیے اس کی خدمات حاصل کیے رکھی تھیں۔ آج جو رپورٹ وہ اسے دینے والا تھا' وہ یقیناً اس کہانی کا آخری باب ثابت ہونے والی تھی۔ بہرحال ایک نہ ایک دن تو یہ وقت آنا ہی تھا۔ کہانی کبھی نہ کبھی تو اپنے انجام کو پہنچ ہی جاتی ہے۔

وہ اس وقت راجکماری کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ راجکماری اس کے مقابل موجود تھی۔ تازہ ترین رپورٹ اس کے سامنے میز پر موجود تھی۔ اس کے خیال میں آج راجکماری سے یہ اس کی الوداعی ملاقات تھی۔ اس ملاقات پر وہ راجکماری کو رپورٹ دینے کے ساتھ ساتھ زبانی بھی کچھ کہنا چاہتا تھا۔

"میڈم! اس نے گویا کسی عزیز کی ناگہانی موت پر نوحہ شروع کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کے دوست کی پیشہ ورانہ زندگی کے متعلق سب سے اہم اطلاع تو یہ ہے کہ اس نے اپنا تبادلہ بمبئی کرا لیا ہے۔ وہ یہیں آ گیا ہے۔"

اس نے بغور راجکماری کے چہرے کا جائزہ لیا' مگر اتنی مشہور اداکارہ کا چہرہ ہر تاثر سے عاری تھا۔ وشواناتھ نے اسے ذرا زور دار دھچکا پہنچانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے لفافے سے ایک رسالہ نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ رسالہ اتفاق سے ہی میری نظر میں آ گیا تھا۔ اس میں ایک تصویر چھپی ہے جس سے آپ کو یقیناً دلچسپی ہو گی۔ اس میں صرف تصویر کا تراشہ ہی رپورٹ کے ساتھ منسلک کرتا لیکن پھر میں نے سوچا' شاید آپ پورا رسالہ ہی رکھنا پسند کریں۔" اس نے ایک خاص صفحہ کھول کر رسالہ راجکماری کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ایک معمولی سا' نیم فلمی سوسائٹی میگزین معلوم ہو رہا تھا۔

راجکماری کے سامنے جو صفحہ تھا' اس پر بڑی سی ایک رنگین تصویر چھپی ہوئی تھی۔ نیچے انگریزی میں کیپشن تھا۔ "کلکتہ سے آنے والے ایئر فورس کے ہیرو نے ایڈورٹائزنگ کی دنیا کی مشہور اور دلکش شخصیت کملا کو فتح کر لیا۔ پچھلے ہفتے دونوں نے کورٹ میں شادی کر لی۔ کہیں ایک بڑی ایڈورٹائزنگ ایجنسی اپنی باصلاحیت ایگزیکٹو ڈائریکٹر سے محروم نہ ہو جائے۔"

راجکماری دیر تک صفحے پر نظر جمائے بیٹھی رہی۔ معلوم نہیں' وہ دلہا دلہن میں سے کس کو زیادہ غور سے دیکھ رہی تھی۔ تاہم وشوا ناتھ کی توقعات کے برعکس نہ تو اس کے سکون میں کوئی فرق آیا اور نہ ہی رسالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا۔

چند لمحے بعد اس نے نظر اٹھا کر وشوا ناتھ کی طرف دیکھا اور رپورٹ کے لیے دوسرا ہاتھ بڑھاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اب تو وہ اسی شہر میں آگیا ہے۔ اب تمہیں زیادہ دشواری نہیں ہو گی۔ اب مجھے اس کے بارے میں دو دو تین تین مہینے بعد رپورٹ دینے کے بجائے ہر ہفتے رپورٹ دیا کرو۔" اس نے نوٹوں کی ایک گڈی وشوا ناتھ کی طرف پھینک دی۔

وشوا ناتھ دم بخود بیٹھا تھا۔ وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ راجکماری کا دوست اس کے اپنے ہی شہر میں آگیا ہے اور اس نے دوسری عورت سے شادی کر لی ہے۔ راجکماری کی کہانی انجام کو پہنچ گئی۔ اب بھلا اسے کرشن کی سراغرسانی کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو اس گاہک' اس موٹی اسامی کی طرف سے صبر کر چکا تھا۔ لیکن راجکماری نے تو اسے کام سے جواب دینے کے بجائے اس کا کام بڑھا دیا تھا۔ اسے ہفتے وار رپورٹ دینے کا حکم دے دیا تھا۔ گویا سونے کا انڈا دینے والی مرغی بھاگی نہیں تھی۔ وشوا ناتھ نے دل ہی دل میں بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور چائے پی کر راجکماری کا مزید وقت ضائع کیے بغیر رخصت ہو گیا۔

راجکماری اپنے بیڈ روم میں آگئی۔ دروازہ مقفل کر کے اس نے اپنی وارڈ روب سے چمڑے کی ایک موٹی سی فائل نکالی جس میں وشوا ناتھ کی فراہم کردہ تمام رپورٹیں ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ تازہ ترین رپورٹ اور تصویر کا تراشہ اس نے سب سے اوپر لگایا اور بیڈ پر بیٹھی دیر تک کرشن اور اس کی دلہن کی تصویر دیکھتی رہی۔

کرشن ذرا بھی تو نہیں بدلا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ تصویر میں وہ بے جان اور ساکت تھا' لیکن راجکماری کے ذہن میں وہ جاندار' متحرک اور زندگی سے بھرپور تھا۔ راجکماری کی نظریں اس کے چہرے سے ہٹ کر اس کی نوبیاہتا بیوی کے چہرے پر جم گئیں ...... وہ خوبصورت تو تھی ہی ...... لیکن بے حد ذہین بھی معلوم ہوتی تھی ......

"ٹھیک ہے چندا ......!" راجکماری نے بہ زبان خموشی اس لڑکی کو مخاطب کیا۔ "کرشن کے ساتھ اب میں تمہیں بھی برباد کر دوں گی۔ تم خواہ مخواہ ہی میرے انتقام کی لپیٹ میں آگئی ہو۔"

پھر اس نے اٹھ کر دوبارہ وارڈ روب کھولی۔ اس کے ایک حصے میں وہی حسین عروسی لبادہ جوں کا توں ٹنگا ہوا تھا جو عرصہ پہلے راجکماری نے بیسیوں دکانیں کھنگالنے کے بعد خریدا تھا' مگر اس لباس کو شب عروسی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی تھی۔

راجکماری ایک تنویمی سی کیفیت میں دھیرے دھیرے اس پر ہاتھ پھیرنے لگی' گویا ایک محروم تمنا دوسرے اسیر قفس کو تسلیاں دے رہا ہو۔ اس کی آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں۔ پھر وارڈ روب کا دروازہ بند کر کے وہ بیڈ پر ڈھیر ہو گئی اور تکیے میں منہ چھپا لیا مگر وہ رو نہیں رہی تھی۔ آنسوؤں کو اندر ہی اندر مقید رکھ کر وہ ضبط کی انتہا کر دینا چاہتی تھی تاکہ یہ آنسو انگارے بن کر اس کے دل کو کچھ اور جلاتے رہیں اور یوں انتقام کا جوالا مکھی اپنے شباب پر پہنچ سکے۔ دفعتاً" دروازے پر دستک ہوئی۔ روی پالیکر اس سے ملنے آیا تھا۔

"دروازہ کھولو۔" وہ التجائیہ سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" راجکماری زخمی شیرنی کی طرح غرائی۔ روی کی آواز دوبارہ سنائی نہ دی۔ وہ اس کی ذات کو نہ سہی' اس کے مزاج کو ضرور سمجھنے لگا تھا۔ وہ اب اس پر اپنی مرضی چلانے کی کوشش نہیں کرتا تھا اور نہ ہی اس کی کسی کیفیت کو وہ جاننے کی کوشش کرتا تھا۔

کافی دیر بعد راجکماری نے خوابگاہ کا دروازہ کھول دیا اور روی کو اندر بلوا لیا۔ وہ اب بالکل تازہ دم اور مطمئن و مسرور نظر آ رہی تھی۔ اس رات نے ان کی رفاقت کے ابتدائی ایام کی یاد تازہ کر دی۔ لیکن روی کے جانے کے بعد راجکماری سوئی تو باقی

تمام رات اسے ڈراؤنے خواب نظر آتے رہے۔ اس نے دیکھا کہ گنجا اور گٹھے ہوئے سروالا' آرمی سیکرٹ سروس کا کرنل کھنہ انگارے کی طرح دہکتی ہوئی سرخ سلاخ سے اس کے گداز جسم کو جگہ جگہ سے داغ رہا ہے اور وہ کند چھری سے ذبح کی جانے والی بکری کی طرح چیخ رہی ہے۔ پھر اس نے اپنی جگہ کرشن کو لیٹے دیکھا۔ اب اس کا جسم داغا جا رہا تھا اور وہ بری طرح چیخ و پکار کر رہا تھا۔

راجکماری کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ گھبراہٹ اور اعصابی تناؤ کے لمحوں میں وہ کبھی کبھی سگریٹ نوشی کرنے لگی تھی۔ اس وقت بھی اس نے ٹیبل لیمپ جلانے کے بعد سگریٹ سلگائی اور تکیے سے ٹیک لگا کر ڈاکٹر ہرمل سنگھ کے بارے میں سوچنے لگی۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ ہرمل کی ٹانگ کاٹی جا چکی تھی اور وہ بے حد کمزور ہو چکا تھا۔ اسے چھپا کر رکھنا روز بروز مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا تھا' کیونکہ اس کی تلاش میں پولیس اور سیکرٹ سروس نے ہر مشتبہ جگہ کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ راجکماری کو معلوم تھا کہ اگر اسے جلد بمبئی سے نہ نکالا گیا تو آخر کار وہ ان کے ہتھے چڑھ جائے گا اور اس کے بعد اس کا کیا حشر ہوگا' یہ کوئی نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

سوال یہ تھا کہ ہرمل کو بمبئی سے کیسے نکالا جائے۔ اندرون ملک تو اسے کہیں بھی بھیجے جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جلد یا بدیر اسے پکڑا جانا تھا۔ فضائی راستے سے اس کا فرار ہونا ممکن نہیں تھا اور ساحلوں کی نگرانی ہو رہی تھی۔ ان حالات میں اسے نکالنا ایک مہلک چیلنج تھا اور راجکماری اس چیلنج کو قبول کرنا چاہتی تھی۔

اسی تانے بانے میں الجھتے ہوئے اس نے کئی بار اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ اگر کرنل کھنہ اور شیکھر کپور ایک دوسرے کے مقابل آ جائیں تو کون جیتے گا؟ وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ بہرحال اسے یہ معلوم تھا کہ آرمی کی سیکرٹ سروس کو عام فوجی افسروں کے مقابلے میں زیادہ اختیارات حاصل ہیں۔

اس سے اگلے روز راجکماری ایک فلمی تقریب میں مدعو تھی۔ وہاں اس کی نظر اچانک سلیم اختر پر پڑی۔ سلیم اختر فلمی دنیا کا ایک نیا لیکن نہایت ہی کامیاب رائٹر تھا۔ اس کی اوپر تلے تین فلمیں ہٹ ہوئی تھیں اور وہ اب مصروف ترین کہانی نویس تھا۔

خود راجکماری نے بھی اس کی دو فلمیں سائن کر رکھی تھیں۔

راجکماری اس کے قریب جا کر رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد بولی۔ "میں نے حال ہی میں تمہاری جو فلم سائن کی ہے ......"آگ اور ساگ" ...... وہ مجھے ذاتی طور پر بہت پسند آئی سلیم! تمہاری کہانی میں ڈرامائی عنصر بہت ہوتا ہے جو فلم کی سب سے بڑی ضرورت ہے ......"

پھر وہ اس کے کچھ اور قریب ہوتے ہوئے ایک ادائے خاص سے مسکراتے ہوئے بولی۔ "ایک تو تم ادیب لوگ نہ جانے کس طرح اتنی خوبصورت کہانیاں لکھ لیتے ہو اور آج کل فلمی ٹرینڈ کے مطابق سازش اور جوڑتوڑ کے بھی نت نئے طریقے ڈھونڈ کر لاتے ہو۔"

اپنی تعریف ایک بڑی ہیروئن کے منہ سے سن کر سلیم اختر کے چہرے پر چمک آ گئی۔ تاہم وہ انکسار سے مسکراتا رہا۔ راجکماری قدرے شرمیلے سے لہجے میں بولی۔ "سچ پوچھو تو تمہاری کہانیاں پڑھ پڑھ کر مجھے خود لکھنے کا شوق چرایا تھا۔ کسی خاص ارادے سے نہیں' بس یونہی برائے شوق تھا' لیکن میں نے تو جلدی ہی کانوں کو ہاتھ لگا لیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ لکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔"

سلیم اختر جلدی سے بولا۔ "نہیں' نہیں ...... تمہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا مشاہدہ بہت تیز ہے اور تم ذہین بھی ہو۔ مجھے یقین ہے' تم لکھ سکتی ہو۔ اتنی جلدی ہمت کیوں ہار دی تم نے؟"

"دراصل میں تو ایک ہی سچویشن میں اٹک کر رہ گئی تھی۔" راجکماری نے بدستور شرماتے اور جھجکتے ہوئے کہا۔ "میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ خالص فلمی انداز میں ہی سچویشن کو آگے بڑھاؤں۔ میری کوشش تھی کہ بات حقیقت کے بھی کچھ قریب نظر آئے۔"

"آخر مسئلہ کیا ہے مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری رہنمائی کروں گا۔" سلیم اختر نے خلوص سے کہا۔

"اس سچویشن میں' میں نے دکھایا ہے کہ ہیروئن اپنے محبوب کو بمبئی سے باہر اسمگل کرنا چاہتی ہے۔" راجکماری معصومیت سے بولی۔ "مجبوری کچھ ایسی ہے کہ اسے

صرف سمندری راستے سے اسمگل کیا جا سکتا ہے۔ پولیس اور فوج اس کی تلاش میں ہے۔ سمندری راستوں کی نگرانی ہو رہی ہے۔ اب مجھے اس کو نکالنے کا کوئی طریقہ نہیں سوجھ رہا۔"

"ہوں ......! سلیم اختر نے اپنی پلیٹ پر نظر جماتے ہوئے ہنکارا بھرا' پھر وہ راجکماری کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "تمہاری ہیروئن کو کسی بڑے فوجی آفیسر سے دوستی کرنی چاہیے۔"

"فرض کر لو' ہیروئن دوستی گانٹھ لیتی ہے پھر؟" راجکماری نے پوچھا۔

"بس ...... پھر ہیرو کو اسی آفیسر کی کار کی ڈکی میں اسمگل کیا جائے گا۔" سلیم اختر نے جواب دیا۔

"راستہ لمبا ہے۔ مزید کچھ وقت ویسے بھی ضائع ہو گا۔ اتنی دیر میں کار کی ڈکی میں اس کا دم نہیں گھٹ جائے گا؟" راجکماری نے کہا۔ "اور پھر دیگر کئی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو وضاحت طلب ہیں۔ مثلاً ......"

سلیم اختر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "کان ادھر لاؤ۔"

کئی منٹ بعد جب ان کی کھسر پھسر ختم ہوئی تو راجکماری کی آنکھوں میں ایک نئی امید کی چمک تھی' پھر وہ اور سلیم اختر فلموں کے معیار اور مستقبل وغیرہ کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ حتیٰ کہ کچھ دیر بعد ایک زوال پذیر ہیروئن سلیم اختر کو دوسری طرف لے گئی۔

دوسرے روز راجکماری نے صبح ہی صبح کرنل شیکھر کپور کو فون کیا۔ اس کے اردلی نے بتایا کہ وہ میٹنگ میں ہیں اور سارا دن اس سے بات نہیں ہو سکے گی۔

"ہو سکے تو انہیں صرف اتنا بتا دینا کہ میں نے فون کیا تھا......؟" راجکماری نے اپنا نام بتایا اور فون بند کر دیا۔ ایک گھنٹے بعد ہی اسے کرنل کا فون موصول ہوا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا......" اس نے اپنے اشتیاق کو لہجے کی بردباری میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کہ تم مجھے فون کرو گی ورنہ میں اردلی کو ہدایت کر چکا ہوتا کہ مجھے میٹنگ سے بلوا لیا جائے۔ میرے لائق کوئی خدمت؟"

"میں نے پچھلے دنوں تمہاری باتوں پر بہت غور کیا کرنل!" راجکماری نے تھکی تھکی

سی آواز میں کہا۔ "تم نے کہا تھا نا کہ ہمیں دوست بن جانا چاہیے۔ بے غرض اور بے لوث دوست۔ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ دراصل ...... میں آج کل دنیا میں اپنے آپ کو بے حد تنہا محسوس کر رہی ہوں ......"

"آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔ پھر تفصیل سے بات کریں گے۔" کرنل نے کہا۔

"صرف ایک وقت کا کھانا کھانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ مجھ پر ڈیپریشن کا شدید دورہ پڑا ہے۔ میں کم از کم ایک ہفتے کے لیے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں دور چلی جانا چاہتی ہوں۔" پھر ایک نپے تلے سے وقفے کے بعد وہ بولی۔ "پورا ہفتہ غائب رہنا تو شاید میرے لیے بہت مشکل ہو۔ کم از کم ایک ویک اینڈ ہی ہم کہیں گزار آئیں ...... تم نے امبو آئی لینڈ دیکھا ہے؟ وہاں ہٹ بھی کرائے پر ملتے ہیں۔ وہاں چلتے ہیں۔"

"کیا واقعی؟" کرنل نے گویا کسی خواب سے چونکتے ہوئے کہا۔

"وہ ایک بہت ہی خوبصورت جگہ ہے ...... انسان جب دنیا کے ہنگاموں سے دور جانا چاہے ...... وہاں جا کر انسان دنیا کے ہنگاموں سے کٹ جاتا ہے۔" راجکماری ...... خوابناک سے لہجے میں بولی۔ "کیا تمہیں میری تجویز اچھی نہیں لگی۔ تم خاموش کیوں ہو؟"

"دراصل مجھے اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا۔" کرنل بولا۔

پھر پروگرام طے پا گیا کہ سنیچر کی رات راجکماری نو بجے اس کا انتظار کرے گی۔

فون بند کرنے کے بعد راجکماری نے ملازمہ کو بھیج کر عمارت کے بوڑھے چوکیدار کو بلایا جو اس کے اور ہرمل کے درمیان رابطے کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس نے منصوبہ سنا تو دہشت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"نہیں میڈم جی ......!" اس کے حلق سے گویا گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ "اس سے تو بہتر ہے کہ ہم خود ہی اسے آرمی کے حوالے کر دیں۔ اس بے چارے کو اور اس کے ساتھ اپنے آپ کو بھی اتنا گھما پھرا کر پکڑوانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"بیکار باتیں مت کرو۔" راجکماری بگڑ کر بولی۔ "انڈسٹری کے ذہین ترین رائٹر نے یہ تدبیر بتائی ہے اور مجھے اس میں سے کامیابی کی خوشبو آ رہی ہے۔"

بوڑھا بادل ناخواستہ اثبات میں سر ہلا کر چلا گیا۔ دو گھنٹے بعد اس نے آ کر اطلاع دی۔ "ٹھیک ہے میڈم! سنیچر کی رات کو "پارسل" پہنچ جائے گا۔"

سنیچر کی شام اسٹوڈیو میں اپنی اس ہفتے کی آخری شوٹنگ جلدی جلدی بھگتا کر راجکماری اپنے میک اپ روم میں پہنچی تو وہاں کرنل کھنہ کو موجود دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کے پروگرام میں تاخیر کی گنجائش نہیں تھی۔ وقت کے تعین کے ساتھ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ لیکن ظاہر ہے کرنل کھنہ کی آمد بھی خالی از علت نہیں تھی' تاہم راجکماری نے اپنے آپ کو حتی الامکان پرسکون ظاہر کرتے ہوئے اسے رسماً" ہیلو کہا اور اپنا میک اپ اتارنے لگی۔

"میرے کان میں ایک غیبی آواز آئی ہے کہ آج کل وہ ملک سے نکل بھاگنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔" کرنل کھنہ کا لہجہ استہزائیہ مگر تیر کی طرح سماعت کو چھید دینے والا تھا۔

"کون بھاگنے کی تیاریاں کر رہا ہے کھنہ جی؟" راجکماری نے سادگی اور بے نیازی سے پوچھا۔

"ڈاکٹر ہرل سنگھ۔" کرنل کھنہ نے پھنکارنے کے انداز میں کہا اور راجکماری اوندھے منہ ڈریسنگ ٹیبل پر گرتے گرتے بچی۔ اس کا مطلب تھا کہ آرمی سیکرٹ سروس نے مہان سنگھ کی اصلیت معلوم کر لی تھی۔ ان کی کارکردگی کمال تھی۔ راجکماری نے پہلے اس نام کے کسی بھی شخص کے وجود سے لاعلمی ظاہر کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر یہ اسے خلاف مصلحت محسوس ہوا۔ اس طرح وہ زیادہ مشکوک نظر آتی۔

"آپ اس ڈاکٹر کی بات تو نہیں کر رہے جس نے کسی زمانے میں میرے نمونیے کا علاج کیا تھا؟" راجکماری نے گویا ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"صرف نمونیے کا علاج ہی نہیں کیا تھا ...... ایک بار زندگی اور موت کی اس سے بھی زیادہ خطرناک کشمکش میں اس نے تمہارے لیے کئی راتیں جاگ کر گزاری تھیں اور سرکاری ہسپتال کے بڑے بڑے ڈاکٹروں کے سامنے ہاتھ باندھ باندھ کر تمہاری زندگی کی بھیک مانگی تھی۔"

کرنل کھنہ نے یہ سب کچھ اس لہجے میں کہا تھا کہ راجکماری کی ریڑھ کی ہڈی میں

سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اگر آرمی سیکرٹ سروس ہرل سنگھ کے معاملے میں اتنا تردد کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ بات بہت آگے بڑھ چکی تھی۔ راجکماری کو احساس تھا کہ اس نے اس معاملے میں ملوث ہو کر اچھا نہیں کیا تھا مگر اب پیچھے ہٹنے کا وقت نہیں رہا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

"کیا اس سے تمہاری آخری ملاقات وہی تھی جو کیفے گلاب میں ہوئی تھی؟" کرنل نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

"کرنل! میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ وہ شخص میرے لیے اجنبی تھا جس سے میری ملاقات کیفے گلاب میں ہوئی تھی۔" راجکماری نے بدستور بھولپن سے کہا۔ "میں آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے کروں۔ میں اب تک یہی نہیں سمجھ سکی کہ آپ کو درحقیقت کس کی تلاش ہے۔"

"میں تمہیں بہت جلد سمجھاؤں گا کہ ہمیں درحقیقت کس کی تلاش ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "تمہارا مقام اور تمہاری شہرت تمہیں کب تک بچا سکے گی؟" وہ بگولے کی طرح کمرے سے نکل گیا۔ راجکماری نے وال کلاک کی طرف دیکھا اور جلدی سے دروازہ بند کر کے لباس تبدیل کرنے لگی۔ لباس تبدیل کرتے ہی وہ گھر روانہ ہو گئی۔

ٹھیک نو بجے بوڑھے چوکیدار نے اسے اطلاع دی کہ کرنل اوپر آنے کے لیے لفٹ میں سوار ہو چکا ہے لیکن ڈرائیور کو اس نے گاڑی میں ہی چھوڑ دیا ہے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا۔ راجکماری نے اسے بھی اوپر بلوانے کا طریقہ سوچا ہوا تھا۔ راجکماری نے اپنی تیاریوں پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی اور انتظار کرنے لگی۔ کال بیل بجتے ہی اس نے خود دروازہ کھولا۔ کرنل نے پراشتیاق نظروں سے اس کا سرتاپا جائزہ لیا۔ وہ نہایت نفیس سوٹ میں تھا۔

"ٹھیک۔" کرنل نے رسمی لہجے میں کہا لیکن اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔ "مجھے اندیشہ تھا کہ آخری لمحوں میں تم ارادہ بدل نہ دو۔"

"میں جو وعدہ کرتی ہوں' اسے پورا کرتی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "ویسے

بھی اس ارادے کو بدلنے کی میں متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔" اس نے کرنل کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ "سب تیاریاں مکمل ہیں لیکن سامان نیچے پہنچوانے کے لیے مجھے تمہارے ڈرائیور کو اوپر بلوانا پڑے گا۔ میرا نوکر اور نوکرانی تو آج موقع مناسب دیکھ کر چھٹی کر گئے ہیں۔"

راجکماری کو معلوم تھا کہ کرنل میں افسرانہ شان اور جاگیردارانہ نخوت موجود ہے' وہ سامان خود اٹھا کر چلنے کی پیشکش نہیں کرے گا۔ اس کا اندازہ درست نکلا۔ اس نے انٹرکام پر چوکیدار کو حکم دیا کہ کرنل صاحب کے ڈرائیور کو اوپر بھیج دے۔

ڈرائیور آیا تو راجکماری نے اسے بیڈ روم میں لے جا کر اشارے سے بتایا۔ "یہ میک اپ باکس ڈکی میں رکھ دینا لیکن یہ سفری بیگ آگے گاڑی میں ہی رکھنا۔ راستے میں شاید اس میں سے کوئی چیز نکالنے کی ضرورت پڑ جائے۔" اس کا میک اپ باکس خاصا بڑا تھا۔ ڈرائیور دونوں چیزیں لے کر نیچے چلا گیا تو راجکماری کرنل کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ "روانہ ہونے سے پہلے ایک ایک کپ کافی تو پی لیں۔ میں تو آج بھی آخری لمحے تک شوٹنگ کر کے آئی ہوں اور وہاں تھرموس کی بیکار کافی پر گزارا کرنا پڑا۔"

کچن میں جا کر وہ خود کافی تیار کرنے لگی۔ دراصل اب اس کے لیے ہر قدم بالکل صحیح وقت پر اٹھانا بہت ہی ضروری تھا۔ ایک لمحے کی جلد بازی یا تاخیر نہ جانے کتنی جانوں کے لیے عذاب کا پیغام لا سکتی تھی۔ وہ کافی پینے بیٹھے تو باتوں باتوں میں کرنل خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا...... کل تک تم میری صورت دیکھنے کی روا دار نہ تھیں' آج میرے ساتھ ویک اینڈ منانے ایک جزیرے پر جا رہی ہو جبکہ میرے خیال میں تم ایک رومان پرست نہیں' حقیقت پرست عورت ہو۔"

"اگر اس قسم کی الجھنیں تمہیں گھیرے ہوئے ہیں تو اب بھی وقت ہے کہ لوٹ جاؤ کرنل! میں وضاحتیں پیش کرنا نہیں چاہتی۔" راجکماری نے مجروح سے لہجے میں کہا۔

"تم غلط سمجھیں۔ میں تو صرف اپنی خوش قسمتی پر رشک کر رہا تھا۔" کرنل جلدی سے بولا۔ "اور میں کسی راستے پر قدم بڑھا کر لوٹ جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اب چلیں؟"

"ہاں۔ میں ذرا برتن دھو کر کچن میں رکھ دوں ورنہ تین دن تک سڑتے رہیں گے۔" راجکماری اٹھتے ہوئے بولی۔ بیڈ روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی نظر کسی چیز پر پڑی۔ "ارے...... یہ ایک بیگ تو میں نیچے بھجوانا ہی بھول گئی۔"

اس نے برتن کچن میں رکھ کر ایک بار پھر انٹرکام پر چوکیدار کو حکم دیا "ذرا کرنل صاحب کے ڈرائیور کو ایک بار پھر اوپر بھیج دو۔"

جب ڈرائیور آ چکا تب راجکماری نے گویا ارادہ بدل دیا اور بولی۔ "اس بیگ میں ایک کوٹ ہی تو ہے۔ کیوں نہ میں اسے نکال کر کندھوں پر ڈال لوں۔ اس کے لیے بیگ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔" اور اس سے پہلے کہ ڈرائیور یا کرنل کچھ کہہ سکتا' راجکماری نے بیگ کی لمبی سی زپ کھول لی۔ یہ بیگ کوٹ وغیرہ کو بحفاظت لے جانے کے لیے ہی تھا۔ راجکماری نے اس میں سے کوٹ نکال کر کندھوں پر ڈال لیا اور کرنل کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "احتیاطاً ساتھ لے لیا ہے۔ یہاں تو اتنی ٹھنڈ محسوس نہیں ہو رہی لیکن امبو آئی لینڈ پر اچھی خاصی ٹھنڈ ہوتی ہے۔"

بیگ چھوڑ کر وہ تینوں نیچے آ گئے۔ کرنل کی لمبی سی کار پارکنگ لاٹ میں کھڑی تھی۔ راجکماری نے کن انکھیوں سے اس کی بڑی سی ڈکی کی طرف دیکھا۔ ڈکی صحیح طریقے سے بند تھی۔

کرنل کی کار کو وہاں سے روانہ ہوئے دس بارہ منٹ ہوئے تھے کہ چھوٹی سی ایک کار سیاہ بلڈنگ کے سامنے آ کر رکی۔ کرنل کھنہ کار سے اتر کر سیدھا چوکیدار کے کیبن کی طرف بڑھا اور ٹھوکر مار کر کیبن کا دروازہ کھولا۔ بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح اندر گھس کر اس نے چوکیدار سے پوچھا۔ "راجکماری کہاں ہے؟"

"مجھے کیا معلوم صاحب! بوڑھا گھگیایا۔ "میں ایک معمولی چوکیدار ہوں۔ وہ اپنے پروگرام مجھے بتا کر نہیں جاتیں۔ شاید کسی بڑے افسر کے ساتھ گئی ہیں۔"

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔" کھنہ نے جھنجلا کر اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور کیبن سے باہر آ گیا۔ کار کے قریب آ کر وہ اپنے آدمیوں سے بولا۔ "وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ ساحلی راستوں کی ناکابندی کرنے والوں کو پیغام دے دو کہ جیسے ہی کرنل شیکھر کی کار نظر آئے' اسے روک کر مجھے اطلاع دیں۔"

اس وقت کرنل کی کار سنسان سڑک پر فراٹے بھرتی ہوئی مدھ فورٹ کے علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ کار مدھ فورٹ کے ساحل پر چھوڑ کر انہیں لانچ پکڑنی تھی جو انہیں امبو آئی لینڈ پہنچاتی۔ ہرل سنگھ کے ساتھ تازہ ترین پروگرام میں یہ علاقہ منتخب کیا گیا تھا۔ لکڑی بندر جانے کا راجکماری کے لیے کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔

راجکماری دل ہی دل میں شکر کر رہی تھی کہ اب تک انہیں روکا نہیں گیا' لیکن جلد ہی اس کی یہ خوشی کافور ہو گئی۔ سامنے نیم تاریکی میں سڑک کے عین وسط میں جلتی بجھتی بتی انہیں رکنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ اس کے عقب میں ایک فوجی ٹرک نے سڑک کا بیشتر حصہ گھیر رکھا تھا۔ ایک طرف پولیس کی ایک گاڑی بھی کھڑی نظر آ رہی تھی۔

گاڑی کے رکتے ہی ایک لیفٹیننٹ تیزی سے قریب آیا تو کرنل نے کھڑکی کا شیشہ اتار کر بارعب لہجے میں اپنا نام بتایا اور پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

لیفٹیننٹ نے فوراً سیلوٹ کیا۔ "اس راستے سے گزرنے والی ہر گاڑی کی تلاشی لینے کا ہمیں حکم ملا ہے سر!" اس نے بتایا اور ڈرائیور کے قریب چلا گیا۔

"ایک تو یہ سیکرٹ سروس والوں کو آج کل پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔" کرنل بدمزگی سے بڑبڑایا۔ "حکومت نے ان سے سول انتظامیہ کی مدد کی درخواست کیا کر دی ہے' یہ تو بالکل ہی بانس پر چڑھ گئے ہیں۔" پھر وہ راجکماری کی طرف دیکھ کر معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "معاف کرنا......"

"کوئی بات نہیں۔" راجکماری نے تھوک نگل کر کہا۔ "غنیمت تھا کہ کار میں زیادہ روشنی نہیں پہنچ رہی تھی ورنہ شاید کرنل اس کے چہرے پر کوئی تغیر دیکھ لیتا۔ صف اول کی اداکارہ ہونے کے باوجود اس وقت اسے اپنے تاثرات پر قابو نہیں رہا تھا۔

لیفٹیننٹ نے آگے جا کر ڈرائیور کی کھڑکی پر جھکتے ہوئے کہا۔ "ڈکی کھولو۔"

"ڈکی میں صرف ایک میک اپ باکس ہے۔ میں نے خود رکھا ہے۔" ڈرائیور کے لہجے میں ہلکا سا احتجاج تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں ہمیں تلاشی لینے کا حکم ملا ہے۔"

لیفٹیننٹ کا لہجہ اٹل تھا۔ ڈرائیور دروازہ کھول کر اترنے لگا۔ راجکماری کا ذہن

تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے ایک نظر کرنل کی طرف دکھا۔ غصے سے کرنل کے ہونٹ سکڑے ہوئے تھے۔ لوہا گرم تھا۔ چوٹ لگانے کا یہی موقع تھا۔ موت اور زندگی کے درمیان صرف چند سیکنڈ کا فاصلہ تھا۔

"میرا خیال ہے' ہم بھی نیچے اتر جائیں۔" راجکماری نے معصومیت سے کہا۔ "شاید ہمارے کپڑوں کی بھی تلاشی لیں۔"

نفسیاتی نشتر کام کر گیا۔ کرنل شیکھر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ توہین کے احساس سے اس کے عضلات تن گئے۔

"واپس آ جاؤ۔" اس نے اپنے ڈرائیور کو حکم دیا' پھر لیفٹیننٹ کی طرف دیکھ کر دہاڑا۔ "جس کسی نے بھی تمہیں یہ احکامات دیے ہیں اس سے کہنا کہ کرنل شیکھر نے آج تک کسی لیفٹیننٹ کو تلاشی نہیں دی۔ راستہ کھلواؤ۔"

لیفٹیننٹ نے اس کا چہرہ دیکھا اور سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ چند لمحے کے بعد ٹرک راستے سے ہٹ گیا اور کرنل کی کار آگے بڑھ گئی۔ چند منٹ تک کار میں خاموشی رہی' پھر کرنل بولا۔ "اس زحمت پر میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔" اس کا لہجہ اب پرسکون ہو چکا تھا۔ "عجیب وقت آ گیا ہے' ہمیں اپنے افسروں کو اکثر یاد دلانا پڑتا ہے کہ آرمی ہی اصل میں آرمی ہوتی ہے۔ سیکرٹ سروس کو اس پر برتری دینے کے نتائج اچھے نہیں ہوتے۔ جنگیں ہم لوگ لڑتے ہیں' سیکرٹ سروس نہیں لڑتی۔"

اس سڑک سے کرنل شیکھر کی کار کو گزرے تقریباً دس منٹ ہو چکے تھے جب ناکابندی کرنے والوں کو وائرلیس پر پیغام موصول ہوا اور کرنل کی کار کو رکوانے کے بارے میں ہدایات دی گئیں۔

"مگر وہ تو گزر چکی ہے۔" لیفٹیننٹ نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔ "دس منٹ پہلے۔"

دوسرے ہی لمحے کرنل کھنہ خود اس سے بات کرنے لائن پر آ چکا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "تم نے تلاشی لی تھی؟"

"نہیں۔" لیفٹیننٹ نے مردہ سے لہجے میں کہا اور تمام واقعہ دہرایا۔

"کس طرف گئی ہے کار؟" کرنل کھنہ نے پوچھا۔

"شاید مدھ فورٹ بیچ کی طرف۔" لیفٹیننٹ کی آواز کراہ سے مشابہ تھی۔ "میں

یقین سے نہیں کہہ سکتا...... آگے تو کئی راستے ہیں...... وہ کسی اور بیچ کی طرف بھی نکل سکتے ہیں۔" اس کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے اپنے مستقبل کی بربادی کا یقین ہو چکا ہے۔

"ہوں......" کرنل کمنہ نے ہنکارا بھرا۔ "تم کل صبح نو بجے کمانڈنگ آفیسر کے سامنے پیش ہو۔"

"بہت بہتر سر!" لیفٹیننٹ کی آواز کانپ گئی۔ سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

اس وقت کرنل کی کار تاروں بھرے آسمان تلے' بل کھاتے راستے پر مدھ فورٹ کی طرف رواں دواں تھی۔ نشیب میں پھولوں سے لدی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ کار کی پچھلی آرام دہ سیٹ پر شیکھر اور راجکماری قریب قریب بیٹھے' پشتے سے ٹیک لگائے نیم دراز سی حالت میں دھیمے لہجے میں باتیں کر رہے تھے۔ اپنی اپنی زندگی کی بے کیفی اور دشواریوں کی باتیں' محسوسات اور خواہشوں کی باتیں' مگر دونوں ہی کو معلوم تھا کہ وہ درحقیقت اپنی اپنی ذات کو ایک دوسرے سے مخفی رکھنے کے لیے پینترے بدل رہے ہیں۔

راجکماری کو معلوم تھا کہ کرنل اتنا کم عقل نہیں جو یقین کر لے کہ راجکماری یک بیک ہی ان پر فدا ہو گئی ہے۔ کرنل کو بھی معلوم تھا کہ اس کے پہلو میں جو عورت بیٹھی ہے' ایک بہت بڑے معمے سے کم نہیں' لیکن اسے یقین تھا کہ کبھی نہ کبھی تو یہ معما حل ہو ہی جائے گا' جلد بازی کی کیا ضرورت ہے۔ اسے یقین تھا کہ راجکماری کی اس سے کوئی غرض وابستہ ہے لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ راجکماری وہ غرض کس طرح پوری کر رہی ہے یا کرے گی۔ بہرحال اس نے سودے بازی کو دل ہی دل میں قبول کر لیا تھا۔ اس حسین ساحرہ سے کوئی بھی سودے بازی کرنے میں وہ نقصان محسوس نہیں کر رہا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ ساحل پر پہنچ چکے تھے۔ راجکماری نے تجویز پیش کی۔ "کیوں نہ چند منٹ کے لیے رک کر ہم کوئی ہلکی پھلکی چیز کھا لیں۔ وہ سامنے والا چائنیز ریستوران کچھ صاف ستھرا معلوم ہوتا ہے۔"

کرنل کے حکم پر ڈرائیور نے گاڑی ریستوران سے کچھ دور کھلے حصے میں روک

دی اور وہ دونوں گاڑی سے اتر آئے۔ انگڑائی لے کر انہوں نے جسم سیدھے کیے۔ دور ساحل پر بہت سی لانچیں لنگر انداز تھیں۔ خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ دفعتاً ساحل کی طرف سے سامان اٹھانے والی ایک چھوٹی سی کرین کھڑکھڑ کرتی آگے بڑھی اور کرنل کی کار کے قریب سے گزر کر آگے جانے لگی مگر ذرا دور جا کر شاید اس کی چین میں کوئی خرابی ہو گئی۔

چھجے دار ٹوپیوں والے دو آدمی جن کے چہرے صاف نظر نہیں آ رہے تھے' اوزار لیے کرین کے کیبن سے نکلے اور چین کا معائنہ کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے سرسری انداز میں راجکماری کی طرف دیکھا اور دوبارہ چین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

راجکماری کرنل کے بازو کا سہارا لے کر ریستوران کی طرف بڑھی۔ چند قدم آگے چل کر اس نے مڑ کر ڈرائیور کی طرف دیکھا اور کرنل سے کہا۔ "اس بے چارے کو بھی بلا لو۔ کچھ کھا پی لے گا۔"

"نہیں۔ اسے کار میں ہی بیٹھا رہنے دو۔" کرنل نے جواب دیا۔

ڈرائیور کا کار میں بیٹھے رہنا راجکماری کے منصوبے کی ناکامی تھی لیکن وہ ڈرائیور کو بلانے کے لیے اصرار کر کے کرنل کے شبہات کو یقین میں نہیں بدلنا چاہتی تھی۔

"تو پھر کیا کرنا چاہیے؟" اس سوال کا اسے کوئی فوری جواب نہیں مل رہا تھا اور ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

چند قدم مزید چل کر اچانک راجکماری ریت پر لڑکھڑائی۔ اس کا ٹخنہ مڑا اور وہ نرم ریت پر ڈھیر ہو گئی۔ کرنل نے ایک ہاتھ کی مدد سے اسے گرنے سے بچانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ ڈرائیور نے فاصلے سے یہ منظر دیکھا اور وفاشعاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسٹیئرنگ وھیل چھوڑ کر دوڑا دوڑا آیا۔ راجکماری کی چیخ نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟" کرنل نے اس کے قریب بیٹھ کر تشویش سے پوچھا۔

"شاید ہلکی سی موچ آ گئی ہے۔" راجکماری کراہتے ہوئے بولی۔ کرنل نے ماہرانہ انداز میں اس کا ٹخنہ چند لمحے کے لیے مسلا اور کہا "اب اٹھ کر دیکھو۔"

اس نے اور ڈرائیور نے سہارا دے کر راجکماری کو کھڑا کر دیا۔ "اب اٹھ کر

دیکھو۔"

اس نے اور ڈرائیور نے سہارا دے کر راجکماری کو کھڑا کر دیا۔ وہ دو قدم چلی اور پھر لڑکھڑا گئی۔

"سوری شیکھر! وہ منمنائی۔" بس مجھے اندر لے جا کر کرسی پر بٹھا دو۔ میرا خیال ہے دو چار مرتبہ پاؤں کو ہلانے جلانے سے ٹھیک ہو جائے گا۔"

دونوں مرد سہارا دے کر اسے ریستوران میں لے گئے اور ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

"زیادہ تکلیف تو نہیں؟" کرنل نے پوچھا۔

"نہیں' میں ابھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔" وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "میرے پرس میں بڑی عمدہ بام کی ننھی سی ٹیوب موجود ہے۔ ابھی تھوڑی سی پاؤں پر ملتی ہوں' ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اپنے ویک اینڈ کے پروگرام میں کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہونے دوں گی۔"

وہ ہلکا پھلکا ناشتا ...... کر کے باہر آئے تو راجکماری کی چال میں ایک خفیف سی لنگڑاہٹ باقی تھی۔ دفعتاً" انہوں نے دیکھا کہ کرنل کھنہ اور اس کے آدمی ایک گاڑی سے اتر کر کرنل شیکھر کی کار کو گھیرے میں لے رہے تھے۔ ڈرائیور نے ان لوگوں کو سب سے پہلے دیکھا اور ان کی طرف دوڑا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" راجکماری نے الجھن زدہ لہجے میں کہا' تاہم اتنے فاصلے سے بھی اس نے کرنل کھنہ کی شبیہہ پہچان لی تھی اور اس کے جسم میں سر سے پاؤں تک سرد لہر دوڑ گئی تھی۔ کرنل شیکھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کار کی طرف جا رہا تھا اور راجکماری دھیرے دھیرے لنگڑاتی ہوئی اس کے پیچھے آ رہی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" کرنل شیکھر نے کار کے قریب پہنچ کر کرنل کھنہ سے پوچھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کے چھٹی کے پروگرام میں مخل ہوا کرنل!" کھنہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "میں ڈکی کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"ڈکی میں ایک میک اپ باکس اور اسپیئرڈ وھیل کے سوا کچھ نہیں۔" کرنل شیکھر نے سخت لہجے میں کہا۔ اب راجکماری بھی قریب پہنچ چکی تھی۔ اس نے

دیکھا کہ کچھ دیر پہلے وہاں نظر آنے والی کرین غائب ہو چکی تھی۔ آرمی کا کرنل اور آرمی سیکرٹ سروس کا کرنل ایک دوسرے کو قہر آلود نظروں سے گھور رہے تھے۔

"کچھ اطلاعات کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ آپ کی کار کی ڈکی میں ملک کا ایک زبردست دشمن اور خطرناک دہشت گرد موجود ہے۔ اور آپ کی دوست اس کی ساتھی اور مددگار ہے۔" کرنل نے بہ آواز بلند گویا باقاعدہ طور پر فرد جرم عائد کر دی۔

کرنل شیکھر کئی لمحے تک کرنل کھنہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا۔ پھر وہ راجکماری کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔

"میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا کہ یہ کس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں۔" راجکماری نے مضبوط اور غیر متزلزل لہجے میں کہا۔ تب شیکھر گویا فیصلے پر پہنچتے ہوئے اپنے ڈرائیور کی طرف مڑا اور بولا۔ "ڈکی کھول دو۔"

"ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کی اور ڈکی کھول دی۔ ڈکی میں میک اپ باکس اور اسپیئر وھیل کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کرنل شیکھر نے غضبناک نظروں سے کرنل کھنہ کی طرف دیکھا۔

"وہ نکل گیا......!" کھنہ چلایا۔

"کون نکل گیا؟" شیکھر نے گرج کر پوچھا۔

"مہان سنگھ...... جس کا اصل نام ہرمل سنگھ ہے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" شیکھر غرایا۔ "میری کار کھٹارا نہیں ہے۔ اس کی ڈکی ایئرٹائٹ ہے۔ اگر اس میں کوئی موجود ہوتا تو زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں اس کا دم گھٹ چکا ہوتا...... جبکہ ہم کم از کم ڈیڑھ گھنٹے سے حالت سفر میں ہیں۔"

کرنل کھنہ نے تجربہ کر کے دیکھا اور اپنے ایک آدمی کو پانچ منٹ کے لیے ڈکی میں بند کر دیا۔ جب ڈکی کھولی گئی تو وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ کرنل کھنہ کی حالت دیدنی تھی۔ اگر اس کے سر پر بال ہوتے تو وہ انہیں ضرور نوچتا۔

راجکماری آسودگی کی گہری سانسیں لیتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اس کے میک اپ باکس میں چھپا ہوا چھوٹا سا آکسیجن ٹینک اب تک یقیناً وہاں سے نکال کر دریا برد کیا جا چکا ہو گا اور نہ صرف اسے بلکہ مہان سنگھ کو بھی اب کوئی نہیں ڈھونڈ سکے گا۔

راجکماری نے آج اس کے احسانات کا بدلہ چکا دیا تھا۔

بمبئی واپس آتے ہی کملا نے آنند ورما کے دفتر میں ملازمت ترک کر دی۔ ورما سے اس کی ملاقات ہوئی تو وہ کملا کو بے حد تھکا تھکا اور پہلے سے کئی سال بڑا دکھائی دیا۔ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کملا کو شادی کی مبارکباد دی اور کہا۔ "اچانک ہی شادی کر لی تم نے۔ مجھے کسی فیصلے پر پہنچنے کی مہلت تو دی ہوتی۔"

"مجھے خود سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں ملی۔" کملا نے سچائی سے کہا۔ کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ وہ اس وقت ورما کے دفتر میں ہی بیٹھے تھے۔ کملا کو وہ محض پرانے اور بھولے بسرے زمانے کا ایک شناسا محسوس ہو رہا تھا جو اس کا ہمدرد و خیرخواہ رہا تھا۔

"کملا!" ورما جھجکتے ہوئے بولا۔ "تم شاید کرشن کے بارے میں زیادہ نہیں جانتیں ......" پھر جیسے اس نے خود کو ملامت کرتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی اور ایک کھوکھلا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "میری بات پر دھیان مت دینا کملا! مجھ پر شاید اس وقت "انگور کھٹے ہیں" والی مثال صادق آ رہی ہے۔"

اس کے بعد وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ کملا نے ایک بار پھر محسوس کیا کہ ورما جیسے کھرے اور ایثار پیشہ انسان دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ بھی محسوس کر رہا تھا' اپنی ذات تک ہی محدود رکھے ہوئے تھا۔ کوئی دکھ' کوئی پچھتاوا اس نے ذات کے سمندر سے باہر نہیں آنے دیا تھا۔ اس نے کملا کو یہ پیشکش بھی کر دی تھی کہ آیندہ اگر کبھی اس کا کام کا موڈ بنے تو اس دفتر میں اس کی کرسی اس کے لیے ہمیشہ خالی ملے گی۔

اس کے بعد کرشن کی رفاقت میں کملا کے تین ماہ کسی خواب کی طرح گزر گئے۔ کرشن نے سرکاری رہائش بھی قبول نہیں کی تھی۔ اسے کملا کا اپارٹمنٹ زیادہ پسند آیا تھا۔ ڈیوٹی ختم ہوتے ہی وہ سیدھا گھر دوڑا آتا۔ بعض اوقات تو ڈیوٹی بھی ختم نہ کرتا' کوئی غچا دے کر بھاگ آتا۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ کملا کی جھولی میں ان گنت خوشیاں ڈال کر اس کے اشتیاق رفاقت اور امنگوں کے جوش کو مزید ہوا دیتا گزر رہا تھا۔ ورما اگر ایک ٹھہری ہوئی خنک جھیل تھا تو کرشن ایک بپھرا ہوا' شور مچاتا دریا۔ جو اسے سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں دے رہا تھا۔ بس اپنے ساتھ بہائے لیے جا رہا تھا۔

مگر خوشی اور آسودگی کا یہ خواب بہت ہی مختصر تھا۔ تین ماہ بعد کرشن کو گرفتار کر کے اس کا کورٹ مارشل کر دیا گیا۔ اس نے کئی ماتحتوں کے سامنے دفتر میں اپنے اسکواڈرن لیڈر کو تھپڑ مار دیا تھا۔ وہ ڈیوٹی کے اوقات میں نشے میں بھی تھا۔ مزاج کا وہ ہمیشہ سے تیز تھا۔ اس کی چھوٹی موٹی بے قاعدگیاں اور ڈسپلن کی خلاف ورزیاں صرف اس لیے نظرانداز کی جاتی رہی تھیں کہ وہ پائلٹ بہت اچھا تھا' مگر اب تو گویا انتہا ہو گئی تھی۔ بات بھی کچھ نہیں تھی۔ اسکواڈرن لیڈر صرف اس کا تبادلہ واپس کلکتہ کرنا چاہتا تھا اور وہ کلکتہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس پر بات بڑھ گئی۔

فوجی زندگی میں تو محض حکم عدولی کا ہی کوئی تصور نہیں تھا۔ وہ تو اس سے بھی بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ اسے فوری طور پر گرفتار کر کے کورٹ مارشل کیا گیا اور چھ ماہ کی سخت سزائے قید سنائی گئی۔ اسے آرمی جیل بھیج دیا گیا جہاں کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسے اٹھارہ گھنٹے مشقت کرنی ہوتی تھی اور ذرا ذرا سی بات پر بھاری فوجی بوٹوں کے ٹھڈے اور موٹے بید کی ضربیں پڑتی تھیں۔

کملا کو یہ سب دوسروں کی زبانی معلوم ہوا۔ اسے بھی کرشن سے ملاقات کی اجازت نہیں تھی اور نہ ہی وہ اسے خط لکھ سکتا تھا۔ کملا پر تو یک لخت ہی گویا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ کرشن کو سزا سے بچانے کے سلسلے مین ورما کا اثر و رسوخ بھی کسی کام نہ آ سکا۔ کملا سب سے پہلے روتی پیٹتی اسی کے پاس پہنچی تھی۔

اس کے بعد شاید کملا کے احساسات پر ایک خوفناک عالم سکوت طاری ہو گیا تھا کیونکہ اسے یہی محسوس ہوتا تھا جیسے وقت ایک جگہ تھم گیا ہے۔ پانچ ماہ بعد اسے کسی نامعلوم مقام سے کرشن کا خط ملا۔ وہ بہت سختیاں جھیل رہا تھا' لیکن بہرحال خیریت سے تھا۔ یہ خط پا کر گویا راجکماری کی ذات کی جھیل میں کنکر گرنے سے لہریں سی پیدا ہوئیں۔ کرشن کی خیریت جان کر اس کا رواں رواں آسودہ ہو گیا۔

اب زندگی کی سست روی اور بے مقصدیت نے اسے اذیت دینی شروع کر دی۔ اسے یوں لگتا' جیسے اس کے سوا پوری دنیا کسی نہ کسی کام میں لگی ہوئی تھی۔ بمبئی ایک نہایت مصروف شہر تھا اور وہ یہاں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی اپنے معتوب پتی کا انتظار کر رہی تھی جس کے بارے میں اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اسے کس دن اور کس

طرح آتا تھا۔ وہ اس کا استقبال کرنے بھی نہیں جا سکتی تھی۔

معاشی لحاظ سے بھی اس کا ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اچھا نہیں تھا۔ کرشن کو جب بھی آنا تھا' ایئر فورس سے برخاست ہو کر آنا تھا۔ اسے پنشن' انشورنس یا دیگر فوائد بھی نہیں ملنے تھے اور زندگی میں بچت کرنے کے بارے میں تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ کملا واپس اپنی نوکری پر پہنچ گئی۔ ورما نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا۔ اس کی کرسی اس کے لیے خالی رکھی تھی۔

ورما اب بھی اس سے پہلے ہی کی طرح ملتا تھا۔ وہ پوری کوشش کرتا تھا کہ اس کی آنکھوں میں کسی تعلق خاطر کی رمق بھی نظر نہ آئے۔ کملا سے بات کرتے ہوئے کبھی ان آنکھوں میں گزری ساعتوں کی راکھ اڑنے لگتی تو وہ فوراً رخصت ہو جاتا اور کملا کی آنکھوں کے گوشوں میں ہلکی سی نمی چھلک آتی۔ ورما کی وضع داری بے مثل تھی۔

ادھر راجکماری کی شہرت کا آفتاب اپنے شباب پر تھا۔ فلموں کی مصروفیت سے اسے سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔ وہ سب سے زیادہ معاوضہ لینے والی ہیروئن تھی اور عالم یہ تھا کہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر وہ مزید فلمیں سائن کرنے سے انکار کرتی تھی' مگر پروڈیوسر پھر بھی اس کے پیچھے رہتے تھے۔

پھر انہی دنوں سرکاری ایوارڈز کی ایک بہت بڑی تقریب میں اس کی ملاقات کیلاش امبانی سے ہو گئی۔ کیلاش امبانی ہندوستان کے چند امیر ترین افراد میں سے ایک تھا۔ بظاہر اس کے پاس کوئی عہدہ یا سیاسی طاقت نہیں تھی' لیکن پس پردہ کتنے ہی وزیر' سفیر اور سیاسی پارٹیوں کے سربراہ اس کے اشاروں پر ناچتے تھے۔

کتنے ہی بڑے بڑے عہدیدار اس کے ایک اشارے پر ادھر سے ادھر ہو جاتے تھے۔ اس کی املاک میں ایک بحری بیڑہ' ایک چھوٹی ایئر لائن' کئی بینک' اخبارات' کارخانے اور کوئلے کی کانیں شامل تھیں۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے محض ڈوریاں ہلا کر وہ چاہتا تو ملکی معیشت میں چھوٹا موٹا زلزلہ لے آتا تھا۔ بیشتر لوگوں سے اس کی ملاقات کسی تقریب میں ہی چند لمحوں کے لیے ہو جاتی تھی ورنہ اس سے وقت لے کر ملنا تو وزیراعظم سے ملنے سے زیادہ مشکل تھا۔

ایک تحیر خیز حقیقت ہی تھی کہ وہ ایک ماہی گیر کا بیٹا تھا جس نے اس کے لیے

ورثے میں صرف ایک چھوٹی سی لانچ چھوڑی تھی۔ ادھیڑ عمری میں اس حد تک طاقتور اور دولت مند بن جانے میں دست قدرت کی کرشمہ سازی کے علاوہ اس کی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا بڑا دخل تھا۔ دولت اور طاقت آنے کے بعد کیلاش امبانی نے ان لوگوں کو قطعاً معاف نہیں کیا تھا جنہوں نے ماضی میں اس کے ساتھ ناانصافیاں کی تھیں' اس کی راہ میں روڑے اٹکائے تھے یا اسے کسی بھی قسم کا نقصان پہنچایا تھا۔ ان کے لیے کیلاش نے پس پردہ رہتے ہوئے شطرنج کے چند مہرے ادھر سے ادھر کھسکائے تھے اور وہ لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ انہیں علم تک نہیں ہو سکا تھا کہ ان کی بربادی کا ذمے دار حقیقتاً کون ہے۔ ان میں کئی کارخانے دار بھی شامل تھے۔ بنیادی طور پر کیلاش خاصا منتقم مزاج اور سفاک تھا' لیکن بظاہر وہ بڑا منکسر المزاج' نرم خو اور شائستہ تھا۔

وہ ادھیڑ عمر اور رنڈوا تھا۔ خاصا وجیہہ تھا۔ دولت کی تمام تر آسائشوں کے باوجود اس کی شخصیت سے کھردرا پن رخصت نہیں ہوا تھا۔ اب یہی کھردرا پن اس کی خوبصورتی معلوم ہوتا تھا۔ بہت سی خوبصورت اور معروف عورتوں سے اس کے مراسم رہے تھے۔ ان میں سے کئی اس کی داشتائیں رہی تھیں' لیکن فلمی عورتوں کو وہ بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے خیال میں یہ بے وفا' بے کشش اور تصنع کی ماری عورتوں کا طبقہ تھا۔ یہ عورتیں صرف اسکرین پر اچھی لگتی تھیں۔

مگر ڈنر کے دوران جب اس کا راجکماری سے تعارف ہوا تو اس کی آنکھوں میں یکایک دلچسپی کی لہر ابھر آئی۔ اس نے راجکماری کی کوئی فلم نہیں دیکھی تھی۔ اس کے پاس فلمیں دیکھنے کا وقت ہی کہاں تھا لیکن اس نے راجکماری کو جی بھر کر دیکھا اور دوسرے ہی روز امبانی پیلس' میں ایک خصوصی ڈنر پر مدعو کر لیا۔

وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جن کی دعوتیں ٹھکرائی جاتی ہیں۔ راجکماری اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر اس ڈنر میں پہنچی۔ امبانی پیلس واقعی کسی محل سے کم نہیں تھا۔ یہ مکان خاصی بلندی پر واقع تھا۔ اصل بمبئی اور اس علاقے کے درمیان تھانہ کریک حائل تھی۔ اس مکان کی طویل و عریض ٹیرس پر کھڑے ہو کر سمندر اور بمبئی کی روشنیوں کا دور سے نظارہ کیا جاسکتا تھا۔

راجکماری اس وقت خود ایک دولت مند عورت تھی اور شاندار بنگلے میں رہ رہی تھی لیکن اس مکان میں پہنچ کر اور کیلاش کی دولت مندی کا اندازہ کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو بے حد حقیر محسوس کیا۔ اس کے خیال میں غربت اور دولت' دونوں ہی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ ایک طرف پاتال کی پستیاں تھیں اور دوسری طرف ہمالیہ کی بلندیاں۔

کیلاش نے بہت گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا اور گرمجوشی ایک ایسی خصوصیت تھی جسے اس نے مدت پہلے الوداع کہہ دیا تھا۔ وہ کبھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوا تھا کہ حسین عورتیں اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر اس کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں۔ اس کے نظریے کے مطابق دنیا ایک بازار کی طرح تھی جہاں ہر کوئی کچھ نہ کچھ بیچنے یا خریدنے کے لیے پھر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جو بھی اس کے قریب آتا ہے' کسی نہ کسی غرض سے آتا ہے۔ کسی کو اس کی دولت سے دلچسپی تھی اور کسی کو اس کے اثر و رسوخ سے۔ اس کی زندگی میں دو تین ہی ایسی عورتیں آئی تھیں جنہیں اس کی شخصیت کے سحر سے دلچسپی تھی۔ مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب وہ دولت مند نہیں تھا۔ اب اسے کسی کے لیے گرمجوشی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لوگ اس کے بغیر بھی اس پر فدا ہوئے جاتے تھے۔

مگر راجکماری کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔

اس کے رویے سے قطعاً ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کیلاش یا اس کی دولت سے ذرا بھی متاثر ہوئی تھی۔ اس کے طرز عمل میں ذرا سی بھی مرعوبیت کی جھلک نہیں تھی۔ اس کے آنے کا انداز بھی کچھ ایسا تھا' جیسے محض کیلاش کا دل رکھنے کو چلی آئی ہو۔ اس کے لیے یہ کوئی اعزاز نہیں بلکہ محض وقت کا زیاں تھا کہ کیلاش امبانی نے خصوصی طور پر اس کے اعزاز میں ڈنر دیا تھا۔

ڈنر سے پہلے راجکماری کھلی ہوا سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپنی ڈرنک اٹھائے ٹیرس پر چلی گئی۔ چند لمحے بعد اس نے کیلاش کو اپنے قریب کھڑے پایا۔ اسے پہلے ہی اس کی توقع تھی۔

ایک گہری سانس لے کر کیلاش بولا۔ "راج! زندگی بہت مختصر ہے اور جوانی اس

سے بھی کہیں مختصر۔ پھر ہم جیسے لوگوں کا ایک ایک لمحہ دوسروں کی نسبت زیادہ ہی قیمتی ہے۔ اس لیے میں طویل تمہیدوں اور فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔ کہنا مجھے صرف یہ ہے کہ تم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میرے پاس کیوں نہیں آ جاتیں۔"

"اختصار پسندی اور صاف گوئی کا شکریہ۔" راجکماری خشک لہجے میں بولی۔ "لیکن مجھے کسی دولت مند آدمی کی داشتہ بننے سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"میں نے ایسا کب کہا؟" کیلاش سادگی سے بولا۔ "میں شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔"

"راجکماری نے پلٹ کر ایک لمحے کے لیے بغور اس کی طرف دیکھا' پھر استہزائیہ سے لہجے میں بولی۔ "کئی سال ہو گئے تمہیں رنڈوا ہوئے۔ کیا آزادی تمہیں اچھی نہیں لگ رہی؟ دوبارہ کیوں جنجال پالنا چاہتے ہو؟"

"زندگی کی تنہائی بڑھ گئی ہے۔ انسان جتنا زیادہ دولت مند ہوتا جاتا ہے' اتنا ہی زیادہ تنہا ہوتا جاتا ہے۔ وہ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگتا ہے۔ ہر لمحے اسے یہی اندیشہ رہتا ہے کہ جو بھی اس کے قریب آ رہا ہے' اسے لوٹنے آ رہا ہے' کسی سازش کے تحت آ رہا ہے اور اس کا یہ اندیشہ اکثر درست بھی ہوتا ہے۔ یہی سلسلہ چلتا رہتا ہے اور اسی چکر میں کوئی ایسا انسان بھی اس کے قریب نہیں آ پاتا جو اس سے مخلص ہوتا ہے' اس سے محبت کرنا چاہتا ہے۔"

"وہ اپنے گلاس کو انگلیوں میں گھماتا رہا اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولا۔ "مجھے معلوم ہے' تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔ ظاہر ہے' ہم کسی افسانے کے کردار نہیں ہیں کہ نظر ملتے ہی ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہو جاتی۔ عین ممکن ہے' تمہیں زندگی بھر مجھ سے محبت نہ ہو سکے لیکن تم مجھے محبت کرنے کی اہل دکھائی دیتی ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ اگر تم کسی سے محبت کرو گی تو بہت شدت سے کرو گی۔ محبت کر سکنا بھی ایک صلاحیت ہے اور ہر ایک میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی۔ تم میں یہ صلاحیت ایک سمندر کی طرح مقید نظر آتی ہے۔ میں زندگی میں ایک آخری چانس لینا چاہتا ہوں۔ شاید کبھی تمہیں مجھ سے محبت ہو ہی جائے۔ لوگ محبت سے ابتدا کرتے ہیں' پھر شادی کے لیے جتن کرتے ہیں۔ ہم پہلے شادی کر لیتے ہیں' پھر میں اس وقت کا انتظار کروں گا

جب تمہیں مجھ سے محبت ہو جائے۔"

"اور تمہیں خواہ مجھ سے محبت ہو یا نہ ہو؟" راجکماری کی آنکھوں میں پہلی بار ہلکی سی شوخی آئی۔

"مجھے تو ہو چکی ہے۔ لیکن ابھی میں اس کا اظہار کرنا نہیں چاہتا کہ وہی افسانوی سی بات ہو جائے گی۔ اور افسانوی باتوں کا میں نے ہمیشہ مذاق اڑایا ہے۔" کیلاش بولا۔

ی خاموش رہی۔ ٹیرس پر دھندلی روشنی میں دونوں ہیولوں کی طرح کھڑے تھے۔ ئی لمحے کے صبر آزما سکوت کے بعد راجکماری جھرجھری لے کر بولی۔ "میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟" کیلاش کے لہجے میں غضب کا ٹھہراؤ تھا۔

"بس ...... ویسے ہی ......!" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "یہ میری منزل نہیں ہے۔ ویسے بھی میں اس وقت شہرت کے عروج پر ہوں' شادی سے فلم لائن میں میرا کیریئر ختم ہو جائے گا۔"

"فلم لائن کو چھوڑنا ہی عروج کے زمانے میں چاہیے تاکہ لوگ تمہیں یاد کریں تو ان کے سینے میں ایک ٹیس سی اٹھے۔" کیلاش بولا۔ "کیا تم اس وقت کا انتظار کرنا چاہتی ہو' جب چہرے پر شکنوں کا جال پھیلنے لگے' بالوں میں چاندی کے تاروں کو چھپا چھپا کر رکھنا پڑے اور ہر پروڈیوسر سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہوئے اسے کئی کئی بار یاد دلانا پڑے کہ تم کیریکٹر رول کرنے کے لیے بھی بالکل تیار ہو؟ تم اس وقت انڈسٹری چھوڑو گی' جب ڈائریکٹر تم سے کنی کترا کر گزرنے لگیں گے؟؟"

راجکماری خاموش رہی۔ وہ گویا کیلاش کی گفتگو کا ایک ایک لفظ اپنے ذہن میں جذب کر رہی تھی۔ ایک لمحے توقف کے بعد کیلاش بولا۔ "اگر تمہارا خیال ہے کہ چند سالوں میں تم بہت زیادہ دولت کما لوگی' تو میرے ساتھ بیٹھ کر سمجھوتا کر لو۔ ٹیکس وغیرہ کاٹ کر اگلے چند برسوں میں اندازاً تم جو کچھ کما پاؤ گی' اس سے زیادہ میں ایک لمحے میں تمہارے نام لکھ سکتا ہوں۔ میری دولت کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے؟؟"

"کوئی خاص نہیں۔" راجکماری نے دیانتداری سے جواب دیا۔ "میں تمہیں کچھ زیادہ نہیں جانتی۔ بس یہ معلوم ہے کہ تم بے پناہ دولت مند آدمی ہو۔"

"روپیہ باہر لے جانے کے معاملے میں انڈیا کی پالیسی دنیا میں سب سے زیادہ سخت ہے۔" کیلاش بولا۔ "اس کے باوجود میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ میرے اسپین میں باغات ہیں' فرانس میں ریس کے گھوڑوں کے فارم اور کئی ولاز ہیں۔ میری ایک شپنگ کمپنی تو انڈیا میں رجسٹرڈ ہے لیکن اس سے بڑی شپنگ کمپنی اٹلی میں رجسٹرڈ ہے' اس میں میرے چار سو بحری جہاز ہیں۔ برازیل میں میری دکانیں ہیں اور میکسیکو میں آئل کمپنی میں میرے چالیس فیصد شیئرز ہیں۔ انڈیا میں میرا جو کچھ ہے' اس کی فہرست بہت طویل ہے۔ وہ چیزیں میں تمہیں گنوانا نہیں چاہتا' ان کے بارے میں تو تمہیں کوئی بھی بتا سکتا ہے۔ میں نے تمہیں ان چیزوں کے بارے میں بتایا ہے جن کے بارے میں کوئی بھی کچھ نہیں جانتا۔ میری دولت کا حساب صرف کمپیوٹرز ہی کر سکتے ہیں۔ مجھے خود صحیح اعداد و شمار نہیں معلوم۔ مجھ سے شادی کر کے تم مالی طور پر نقصان میں نہیں رہ سکتیں۔ فلم انڈسٹری بہرحال تمہیں چھوڑنی پڑے گی۔ میں' ہرگز نہیں چاہوں گا کہ دو روپے کا ٹکٹ خریدنے والے سینما کے پردے پر میری بیوی کو تھرکتے دیکھ کر سیٹیاں بجائیں۔"

"لیکن میری جتنی فلمیں بن چکی ہیں' وہ تو ایک عرصے تک گردش میں رہیں گی۔" راجکماری بولی۔ اس نے گویا کیلاش کی تجویز پر غور شروع کر دیا تھا۔

"اتنی توہین تو میں برداشت کر لوں گا۔ لیکن توہین کا انبار مزید اونچا نہیں ہونا چاہیے۔ میں کوشش کروں گا کہ گردش کرتی ہوئی فلموں میں سے جتنی خرید سکوں' وہ خرید کر ضائع کردوں۔" کیلاش بولا۔

"یہی تو میری کل کمائی ہے۔" راجکماری بولی۔

"دفع کرو اس کمائی کو۔ یہ کوئی اچھی کمائی نہیں تھی۔" کیلاش ہاتھ ہلا کر ہوا میں جیسے کسی نادیدہ چیز کو اچھالتے ہوئے بولا۔

راجکماری چند لمحے خاموش رہی۔ کیلاش بولا۔ "میں تمہیں چند دن سوچنے کی مہلت دے سکتا ہوں۔"

"سوچ بچار سے بعض اوقات فیصلے غلط ہو جاتے ہیں۔" راجکماری مسکرائی۔ "میں اپنے زیادہ تر فیصلے فوری طور پر کرنے کی عادی ہوں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

”کیا؟“ کیلاش فرط اشتیاق سے اس کی طرف جھک آیا۔

”ہم اگلے ہفتے شادی کرلیں گے۔“ راجکماری مسکرائی۔

”اوہ ...... تھینک یو مائی سویٹ ہارٹ!“ جذبات کی شدت سے کیلاش کی آواز حلق میں پھنسنے لگی مگر پھر جیسے اس نے بصد کوشش اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اپنا گلاس ٹیرس کی دیوار پر رکھ کر راجکماری کا ہاتھ تھام لیا۔

دوسرے ہی دن سے راجکماری نے اپنی تمام نئی فلموں کے کنٹریکٹ منسوخ کر دیے۔ جن فلموں میں اس کا کام شروع نہیں ہوا تھا' ان کے ایڈوانس اس نے معذرت کے ساتھ واپس کر دیے اور جن میں تھوڑا بہت کام ہوا تھا' ان کا اس نے ہرجانہ بھر دیا۔ اس نے صرف وہ فلمیں مکمل کرانے کا وعدہ کیا جن میں اس کا کافی کام پکچرائز ہو چکا تھا۔

شادی خاصی سادگی سے ہوئی۔ انہوں نے بہت کم اور نہایت خاص الخاص لوگوں کو مدعو کیا تھا' اس کے باوجود ہر اخبار' ہر رسالہ ان کی شادی کے تذکروں سے بھر گیا۔ دو انچ کی دھندلی سی تصویر بھی اگر کسی کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اس نے نہایت تزک و احتشام سے چھاپی۔ شادی کے بعد ایک ماہ انہوں نے فرانس اور سوئٹزر لینڈ میں گزارا۔ واپس آنے کے بعد راجکماری ”امبانی پیلس“ میں منتقل ہو گئی۔

اس کی عادات و اطوار پر کیلاش امبانی بلاشبہ حیران تھا اور اس کے دل میں راجکماری کی قدر و منزلت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے نہ تو شادی سے پہلے کوئی شرط منوائی تھی اور نہ ہی شادی کے بعد کوئی مطالبہ کیا تھا۔ وہ ابھی تک اس کی رفاقت کی تہہ میں چھپی ہوئی کوئی غرض تلاش نہیں کر سکا تھا۔ وہ کوئی فرمائش ہی نہیں کرتی تھی۔ اس نے کوئی کارخانہ نہیں مانگا' کوئی جائیداد اپنے نام نہیں کروائی تھی' کوئی رقم اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کرانے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی۔ عجیب بے پروا عورت تھی۔

راجکماری کے لیے کیلاش نے اگر خود ہی کچھ کیا تھا تو اس پر بھی اس نے یہی کہا تھا ”اس کی کیا ضرورت تھی' اب ہر چیز میری رسائی میں ہے۔ میرے لیے بس یہی اطمینان کافی ہے۔ میں یہی محسوس کرتی ہوں جیسے ہر چیز میری ہو چکی ہے۔“

بعض اوقات تو اس نے ایسے معاملات میں بروقت دخل دے کر کیلاش کو بہت بڑے نقصانات سے بچا لیا تھا جن میں وہ زبان بند رکھ کر اور بعد میں متعلقہ لوگوں سے سودے بازی کر کے لاکھوں کے فائدے اٹھا سکتی تھی۔ کسی اور شخص سے اس کے مراسم بھی نظر نہیں آتے تھے۔ فلمی دنیا بھی اس نے تقریباً چھوڑ ہی دی تھی جس میں اس کے لیے دولت اور شہرت تھی اور ان سب باتوں کے باوجود کیلاش کے ساتھ اس کے رویے میں تصنع یا کھوکھلا پن نہیں تھا۔ وہ کیلاش سے ہمیشہ گرمجوشی سے پیش آتی تھی' جیسے وہ اس کا حاصل حیات ہو۔ کبھی کبھی کیلاش محسوس کرتا تھا کہ شاید وہ سچ مچ اس عورت سے محبت کرنے لگا ہے اور اسے شبہ ہوتا تھا کہ شاید وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔

کرشن کے بارے میں وشوا ناتھ سے رپورٹ لینے کا راجکماری کا سلسلہ جاری تھا لیکن وہ اسے امبانی پیلس نہیں بلاتی تھی اور نہ ہی خود اس کے دفتر جاتی تھی' بلکہ جب کبھی اس کا شہر کی کسی بہت ہی اونچی مارکیٹ میں شاپنگ کا پروگرام ہوتا تو وہ وشوا ناتھ کو فون کر دیتی اور وہ مقررہ وقت پر وہاں پہنچ جاتا۔ موقع پا کر وہ اپنے لفافے تبدیل کر لیتے۔ وشوا ناتھ کے لفافے میں راجکماری کے لیے رپورٹ ہوتی اور راجکماری کے لفافے میں وشوا ناتھ کے لیے موٹی سی رقم۔

وشوا ناتھ کو معلوم تھا کہ اب وہ کتنے دولت مند آدمی کی بیوی ہے۔ ایک بار اس کا دل بے ایمان ہوا کہ شاید راجکماری کو بلیک میل کر کے وہ اس سے زیادہ دولت حاصل کر لے' جتنی وہ فیس کی شکل میں حاصل کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں اشارہ دینے کی غرض سے اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ”شری کیلاش امبانی کو تو ہرگز علم نہیں ہو گا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کھوج میں رہتی ہیں؟“

”ہاں۔ اسے قطعاً علم نہیں ہے۔“ اور جس روز بھی اسے علم ہو گیا' اس روز تم فنا ہو جاؤ گے۔“ اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ وشوا ناتھ اندر ہی اندر کانپ کر رہ گیا۔ وہ ایک گرگ باراں دیدہ تھا' پولیس کی ملازمت کر چکا تھا۔ اس کے باوجود اس عورت سے خوف کھانے لگا تھا۔ یہ راجکماری اس راجکماری سے بہت مختلف تھی جو چند سال پہلے اس کے دفتر میں داخل ہوئی تھی۔

راجکماری اس پر دوسری نظر ڈالے بغیر آگے بڑھ گئی اور وہ اپنی جگہ گم صم کھڑا رہ گیا۔ آخر کار اس نے راجکماری کو بلیک میل کرنے کا بے ہودہ خیال دل سے نکال دیا۔ جتنی دولت اسے سیدھے راستے سے مل رہی تھی' اس پر قناعت کرنے میں ہی عافیت تھی۔

کملا اپنے لگے بندھے معمولات کے ساتھ کرشن کے انتظار میں روز و شب گزار رہی تھی۔ پھر ایک روز اچانک ہی تنہائی کا اذیت ناک خواب ٹوٹ گیا۔

وہ چھٹی کا دن تھا۔ کملا اپنے بیڈ روم میں سوئی ہوئی تھی کہ کسی نے کندھا ہلا کر اسے جگایا۔ اس کی آنکھ کھلی تو کرشن سامنے کھڑا تھا۔ پہلے تو اسے یہ خواب ہی لگا کیونکہ ان لاتناہی راتوں کا کرب نس نس میں گھلا ہوا تھا جو اس نے کرشن کے بغیر گزاری تھیں۔

کملا نے اس کی آمد کے جو نقشے ذہن میں باندھے تھے' وہ بڑے ہی مدھر' مدھم اور رومانی تھے۔ سبک خرام ندیوں کی طرح۔ سرسراتی نسیم سحری کی طرح' لیکن کرشن بس محض چند رسمی باتیں کرنے کے بعد یوں اس پر ٹوٹ پڑا تھا جیسے اسے صرف اپنی بھوک سے غرض ہو' کملا کے محسوسات سے اسے کوئی واسطہ نہ ہو۔

اس کے چہرے اور ہاتھ پیروں میں بھی کرختگی آ گئی تھی اور مزاج میں بھی۔ تاہم کملا نے یہ سوچ کر اپنی ذہنی اور جسمانی تکلیف کو فراموش کر دیا کہ کرشن کو ایک عرصے کے بعد اس کا قرب نصیب ہوا تھا اور وہ ایک نہایت کھردری زندگی گزار کر آ رہا تھا۔ اسے امید تھی کہ رفتہ رفتہ اس کی طبیعت میں دھیما پن آ جائے گا اور اسے دوسرے فریق کے محسوسات کا بھی خیال رہنے لگے گا۔

لیکن پورے ایک ماہ میں ایسا نہیں ہوا!

ورما نے خود ہی کملا کو ایک ماہ کی چھٹی دے دی تھی تاکہ وہ اطمینان سے کرشن کے ساتھ وقت گزار سکے۔ لیکن اس پورے مہینے میں کرشن کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ محبت کے معاملے میں اس کا انداز بڑا مشینی سا ہو گیا تھا۔ کملا نے اس تبدیلی پر دھیان دیا تو اور بھی کئی تبدیلیاں احساس کی زد میں آنے لگیں۔ مثلاً کرشن اب اپنی سوچیں اس کے ساتھ شیئر نہیں کرتا تھا۔ وہ اسے بالکل نہیں بتاتا تھا کہ

مستقبل کے بارے میں اس نے کیا سوچا ہے۔ بلکہ الٹا ایک ماہ بعد کملا نے دفتر جانا شروع کر دیا تو وہ بھی کرشن کو ناگوار گزرا۔

"میرے جیل جاتے ہی تم نے دوبارہ اس کمینے سے مراسم استوار کر لیے۔" وہ بگڑ کر بولا۔ کملا اس کے بات کرنے کے انداز پر دم بخود رہ گئی۔ اس نے بات کیا کی تھی' منہ پر جوتا سا مار دیا تھا۔

"کرشن ......!" وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ "وہ کمینہ آدمی نہیں' تمہارا اور میرا محسن ہے۔ ہر آڑے وقت میں ہمارے کام آیا ہے اور میں نے اس کے ہاں صرف نوکری دوبارہ شروع کی ہے' اس سے کوئی ایسے مراسم استوار نہیں کیے جن کا تمہیں شبہ ہو رہا ہے۔ میری تو اس سے اب دفتر میں بھی ملاقات کم ہی ہوتی ہے۔"

کرشن مزید کچھ نہیں بولا تھا لیکن ناگواری اور بے اعتباری اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھی۔ کملا دفتر سے واپس آتی تو وہ اسے یا تو سوتا ہوا ملتا یا پھر شراب پیتا ہوا۔ اس کی شراب نوشی بڑھتی جا رہی تھی۔ بات اب وہ اتنے کھردرے انداز میں کر جاتا تھا کہ کملا کو اس سے بات کرتے ہوئے خوف آنے لگا تھا۔ وہ اس سے کچھ بھی نہیں پوچھتی تھی۔

اس کا چونکہ کوئی رازداں یا دوست نہیں تھا اس لیے اس نے ورما سے ہی بات کی۔ "کرشن نہ جانے کیوں مجھے بدلا بدلا سا لگتا ہے۔"

"بعض خودمختار عورتوں کا المیہ اصل میں یہی ہوتا ہے۔" ورما نے اس کی ساری باتیں سننے کے بعد کہا۔ "درحقیقت انہوں نے ایک اجنبی سے شادی کی ہوتی ہے اور جب وہ اجنبی پوری طرح سامنے آتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ انہیں اپنا شوہر بدلا بدلا سا لگتا ہے' حالانکہ وہ بے چارہ بالکل نہیں بدلا ہوتا' بلکہ عورت پہلے اس سے اچھی طرح شناسا نہیں رہی ہوتی' صرف حادثاتی طور پر اس کی بن جاتی ہے۔"

شروع شروع میں کملا' دفتر سے واپسی پر بڑے پر جوش اور مشتاقانہ لہجے میں اس سے پوچھتی کہ اس نے دن کیسے گزارا مگر اس کا جواب ہمیشہ مبہم ہوتا بلکہ ایک بار تو وہ چڑ گیا۔ "تم مجھے روزانہ یاد دلانا چاہتی ہو کہ میں دن بھر گھر پہ بیکار بیٹھا رہتا ہوں۔"

اس دن کے بعد کملا نے یہ پوچھنا بھی چھوڑ دیا۔

ایڈورٹائزنگ کی فیلڈ میں ہونے کی وجہ سے کملا کو بہت سی تقریبات کے دعوت نامے ملتے تھے۔ اس نے اس خیال سے بعض تقریبات میں خود بھی جانا اور کرشن کو ساتھ لے کر جانا شروع کیا کہ اس طرح اس کا دل بہلے گا۔ لیکن تقریبات میں بھی اس کا رویہ مایوس کن ہوتا۔ کملا بڑے فخر سے لوگوں سے اس کا تعارف کراتی لیکن وہ ان سے گھلنے ملنے کے بجائے اپنا جام لے کر الگ تھلگ کہیں کونے کھدرے میں جا بیٹھتا۔ اس کی آنکھوں میں تھوڑی بہت چمک صرف اس وقت پیدا ہوتی' جب کوئی خوبصورت لڑکی ذرا مہربان لہجے میں اس سے بات کرتی۔ لیکن ظاہر ہے' اب اس کے شادی شدہ ہونے اور بیوی کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ایسے اتفاقات بھی بہت کم ہو گئے تھے۔

ورما سے مشورے کے بعد کملا اس نتیجے پر پہنچی کہ زندگی کی بے مقصدیت اور بیکاری کرشن کے لیے شدید نقصان دہ ثابت ہو رہی ہے۔

"تم اس سے بات کر کے دیکھو ......" ورما نے بولا۔ "اگر وہ ملازمت پسند کرے تو پین امریکن میں بات کی جاسکتی ہے۔ وہاں میرا ایک دوست ہے۔ ویسے تو "ایئر انڈیا" میں میری زیادہ شناسائی ہے لیکن اس میں تنخواہیں زیادہ نہیں ہیں۔ شاید اس ایئر لائن کی نوکری کرشن کو اپنے شایان شان محسوس نہ ہو۔"

کملا نے گھر جا کر ڈرتے ڈرتے کرشن سے بات کی۔ خلاف توقع وہ کھل اٹھا۔ "یہ پہلی کام کی بات ہے جو جیل سے واپسی کے بعد میں نے سنی ہے۔" وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی کشادہ پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ "مگر یہ بہت بری بات ہے کہ ہر کام کے لیے ہمیں اس کم بخت ورما کا سہارا لینا پڑتا ہے۔"

"ایسی سطحی باتیں مت کرو کرشن!" کملا نے ملائمت سے کہا۔

"تم اس کی اتنی حمایت مت کیا کرو۔" کرشن اسے گھور کر بولا۔ اس کے لہجے میں عجیب سی تنبیہہ چھپی ہوئی تھی۔ "کم از کم پیٹھ پیچھے ہی مجھے اس کے بارے میں دل کا بخار نکال لینے دیا کرو۔"

"وہ ایک اعلیٰ ظرف انسان ہے۔ اس نے تمہاری موجودگی اور عدم موجودگی' دونوں ہی صورتوں میں ہر طرح سے ہماری مدد کی ہے۔" کملا کہے بغیر نہ رہ سکی

"میری عدم موجودگی میں زیادہ مدد کی ہوگی۔" کرشن کے لہجے میں زہریلے خنجر کی

کاٹ تھی۔ کملا کا خون کھول اٹھا۔ اس نے بصد مشکل اپنا غصہ ضبط کیا اور بدمزگی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ یہی غنیمت تھا کہ کرشن پین امریکن میں ملازمت کے لیے کوشش کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ کملا اب بحث کو طول دے کر اس کا ارادہ ملتوی کرانا نہیں چاہتی تھی۔

انٹرویو کے لیے کرشن کا پین امریکن کے ہیڈ آفس جانا ضروری تھا جو نیویارک میں واقع تھا اور کرشن کا عالم یہ تھا کہ وہ ایک شاندار نوکری سے اس عالم میں نکالا گیا تھا کہ اب اس کے اکاؤنٹ میں چند ہزار روپے بھی نہیں تھے۔ بہرحال یہ ایسا مسئلہ نہیں تھا۔ کملا ابھی ایسی گئی گزری نہیں تھی اور اس نے ابھی اپنے اور کرشن کے اثاثوں کو الگ الگ شمار کرنا شروع نہیں کیا تھا۔ اس نے مقررہ وقت سے بہت پہلے کرشن کے لیے نیو یارک کا راؤنڈ ٹکٹ منگوا کر اس کی میز پر رکھ دیا۔

نیویارک میں انٹرویو کے دوران کرشن کو یہ جان کر بے حد حیرت ہوئی کہ اس کی سفارش اور اس کا ریکارڈ پین ایم والوں کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ بے شک اس نے ہر طرح کے جنگی طیاروں کو اشاروں پر نچایا تھا لیکن پین ایم والوں کی نظروں میں یہ کوئی خوبی نہیں تھی۔

"ہم یونین کے ہاتھوں مجبور ہیں مسٹر کرشن!" ایسٹ مین نے کہا جس کے پاس ورما نے اسے سفارشی رقعہ دے کر بھیجا تھا۔ ایسٹ مین ہی اس کا ابتدائی انٹرویو لے رہا تھا۔

وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "پین ایم کے پاس دنیا کا سب سے بڑا جہازوں کا فلیٹ ہے اور اتنی ہی بڑی ہماری یونین۔ دنیا کے ہر ملک کی ایئر فورس کے بہترین پائلٹ ہمارے ہاں نوکری کے لیے درخواست دیتے ہیں' مگر ہم ان کی اس سینیارٹی کو تسلیم نہیں کر سکتے جو پین ایم سے تعلق نہیں رکھتی۔ یہاں صرف وہی سینیارٹی کام آئے گی جو آپ یہاں رہ کر حاصل کریں گے' یعنی ابتدا میں آپ کو بالکل ایک نو آموز کی طرح ٹریننگ لینی پڑے گی۔ تین ماہ بعد آپ اسسٹنٹ کیپٹن بنیں گے۔ پھر جب آپ کی باری آئے گی تو آپ کیپٹن بن سکیں گے۔"

یہ باتیں کرشن کا خون کھولانے کے لیے کافی تھیں لیکن اس نے خود پر ضبط کیے رکھا۔ گھر میں پڑے پڑے وہ خود بھی تنگ آ گیا تھا۔ اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ فارغ

رہے۔ اور کھلا کام کرے۔ کسی چھوٹی موٹی ایئر لائن میں کام کرنا بھی اس کے شایان شان نہیں تھا۔ مصلحت کا تقاضا سمجھتے ہوئے اس نے حامی بھرلی۔

راجکماری کو کرشن کے متعلق ہر خبر مل رہی تھی۔ وشوا ناتھ نے بے شک اپنا معاوضہ بہت بڑھا دیا تھا لیکن وہ محنت بھی اتنی ہی کرتا تھا۔ غیر ملکی سراغ رسانوں کی طرح تمام تفصیلات' تمام جزئیات معلوم کر کے انہیں اپنی رپورٹ میں شامل کرتا تھا۔ انہی رپورٹوں کی بدولت راجکماری کو معلوم ہوا کہ کب پین ایم میں کرشن کی ٹریننگ ختم ہوئی۔ کب اس نے اسسٹنٹ کے طور پر کام شروع کیا۔ کن کن ملکوں میں اس کی فلائٹس گئیں اور وہاں قیام کے دوران اس نے کس کس ایئر ہوسٹس سے پینگیں بڑھائیں۔

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ نوکری کے چھ ماہ پورے ہونے پر کرشن کو بیوی سمیت پیرس جانے کے لیے پین ایم کا ٹکٹ مفت ملا تھا اور وہ اپنی بیوی کو پیرس کی سیر کرانے لے گیا تھا۔ اس کی بیوی اس کے ساتھ پیرس جاتے وقت بے پناہ خوش نظر آ رہی تھی۔

راجکماری کو یاد تھا کہ ہوٹل میں جو چند دن کرشن نے اس کے ساتھ گزارے تھے' ان کے دوران بھی اس نے دو مرتبہ راجکماری سے کہا تھا کہ شادی کے بعد وہ اسے کسی بھی طرح ایک بار پیرس ضرور گھمانے لے جائے گا۔

ایک لمحے کے لیے اس کے دانت سختی سے بھنچ گئے لیکن پھر اس نے فوراً ہی اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ آتش فشاں کا لاوا اندر ہی اندر پکتا رہے تو زیادہ تباہ کار ہو جاتا ہے۔ وقت سے پہلے بہہ نکلے تو اس میں شدت نہیں ہوتی۔

کرشن کے ساتھ پیرس جانا شاید اور بات تھی' ورنہ ویسے تو پیرس جانا اب اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ تو امبانی کے ذاتی جہاز پر محض شاپنگ کے لیے پیرس سمیت دنیا کے کئی مشہور شہروں کا چکر لگا چکی تھی۔ کیلاش امبانی کے پاس تین ذاتی جہاز تھے۔ سب سے زیادہ ہاکر نامی جہاز استعمال میں رہتا تھا جو آرام و آسائش کے اعتبار سے ہوا میں اڑنے والا ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ اسے ارجن گوپال چلاتا تھا۔ منوہر لال اس

کا ساتھی پائلٹ تھا۔

راجکماری نے ابتدا میں ارجن گوپال سے دو ایک مرتبہ نہایت مختصر اور رسمی گفتگو کی تھی لیکن جب اسے پتا چلا کہ وہ انڈین ایئر فورس میں رہ چکا ہے تو اس نے غیر محسوس طور پر کئی مرتبہ سفر کے دوران اس سے گفتگو کے ذرا زیادہ تفصیلی مواقع پیدا کیے۔ ایکبار تو ارجن کے منہ سے یہ سن کر راجکماری کا دل دھڑکنا بھول گیا کہ کچھ عرصے کے لیے وہ کرشن کے ساتھ بھی ایک ہی اسکواڈرن میں رہ چکا تھا۔

ذکر پائلٹوں کی صلاحیت کا چل رہا تھا۔ اس ضمن میں ارجن نے خود کرشن کا ذکر کیا تھا۔ وہ اس کے اسٹائل سے بہت متاثر تھا۔ گو کہ وہ عمر میں کرشن سے بہت بڑا تھا لیکن دونوں کا عہدہ ایک ہی تھا۔ جنگ کے دوران کرشن کی کارکردگی بہت اچھی رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ کسی چیز سے ڈرتا نہیں تھا۔ حتیٰ کہ موت سے بھی نہیں۔

راجکماری نے کرشن کے تذکرے پر اپنے چہرے سے کوئی تغیر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ارجن خود ہی اس کے بارے میں بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن معلوم نہیں' یہ کیا بات ہے کہ جو لوگ اپنے پیشے میں غیر معمولی مہارت رکھتے ہیں' ان کی کوئی نہ کوئی کل ضرور ٹیڑھی ہوتی ہے۔ صرف کرشن ایک ایسا پائلٹ تھا جسے میں اپنے ہم پلہ سمجھتا تھا لیکن اس جیسا لاابالی اور بے پروا آدمی میں نے کم از کم فورسز میں کبھی نہیں دیکھا۔ میں تو خیر کافی عرصہ پہلے ریٹائرمنٹ لے کر آ گیا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں سنا تھا کہ کمبخت نے اپنا کورٹ مارشل کرا لیا تھا۔ مجھے اس سے یہی امید تھی۔"

راجکماری کے ذہن میں ایک عجیب سا تانا بانا بنا جا رہا تھا۔ چند لمحے بعد وہ سرسری سے لہجے میں بولی۔ "ارجن! ایک بار تم نے ذکر کیا تھا کہ اچھی سے اچھی نوکری پر بھی تم چھوٹے موٹے ذاتی کاروبار کو ترجیح دیتے ہو۔ تم اپنی ٹریولنگ ایجنسی کھولنے میں بہت دلچسپی رکھتے تھے اور تم نے لائسنس بھی لے لیا تھا مگر صرف تھوڑے سے سرمائے کی کمی کی وجہ سے تم اپنے پروگرام پر عمل نہیں کر سکے۔ ایسی ہی کچھ بات کی تھی نا تم نے؟"

"جی ہاں' کی تو تھی' لیکن ......" ارجن کچھ گھبرا سا گیا۔ معلوم نہیں' میڈم نے آج یہ بات کیوں چھیڑ دی تھی۔ کہیں وہ اسے نوکری سے نکلوانا تو نہیں چاہتی تھی۔

راجکماری اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "انسان میں اگر کاروباری لگن ہو تو رقم کے حصول کا بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ نکل ہی آتا ہے۔ بہرحال ...... ہم اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔" اس کا لہجہ کچھ معنی خیز اور کچھ امید افزا تھا۔ ارجن کی کچھ جان میں جان آئی۔

چند لمحے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد راجکماری نے ایک بار پھر گفتگو کا رخ غیرمحسوس طور پر اسی طرف موڑ دیا۔ "لیکن سوال یہ ہے کہ اگر تم نے کاروبار کر لیا اور یہ نوکری چھوڑ کر چلے گئے تو تمہاری جگہ کون پر کرے گا؟"

"ہاں' یہ مسئلہ تو قابل غور ہے۔" ارجن نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔ "کوئی عام پائلٹ تو کیلاش جی کے جہاز کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔"

راجکماری بھی یوں سوچ میں ڈوب گئی' جیسے گہرے دوست کسی مشترکہ مسئلے کا حل تلاش کر رہے ہوں۔ پھر راجکماری سرسری سے لہجے میں بولی۔ "یہ جو کچھ دیر پہلے تم کسی کا ذکر کر رہے تھے کہ وہ بڑا زبردست پائلٹ تھا' کیا وہ تمہاری جگہ سنبھالنے نہیں آ سکے گا۔ کیا نام بتایا تھا تم نے اس کا؟"

"کرشن مہرہ۔" ارجن نے جواب دیا پھر قدرے مایوسی سے بولا۔ "وہ کمبخت نہ جانے کہاں دھکے کھا رہا ہو گا۔ کورٹ مارشل کے بعد تو نوکری ملنا بھی مشکل ہو جاتی ہے۔"

"خیر...... وقت آنے پر سب کچھ سوچیں گے۔" راجکماری نے بے پروائی سے کہا اور گویا بات ختم کرتے ہوئے بولی۔ "ضرورت پڑی تو ہم اسے ڈھونڈ نکالیں گے' ویسے تم اگر اپنی ٹریولنگ ایجنسی کھولنے میں واقعی بہت دلچسپی رکھتے ہو تو اس کے بارے میں غوروخوض جاری رکھو۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہارے کسی کام آ سکوں۔"

کرشن کے بارے میں کون سی بات تھی جو اسے معلوم نہیں تھی۔ خود تاریکی میں رہتے ہوئے اس میں سے کچھ معلومات ارجن کو منتقل کرنا مشکل کام نہیں تھا۔ اس کے لیے راجکماری کو کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا کہ ارجن یہی سمجھے کہ اس نے اپنی کوششوں سے کرشن کو ڈھونڈا ہے۔

ادھر کرشن پین ایم میں ملازمت کے ابتدائی دنوں میں خوش تھا' لیکن رفتہ رفتہ

اسے احساس ہوا کہ وہ کسی دلدل میں دھنس گیا ہے۔ یہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ محض ایک نیوی گیٹر تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس سے سوال جواب ہوتے تھے۔ اس کے کردار پر جرح ہوتی تھی۔ "فلاں شہر میں تم لڑکیوں کو شاپنگ کراتے رہے اور افراتفری میں جہاز پر پہنچے ...... فلاں کیپٹن تم سے خوش نہیں ہے۔ تم اسے فلائنگ کے طریقے سکھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

کرشن ان باتوں پر اندر ہی اندر کھولتا رہتا۔ اتنا پریشان تو وہ ایئر فورس کے ڈسپلن میں بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ ایئر فورس والوں نے اسے بہت برداشت کیا تھا۔ پین ایم کے بارے میں اس کے ذہن میں تو یہی تصور تھا کہ ایک انتہائی ترقی یافتہ ملک میں قائم شدہ' دنیا کی اس سب سے بڑی ایئر میں لائن نہایت آزادانہ اور دوستانہ ماحول ہو گا۔ اور وہ امریکی اسٹائل میں زندگی بسر کر سکے گا مگر انہوں نے بعض معاملات میں تو انڈیا جیسے ترقی پذیر اور مشرقی ملک کی ایئر فورس کو بھی مات کر دیا تھا۔ کبھی کبھی وہ مایوسی کے عالم میں سوچتا کہ شاید ایشیائی ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا ہے۔

ایک روز تو حد ہی ہو گئی۔ مڈل ایسٹ کی ایک فلائٹ میں وہ واپسی پر جہاز پر پہنچنے میں دو منٹ لیٹ ہو گیا۔ حقیقتاً اس میں کرشن کی کسی سستی کا دخل نہیں تھا' جس ٹیکسی میں وہ سفر کر رہا تھا' وہ ایک جگہ ٹریفک میں پھنس گئی تھی۔ کرشن کی وجہ سے فلائٹ دو منٹ لیٹ ہو گئی اور ہیڈ کوارٹر میں اس کی رپورٹ ہو گئی۔

لطف کی بات یہ تھی کہ وضاحت کے لیے ایسٹ مین کے سامنے ہی پیش ہونا پڑا جو ایک سابق ہندوستانی وزیر کا دوست تھا۔ وہ ہندوستانی وزیر آنند ورما کا دوست تھا۔ ورما نے اسی سابق وزیر کا رقعہ دے کر کرشن کو ایسٹ مین کے پاس بھیجا تھا۔ لیکن کرشن کو آج تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اسے وہ سفارشی رقعہ لانے کا کیا فائدہ ہوا تھا؟ بلکہ کبھی کبھی تو اسے شبہ ہوتا کہ شاید سفارشی رقعہ لانے کی وجہ سے اسے زیادہ ذلت اٹھانا پڑ رہی تھی۔

اس بار بھی ایسٹ مین اسے دو منٹ کی تاخیر پر ہلکی سی سرزنش کرنے کے بجائے اس کا پورا پچھلا کچا چٹھا لے کر بیٹھ گیا۔ کرشن پہلے ہی سلگ رہا تھا اور اتفاق سے وہ اس

وقت بھی پئے ہوئے تھا۔ ایسٹ مین کے سامنے پیشی کے لیے اپنے آپ میں زیادہ سے زیادہ جرات پیدا کرنے کے لیے اس نے کچھ زیادہ ہی پیگ چڑھا لیے تھے۔

بات بڑھ گئی اور کرشن نے طیش میں آ کر ایسٹ مین کے جبڑے پر گھونسا رسید کر دیا۔ یہ واقعہ گویا پوری بلڈنگ میں زلزلہ برپا کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ دو تین لمبے تڑنگے اسٹیورڈ جو اس وقت کمرے میں ہی موجود تھے' ایسٹ مین کا اشارہ پا کر کرشن پر پل پڑے اور انہوں نے ایک گھونسے کے جواب میں اس کے منہ پر کئی گھونسے اور پیٹھ پر کئی لاتیں رسید کیں۔ وہ اسی طرح کھڑے پیروں نوکری چھوڑ کر نکل آیا۔ اگر وہ نہ بھی چھوڑتا تو یہ بات یقینی ہی تھی کہ ضابطے کی کارروائی کے تحت اسے نکال دیا جاتا۔

اس کے بعد تو گویا کرشن پر کسی آسیب کا سایہ ہو گیا۔ وہ گلوبل ایئر ویز میں گیا جس کے پاس ڈھائی سو جہازوں کا فلیٹ تھا لیکن وہاں بھی اس کی ملازمت چار ماہ سے زیادہ جاری نہ رہ سکی۔ یہاں بھی ایک آفیسر سے اس کا جھگڑا ہو گیا۔ گھوم پھر کر آخر کار وہ ایئر انڈیا میں آ گیا جہاں وہ نہیں آنا چاہتا تھا۔ یہاں ایک ایئر ہوسٹس سے اس کے بہت ہی گہرے تعلقات استوار ہو گئے۔ مگر اتفاق سے ایک سینئر کیپٹن بھی اس ایئر ہوسٹس پر دل و جان سے فریفتہ تھا اور وہ یونین کا عہدیدار بھی تھا جس کی ابھی تک رکنیت بھی نہیں ملی تھی۔ اس کیپٹن نے کرشن کو ملازمت سے نکلوا کر ہی دم لیا۔ ملک میں اور کوئی قابل ذکر ایئر لائن نہیں تھی۔

کئی ماہ کی خواری کے بعد آخر کار اس نے ایک ایئر کارگو کمپنی میں ملازمت کر لی جس کا کل اثاثہ' باربرداری کے تین جہاز تھے۔ یہ کمپنی قرضوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی اور اس امید پر چل رہی تھی کہ ایک بینک نے اسے مزید قرض دینے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ کرشن طوعاً و کرہاً باربرداری کا جہاز چلانے لگا تھا۔ تاہم اسے یہاں یہ خوشی میسر آئی کہ کمپنی کے مختصر سے عملے میں اس کی بے پناہ عزت تھی۔ کمپنی کا پریذیڈنٹ تک اس سے احترام سے پیش آتا تھا' لیکن پھر ہوا یہ کہ نامعلوم وجوہات کے تحت بینک نے کمپنی کو قرض دینے سے انکار کر دیا۔

کمپنی کے صدر نے ایک روز کرشن کو اپنے دفتر میں بلا کر یہ اندوہناک خبر سنائی کہ کمپنی کو دیوالیا قرار دے کر جہاز نیلام کیے جا رہے ہیں۔ کرشن ایک بار پھر بے روزگار

تھا!

اس کی بے روزگاری اور اس وجہ سے بڑھتی ہوئی چڑچڑاہٹ نے اس کی ازدواجی زندگی میں بھی دراڑیں ڈالنا شروع کر دی تھیں۔ کملا حتی الامکان ملائمت' محبت اور بردباری سے اس کے مزاج کو معمول پر رکھنے کی کوشش کرتی لیکن خلیج تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک بار تو اس نے کملا کو یہ طعنہ بھی دے دیا کہ وہ اس کے لیے سبز قدم ثابت ہوئی تھی۔ ایسی دل دکھانے والی باتیں کرنا اس کا معمول بنتا جا رہا تھا۔ کملا خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی تھی۔ کئی کئی دن اس کا دل اندر ہی اندر روتا رہتا۔

پھر ایک روز ایک فون آیا جس کے بعد کرشن کا موڈ یک دم خوشگوار ہو گیا۔ وہ دیر تک فون پر مصروف گفتگو رہا تھا۔ وہ جب بات ختم کر کے کملا کے پاس آیا تو اس کے چہرے پر ایک نئی امید کا پرتو نظر آ رہا تھا۔ "کملا! میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے ایک عرصے کے بعد پرانی گرمجوشی سے کملا کو بازوؤں میں جکڑتے ہوئے کہا۔ "یہ کسی ارجن گوپال کا فون تھا۔ مجھے تو یاد بھی نہیں رہا کہ یہ کون شخص تھا۔ ایئر فورس میں کچھ عرصہ میرے اسکواڈرن میں رہا ہو گا۔ مگر یہ قسمت کی مہربانی تھی کہ اس نے مجھے یاد رکھا اور اتنی کوششوں سے میرا سراغ نکالا۔"

"کیا کہہ رہا تھا وہ؟" کملا نے بڑھتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ پوچھا۔

"وہ اس وقت کیلاش امبانی کا پرائیویٹ پائلٹ ہے۔ تمہیں معلوم ہے کیلاش امبانی کون ہے؟" اس نے بچگانہ جوش میں پوچھا۔

کملا ایڈورٹائزنگ کی فیلڈ میں تھی۔ وہ اس قسم کی شخصیتوں کے وجود سے بالکل ہی لاعلم نہیں ہو سکتی تھی۔ "وہ انڈیا کا امیر ترین آدمی ہے۔ اس کی کچھ کمپنیوں کے اشتہاروں کا تھوڑا بہت کام کبھی ہماری ایجنسی کے حصے میں بھی آیا تھا۔"

"ارجن گوپال اسی کا پائلٹ ہے لیکن وہ نوکری چھوڑ کر جانا چاہتا ہے۔ اپنی ٹریولنگ ایجنسی کھولنا چاہتا ہے۔ لیکن کیلاش اس وقت تک اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے' جب تک وہ اسے اپنے ہی جیسا کوئی متبادل فراہم نہ کر دے اور اسے اپنا متبادل صرف میں نظر آیا ہوں۔ میں کل شام ہی کیلاش کو اپنے کوائف ارسال کر رہا ہوں۔"

خبر خوش کن تھی لیکن کملا نہ جانے کیوں بجھ سی گئی۔

تقریباً دو ہفتے بعد کرشن کو اپنی درخواست کے جواب میں کیلاش امبانی کے پرسنل منیجر کا خط ملا۔ کیلاش نے انٹرویو کے لیے اتوار کو ٹھیک نو بجے صبح اسے اپنے پیلس پر طلب کیا تھا۔ کرشن ایک مدت بعد اتنا پرجوش اور پرامید نظر آ رہا تھا' جتنا کملا اسے دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کی کئی برس پرانی شخصیت کی متناطیسیت اور توانائی لوٹ آئی تھی۔
اب وہ قدرے پختہ العمر' لیکن وہی کرشن نظر آ رہا تھا جس سے کملا نے ٹوٹ کر محبت کی تھی اور جو اس کی زندگی کا کل سرمایہ تھا۔

"تم گھر پر ہی میرا انتظار کرنا۔" کرشن اتوار کو روانہ ہوتے ہوئے بولا۔ "معاملات طے ہوتے ہی میں سب سے پہلے گھر آ کر تمہیں یہ خوشخبری سناؤں گا۔"

کملا خاموش رہی۔ معلوم نہیں کیوں اب اسے کرشن کے منصوبوں' ارادوں اور مزاج پر زیادہ بھروسہ نہیں رہا تھا۔

کرشن صبح کا گیا شام کو واپس آیا' تاہم وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ جوش مسرت سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

"کملا! کیلاش سے میرے معاملات بہت ہی اچھی شرائط پر طے پا گئے ہیں۔" وہ پرجوش لہجے میں بولا۔ "بس ہمیں تھوڑی سی تکلیف کرنا پڑے گی۔"

"وہ کیا؟" کملا کی دھڑکن تیز ہو گئی۔



"ہمیں رہائش تبدیل کرنی پڑے گی۔" کرشن بولا۔ "کیلاش نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ اس کے خاص ملازمین اس کے گھر اور ایئر پورٹ سے قریب تر رہیں تاکہ وہ جب بھی انہیں طلب کرے' انہیں لمبا سفر کر کے آنے اور ٹریفک میں پھنسنے یا اس قسم کے دوسرے مسائل میں الجھ کر وقت نہ ضائع کرنا پڑے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے پیلس اور ایئر پورٹ کے درمیانی علاقے میں کچھ زمین لے کر پچیس تیس مکانوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی کالونی بنوا رکھی ہے۔ اس کالونی میں صرف وہ چند خاص خاص ملازمین رہتے ہیں جن کی کیلاش کو کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی ہے اور وہ انہیں فون کر کے گھر یا ایئر پورٹ طلب کر سکتا ہے۔ ہمیں بھی اسی کالونی میں ایک چھوٹا سا فرنشڈ بنگلا ملے گا۔ ہمیں وہیں رہنا ہو گا۔"

کملا کے لیے یہ کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔ اپنا اپارٹمنٹ اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ اسے چھوڑ کر جانے کا تصور اس کے لیے خاصا اذیت ناک تھا۔ اس نے بڑی محنت سے اسے سجایا سنوارا تھا۔ مگر وہ خاموش رہی۔ وہ کرشن کی خوشیوں میں کسی بدمزگی کی آمیزش کرنا نہیں چاہتی تھی۔

لیکن اس کے سر پر بم اس وقت پھٹا جب کرشن نے کہا۔ "اور اب تم اپنی ملازمت سے بھی استعفا دے دو۔ ہمیں اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میرا اپاؤنٹمنٹ تم سے چار گنا تنخواہ پر ہوا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اب تم نوکری کرو۔ اس کے بغیر بھی ہماری گزر بسر شاہانہ طریقے سے ہو جائے گی۔ آنند ورما کو صاف جواب دے دو۔ ویسے بھی میں ہر وقت اس کا احسان مند سوہنا پسند نہیں کرتا۔ میرا چونکہ ڈیوٹی کا کوئی مقررہ وقت نہیں ہو گا۔ اس لیے میں کسی وقت بھی گھر آ سکتا ہوں اور نہ جانے مجھے کتنی دیر گھر پر ہی رہنا پڑے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری موجودگی میں تم بھی گھر پر ہی رہا کرو۔

اکیلا گھر مجھے کاٹنے کو دوڑتا ہے۔"

"کرشن!" کملا کو اپنے لہجے میں ملائمت برقرار رکھنے کے لیے بڑی کوشش کرنا پڑی ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ زور زور سے چیخنا شروع کردے۔ "تمہاری ملازمت ابھی شروع بھی نہیں ہوئی۔ اتنی جلدی اتنا بڑا فیصلہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔"

"اس کا مطلب ہے، تمہیں میرے فیصلے سے اتفاق نہیں یا پھر ورما کو چھوڑنا تمہیں مشکل معلوم ہوتا ہے؟" کرشن کے لہجے میں وہی کمینہ پن آگیا جس سے کملا کو نفرت تھی۔

"کرشن! تم بات کو ہمیشہ غلط رنگ دینے کی کوشش کرتے ہو۔" وہ نرمی سے بولی۔ "اب ہماری وہ کھلنڈرے پن کی عمر نہیں رہی۔ ہمیں ہر فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے اور یہ ورما کے بارے میں تم ہروقت وہ پرانا امیج ذہن میں مت رکھا کرو۔ اب میرا اس سے کوئی شخصی تعلق نہیں رہا۔ میں بس اس کی کمپنی میں ملازم ہوں۔ مجھے نوکری کا لالچ بھی نہیں ہے۔ لیکن اچھا نہیں لگتا کہ جونہی ہمیں ذرا سا سہارا ملے، میں ورما کی ملازمت چھوڑ دوں اور جونہی دوبارہ ضرورت پڑے، میں دوڑی دوڑی پھر اس کے سامنے درخواست لے کر چلی جاؤں۔"

"گویا تم پہلے ہی بدشگونی کر رہی ہو کہ کل کو پھر میری ملازمت ختم ہو سکتی ہے؟" وہ جارحانہ لہجے میں بولا۔ وہ بات کو منفی رخ سے پکڑنے میں ماہر تھا۔

"یہ بات نہیں ہے کرشن......!" وہ بے بسی سے ہاتھ پھیر کر رہ گئی۔

"میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہی وہ ملازمت ہے جس کی مجھے درحقیقت تلاش تھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں میرا گزارہ ہو جائے گا۔ لیکن اس موقعے پر مجھے تمہاری مکمل رفاقت کی ضرورت ہے۔ اب تم فیصلہ کر لو کہ ہمارا راستہ ایک رہ سکتا ہے یا نہیں۔"

اس کے لہجے میں یکایک اتنی غیریت آگئی کہ کملا ایک انجانے خوف سے کانپ اٹھی۔ کیا واقعی چھ سال کی رفاقت کے بعد بھی کرشن اور وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہی تھے؟ وہ گویا سناٹے میں آگئی تھی اور کرشن اس کے سامنے جواب کا منتظر بیٹھا تھا۔

کملا نے کہیں پڑھا تھا کہ ہر عورت کی زندگی میں کم از کم ایک لمحہ ضرور ایسا آتا ہے جب وہ کوئی فیصلہ کرنے میں ذرا سی تاخیر یا غلطی کر دے تو برسوں کی ازدواجی زندگی

کا بندھن کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی زندگی میں بھی شاید وہ لمحہ آن پہنچا تھا۔ اسے درست فیصلہ کرنا تھا۔ اپنی ازدواجی زندگی اور کرشن کی رفاقت اسے دنیا میں ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی۔

"بہت بہتر کرشن!" آخرکار اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "جیسے تمہاری خوشی۔"

دوسرے روز اس نے آنند ورما کو یہ خبر سنائی تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ کئی لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔ "میرے خیال میں تو نوکری چھوڑنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی۔ کرشن کے ذہن میں جو گرہیں موجود ہیں وہ اسے چین سے نہیں رہنے دیتیں۔ بہرحال تم ایک بار پھر سوچ لو۔"

"میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے۔" کملا افسردگی سے بولی۔ "میرے سامنے ازدواجی زندگی کو بچانے کا یہی راستہ ہے۔"

اگلے ہفتے وہ اس چھوٹے سے بنگلے میں منتقل ہو گئے جو کرشن کو کیلاش امبانی کی طرف سے ملا تھا۔ دو دن میں وہ اس میں چند چھوٹی ...... موٹی تبدیلیاں کر کے اور اپارٹمنٹ سے اپنا کچھ ذاتی سامان لا کر سیٹ ہو گئے۔ بنگلا اور اس کے آس پاس کا ماحول معقول ہی تھا۔ کملا کو امید تھی کہ وہاں اس کا دل لگ جائے گا۔

دو دنوں کی ان مصروفیات کے دوران کرشن مسلسل کملا کو کیلاش ہی کے بارے میں بتاتا رہا کہ وہ تو درحقیقت نئے دور کا ایک بہت بڑا مہاراجہ ہے۔ جس پر مہربان ہو جائے اس کے نصیب کھل جاتے ہیں۔ نہ جانے کیسی کیسی شخصیتیں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر میں رہتی ہیں۔

کرشن نے اسے یہ بھی بتایا کہ کیلاش اس کا ریکارڈ دیکھ کر بے حد متاثر ہوا تھا، اس نے بے پناہ مسرت کا اظہار کیا تھا اور فوراً ہی کرشن کا تقرر کر دیا تھا، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ کیلاش سے ملاقات کے لیے کرشن کو پورے تین گھنٹے اس کے ریسپشن روم میں انتظار کرنا پڑا تھا۔ اس کے بعد گو کہ کیلاش نے اس سے خاصی طویل ملاقات کی تھی لیکن اس کا رویہ انتہائی سرد تھا اور درحقیقت وہ ملاقات اس لیے طول کھینچ گئی تھی کہ کیلاش نے اس سے سینکڑوں سوالات کیے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے وہ کرشن کو ایک کتاب سمجھ کر حفظ کر لینا چاہتا ہو۔

"بات یہ ہے مسٹر کرشن مہرہ ......!" کیلاش نے اپنی باریک بینی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "کہ میں سب سے زیادہ احتیاط اپنے پائلٹ کے انتخاب میں برتتا ہوں۔ ظاہر ہے' جہاز میں سفر کے دوران میری سلامتی کا زیادہ تر دارومدار میرے پائلٹ پر ہوتا ہے۔ یوں سمجھو کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ احتیاط برتنا تو لازمی ہو جاتا ہے نا؟"

اس نے سب سے زیادہ سوالات اس سلسلے میں کیے کہ آخر کرشن اتنے اداروں میں کام کرنے کے باوجود کہیں ٹک کیوں نہیں سکا؟ اس سلسلے میں کرشن اسے مطمئن کرنے میں بڑی مشکل سے کامیاب ہو سکا۔ اسے ایک چھوٹی سی جذباتی تقریر بھی کرنا پڑی

عام حالات میں شاید کرشن اتنی دیر انتظار کرنے اور اتنے سوالات کا جواب دینے کے دوران جھلا اٹھتا اور ملازمت سے پہلے ہی اس پر لعنت بھیج کر اٹھ بھاگتا لیکن درحقیقت وہ اپنے لیے واپسی کے سارے دروازے بند کر آیا تھا۔ اس لیے اس نے صبروتحمل سے تمام مراحل طے کیے اور آخر کار کیلاش نے اس کا تقرر کر دیا۔

کرشن جب امبانی پیلس کے کانفرنس روم سے نکل کر برآمدے کی سیڑھیوں پر آیا تو اس کی روح ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔ کوئی غیبی طاقت اسے اطمینان دلا رہی تھی کہ اس کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو گیا ہے اور کیلاش امبانی کی ملازمت اسے راس آ جائے گی۔ اسے قطعاً معلوم نہیں تھا کہ جب وہ پیلس میں داخل ہوا تھا تو پیلس کی ایک کھڑکی سے راجکماری اسے دیکھ رہی تھی۔

سات سال کے طویل عرصے بعد کرشن کو اسی مخصوص انداز میں اپنے سے چند قدم کے فاصلے پر چلتے دیکھ کر جیسے راجکماری کے دل کی دھڑکن تھمنے لگی تھی۔ بے شک یہ وہی کرشن تھا جس کی تصویر راجکماری کی آنکھوں میں ذرا بھی دھندلی نہیں ہوئی تھی۔

اس کی آنکھوں اور ہونٹوں کے قریب پختہ العمری کی چند شکنیں نمودار ہو چکی تھیں اور پپوٹے کچھ بھاری ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ اس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی۔

اس کا محبوب و مطلوب اور اس کا نشانہ انتقام۔ یہی وہ کرشن تھا جو اسے شادی کے

لیے تیار رہنے کا پیار بھرا حکم دے کر بھول گیا تھا اور دوبارہ لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ یہی وہ کرشن تھا جس کا بچہ وہ کوکھ میں پالتی رہی تھی اور انتقام کے اندھے پن میں' اس کے گناہوں کی سزا اس ننھی سی جان کو دے چکی تھی۔ یہی وہ کرشن تھا جس کے لیے راجکماری اب تک زندہ تھی۔ پورے سات سال اس نے اس کے لیے ایک ایک لمحے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ ایک خاص مقصد حیات لے کر آنکھیں بند کر کے چلتی رہی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ لوگوں نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا اور وہ خود اپنے ساتھ کیا کر رہی تھی۔ اسے بس یہ معلوم تھا کہ ایک روز وہ اسے اپنے قدموں پر لا کر جھکائے گی اور تقدیر ہر قدم پر اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

آج اس دور کی ابتدا ہو رہی تھی جس کا راجکماری نے ہر سانس کے ساتھ انتظار کیا تھا! اس نے زبردست سنگھار کیا' انتہائی حسین لباس پہنا۔ دنیا کی بیش قیمت ترین خوشبوئیں جسم اور لباس میں رچائیں۔

کرشن جب کیلاش سے بات چیت مکمل کر کے باہر آیا تو راجکماری سیڑھیوں کے قریب کھڑی تھی۔ وہ ایک حسین مومی مجسمے کی طرح سنگ مرمر کے چبوترے پر ایستادہ تھی۔ مدھم ہوا سے اس کے ریشمی' سنہری بال دھیرے دھیرے لہرا رہے تھے اور اس کی ساکت آنکھیں کرشن کو دیکھ رہی تھیں جو سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔

کرشن نے اسے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک ابھری' لیکن یہ شناسائی کی مسکراہٹ اور اشتیاق کی چمک نہیں تھی' یہ محض وہ علامتیں تھیں جو ہر خواہش پرست مرد کے چہرے پر کسی حسین عورت کو دیکھ کر نمودار ہو جایا کرتی ہیں۔

"نمستے!" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر نہایت شائستگی اور عاجزی سے کہا۔ لہجے میں مکمل اجنبیت تھی۔ "مجھے کرشن مہرہ کہتے ہیں۔ آپ غالباً میڈم امبانی ہیں؟"

راجکماری نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بس خاموش کھڑی اس اجنبی آشنا کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ ناتمام حسرتوں کے مدفن ڈھونڈتی رہی۔ کرشن نے واقعی اسے نہیں پہچانا تھا۔ شاید اسے صورت کچھ مانوس لگی ہو لیکن اس کا تصور شاید اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ برسوں پہلے ہوٹل کے کمرے میں اس کے ہاتھوں

کھلونا بننے والی ایک مفلس و نادار اور سیدھی سادی نوخیز سی لڑکی اس کے سامنے میڈم امبانی کے روپ میں موجود ہے!

کئی ہفتے گزر گئے۔ کرشن باقاعدگی سے ڈیوٹی دے رہا تھا۔ روزانہ وہ امبانی پیلس پہنچتا۔ امبانی کی سیکرٹری سے پروگرام کو معلوم کرتا اور وشی ٹاؤن شپ کے قریب واقع ایئرپورٹ پہنچتا جہاں امبانی کے ہوائی جہاز کھڑے ہوتے تھے۔ وہ جہازوں کا معائنہ کرتا اور بعض اوقات پیار سے ان پر ہاتھ پھیرتا جیسے وہ اس کے بچے ہوں۔ درحقیقت جہازوں سے اسے عشق تھا۔ فضائے بسیط میں انہیں اڑائے پھرنا اور نت نئے پینتروں سے موسموں کی ناہمواریوں کا مقابلہ کرنا اس کا پسندیدہ ترین کام تھا۔

ان ہفتوں کے دوران اسے کئی مرتبہ امبانی یا اس کے مہمانوں کو لے کر مختلف ممالک کے سفر پر جانا پڑا۔ کرشن کو یہ جان کر بے حد حیرت ہوئی کہ امبانی بذات خود ایک ماہر پائلٹ تھا اور یہ کرشن کے لیے ایک اعزاز سے کم نہیں تھا کہ وہ اس کی صلاحیتوں سے مطمئن ہو گیا تھا۔

ایک روز اس کے کو پائلٹ منوہر لال نے اسے بتایا کہ عنقریب انہیں میڈم امبانی کو لے کر لندن کا سفر کرنا ہو گا۔ کرشن کے دل میں اشتیاق کی ایک لہر سی اٹھی۔ بظاہر سرسری سے لہجے میں وہ بولا۔ ”معلوم نہیں‘ کیوں میڈم کی شکل مجھے کچھ دیکھی ہوئی سی لگتی ہے۔“

”وہ تو سبھی کو لگتی ہے۔“ منوہر لال اطمینان سے بولا۔ ”وہ اتنی بڑی فلمی ہیروئن جو رہی ہیں۔ وہ تو باس نے ان کا فلموں میں کام کرنا چھڑوا دیا ورنہ وہ تو اس وقت بھی ٹاپ کی ہیروئن ہوتیں۔“

تب کرشن کو اس چہرے کی مانوسیت کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بھی اس عورت کی دو تین فلمیں دیکھی ہوئی تھیں۔ اسے یاد آیا کہ اس کا فلمی نام شاردا ہوا کرتا تھا۔ لیکن اس سے پہلے بھی اس سے کچھ ملتا جلتا سا ایک نوخیز چہرہ اس کے تحت الشعور میں کہیں تیرتا تھا۔ کبھی کبھی دو صورتوں میں بڑی مشابہت محسوس ہوتی ہے‘ لیکن وہ اس بھولے بسرے‘ دھندلے دھندلے سے معصوم چہرے کو جلدی سے تحت الشعور کی گہرائیوں میں دھکیل دیتا تھا۔ اس چہرے کا سامنا کرنا ذرا مشکل کام تھا۔ وہ اس کا مجرم

تھا۔ لیکن یہ اس کے لیے کوئی بہت زیادہ سنگین مسئلہ بھی نہیں تھا۔ وہ تو ایسے کتنے ہی چہروں کا مجرم تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ کٹی پتنگ کی طرح ڈولتی ہوئی خوش شکل مگر بے وقوف سی لڑکی ضرور کوٹھے پر پہنچ گئی ہو گی۔ خوبصورتی اور نوجوانی کو بغیر کسی سہارے کے لیے پھرنے والی لڑکیوں کا انجام عموماً یہی ہوتا ہے۔ کرشن کو اب اس کی صورت صحیح طور پر یاد نہیں رہی تھی‘ وہ بہت سی صورتوں کے درمیان کہیں گڈمڈ ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن آج سوچنے پر اسے ہلکا سا احساس ضرور ہوا تھا کہ اس میں ماضی کی شاردا اور حال کی میڈم امبانی کی کچھ نہ کچھ جھلک ضرور پائی جاتی تھی۔ وہ تو اب اس کا نام بھی بھول چکا تھا۔ اس وقت اسے نام وغیرہ پر دھیان دینے کا ہوش ہی کہاں تھا!

چند دن بعد اسے کیلاش امبانی کی سیکرٹری نے فون کیا کہ اسے میڈم کو لے کر لندن جانا ہے۔ کرشن نے سانتا کروز ایئرپورٹ سے فلائٹ پلان لیا تو اسے معلوم ہوا کہ راستے میں کئی مقامات پر ہوا کا دباؤ بہت زیادہ ہے۔ اس نے خوب غوروخوض کر کے محفوظ روٹ منتخب کیا اور میڈم کا انتظار کرنے لگا۔ اسے جو وقت دیا گیا تھا‘ اس سے آدھا گھنٹا تاخیر کے ساتھ ایک سیاہ مرسیڈیز طیارے کے قریب آ کر رکی۔ بمبئی میں چند ایک ہی دولت مندوں کے پاس بیش قیمت غیرملکی گاڑیاں تھیں۔ امبانی ان میں سے ایک تھا۔ راجکماری گاڑی سے اتر کر ایک شاہانہ تمکنت کے ساتھ طیارے کی طرف بڑھی۔

”گڈ مارننگ میڈم!“ کرشن نے طیارے کی سیڑھی پر گرمجوشی سے اسے باقاعدہ سلیوٹ کیا۔ ”میں کرشن ہوں۔ آپ کی اس فلائٹ پر پائلٹ کے فرائض میں ہی انجام دوں گا۔“

راجکماری نے نہ تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور نہ ہی کوئی جواب دیا۔ وہ یوں کرشن کے قریب سے گزر گئی‘ جیسے اس کا وجود اس کے لیے سڑک کے کنارے کھڑے کسی درخت سے بھی کمتر ہو۔ کرشن کھول کر رہ گیا۔ دل ہی دل میں اس نے میڈم امبانی کو ایک موٹی سی گالی دی اور کاک پٹ میں چلا گیا۔

سفر کے دوران اس نے اپنی تمام تر مشاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جہاز کو خفیف سا جھٹکا بھی نہیں لگنے دیا۔ ہیتھرو ایئرپورٹ پر بھی طیارہ اس نے کمال مہارت سے اتارا۔

ایک گہری سانس لے کر وہ منوہر لال کے ساتھ کاک پٹ سے نکلا اور دونوں میڈم امبانی کے کیبن میں پہنچے۔ وہ اس وقت آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے لپ اسٹک درست کر رہی تھی۔

"امید ہے' آپ کا سفر خوشگوار گزرا ہو گا۔" کرشن نے حتی الامکان خوش اخلاقی سے کہا۔

راجکماری نے اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا اور منوہر لال سے مخاطب ہوئی۔

"ایک تو اناڑی پائلٹوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے میری جان سولی پر رہتی ہے۔ دنیا میں جس پائلٹ کو کوئی گدھا گاڑی چلانے کے لیے نہ رکھے' اسے امبانی جمبو جیٹ چلانے کے لیے رکھ لیتا ہے۔"

کرشن نے غیر محسوس طور پر دانت پیسے' پھر مبہم سا احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

"لیکن ......"

راجکماری نے اس کی بات کاٹ دی اور منوہر لال کے توسط سے اسے حکم دیا۔

"منوہر! اس شخص سے کہو کہ اس وقت تک مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہ کرے جب تک میں اسے مخاطب نہ کروں۔"

منوہر نے تھوک نگلا اور معذرت خواہانہ نظروں سے کرشن کی طرف دیکھتے ہوئے میڈم کا حکم دہرایا۔ کرشن خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ وہ میڈم اور اس کے کچھ مہمانوں کو لے کر دبئی گیا۔ وہاں ان کا چند گھنٹے کا قیام تھا۔ اس دوران شہر کی سیر کرتے ہوئے کرشن نے ایک سینما ہاؤس میں شاردا کی فلم لگی دیکھی اور وہ غیر ارادی طور پر ٹکٹ لے کر اندر چلا گیا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ اس نے پہلے شاردا کی جو فلمیں دیکھی تھیں ان میں اس کی اداکاری کا معیار کیا تھا۔ وہ تو صرف یہ سوچ کر سینما ہال میں گھس گیا تھا کہ اسکرین پر ماضی کی شاردا اور آج کی میڈم امبانی کا چہرہ دیکھ کر زیر لب اسے بہت سی گالیاں دے کر دل کی بھڑاس نکال سکے گا۔ لیکن فلم شروع ہوئی تو وہ اس کے تاثر میں ڈوب کر رہ گیا۔ فلم کے بیشتر حصے میں شاردا کی اداکاری المیہ تھی اور اس نے بلاشبہ کرشن جیسے لاابالی آدمی کی پلکیں نم کر دی تھیں۔

وہ جہاز پر لوٹا تو اپنی دانست میں اس نے میڈم امبانی سے خوشگوار مراسم استوار کرنے کی ایک اور کوشش کے طور پر کہا۔ "میں نے آج آپ کی فلم "تیسرا چہرہ" دیکھی اور میں بلامبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آج تک آپ سے بہتر اداکارہ نہیں دیکھی۔"

راجکماری نے پہلی مرتبہ نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی سرد مہری میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ "میں شاید تمہاری رائے سن کر سوچتی کہ تم اچھے پائلٹ نہ سہی' اچھے نقاد ضرور ہو۔ لیکن تمہاری رائے کی میری نظر میں اس لیے کوئی اہمیت نہیں ہے کہ تم ایک بے نظریہ آدمی ہو۔ زندگی کے بارے میں جس شخص کا کوئی نظریہ نہ ہو' کوئی ذوق نہ ہو' اس کی بات پر بالکل یقین نہیں کیا جاسکتا۔" اس نے گویا کرشن کے منہ پر جوتا دے مارا۔ کرشن خجالت سے پانی پانی ہو گیا۔

اس دورے کے بعد وہ گھر پہنچا تو غصے سے ابل رہا تھا۔ کئی گھنٹے گزر جانے کے باوجود ان چرکوں کی اذیت ذرا بھی کم نہیں ہوئی تھی جو میڈم امبانی نے اسے لگائے تھے۔ گھر پہنچنے پر کملا نے ہمیشہ کی طرح بازوؤں میں محبت کی حرارت لیے اس کا استقبال کیا۔

کھانے کے دوران وہ کملا کو میڈم امبانی کے بارے میں بتاتے ہوئے اور اس کے رویے پر گالیاں دیتے ہوئے دل کا بخار نکالتا رہا۔ کملا اسے سمجھاتی رہی کہ ایسی باتوں سے اسے بددل یا مشتعل نہیں ہونا چاہیے بلکہ خود بھی لاتعلقی اور سرد مہری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ بات کرشن کے دل کو لگی۔ اسے ہمیشہ اس وقت منہ کی کھانی پڑتی تھی' جب وہ میڈم امبانی کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کے باوجود ہر سفر کے بعد میڈم نے واپس آکر امبانی سے شکایت کی تھی کہ اس کا نیا پائلٹ آداب گفتگو کا خیال نہیں رکھتا اور خاصا بدتہذیب ہے۔ امبانی نے ایک دو مرتبہ کرشن کو بلا کر سرزنش بھی کی تھی کہ وہ "میڈم" کے حضور کبھی کوئی گستاخی نہ کرے اور حد سے زیادہ گھلا رہے۔

شاید کرشن' کملا کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے میڈم امبانی سے لاتعلق اور سرد مہری اختیار کر کے اپنے اشتعال کو دبانے میں کامیاب ہو جاتا مگر اسے نہ جانے کیونکر بالواسطہ

یا بلاواسطہ کرشن کی توہین کرنے کے مواقع میسر آتے ہی رہتے تھے۔ کبھی کبھی تو وہ بے حد حیران ہو کر سوچتا کہ آخر اس عورت کو اس سے کیا دشمنی ہے۔ اس کے ساتھ کسی عورت نے آج تک ایسا رویہ اختیار نہیں کیا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا ایک بالکل ہی مختلف تجربہ تھا۔

پھر ایک روز تو انتہا ہو گئی۔ میڈم کی طرف سے اسے حکم ملا کہ وہ ایمسٹرڈیم روانگی کی تیاری کرے۔ اسے کچھ شاپنگ کرنی تھی۔ وہ حیران رہ گیا۔ اس نے شاپنگ کے لیے کسی کو ایمسٹرڈم جاتے نہیں سنا تھا۔ وہاں کی دکانیں تو ہیروں کے علاوہ کسی بھی مخصوص چیز کے لیے مشہور نہیں تھیں۔

اس نے ایئر پورٹ سے موسم کی رپورٹ لی تو معلوم ہوا کہ ایمسٹرڈم میں گہری کہر پڑ رہی ہے۔ وہاں کے لیے تمام پروازیں منسوخ کر دی گئی ہیں کیونکہ رات کو وہاں برف باری شروع ہونے اور تمام رات جاری رہنے کا امکان ہے۔ ان حالات میں ایمسٹرڈم جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ مگر میڈم نے بڑے اٹل انداز میں حکم دیا تھا کہ اس کے پروگرام پر عمل ضرور ہو گا۔

کرشن نے فون پر امبانی کی سیکرٹری کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "اتنا طویل سفر کتنا مہنگا پڑتا ہے ......پھر غیر ملکی سامان انڈیا میں لانے کے لیے سر امبانی جیسے آدمی کو بھی کسٹم والوں کے لیے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شاپنگ کے لیے ایمسٹرڈم جانے کی کیا ضرورت ہے؟ دبئی اتنا نزدیک ہے اور وہاں جوتیوں سے لے کر ہیروں تک ہر چیز موجود ہے۔ میڈم وہاں کا ہی پروگرام دوبارہ کیوں نہیں بنا لیتیں؟"

سیکرٹری نے کئی منٹ اسے ہولڈ کرایا۔ پھر دوبارہ لائن پر آکر کہا۔ "میڈم کہہ رہی ہیں کہ تمہیں پائلٹ رکھا گیا ہے فنانشل ایڈوائزر نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے ہندوستان کے امیر ترین آدمی سے شادی اس لیے نہیں کی کہ بیٹھ کر بچت اور کفایت شعاری کی ترکیبیں سوچا کروں۔"

کرشن اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کچھ دیر تک ٹال مٹول کرتا رہا اور ایمسٹرڈم کے موسم کی رپورٹ لیتا رہا لیکن موسم' پیش گوئی کے عین مطابق خراب سے خراب تر ہوتا گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے فون پر سیکرٹری کے ذریعے میڈم کو موسم کی خرابی کا احساس دلانا چاہا لیکن وہ اس کی بات سمجھنے کے بجائے لائن پر انتہائی سرد اور توہین آمیز لہجے میں بولی۔ "اپنی نااہلی کو موسم کی خرابی کے بہانوں میں چھپانے کی کوشش مت کرو۔ کیلاش امبانی کو یقیناً ایسے پائلٹ کی ضرورت نہیں ہو گی جو خراب موسم میں طیارہ لینڈ نہ کر سکتا ہو۔"

کرشن نے دل ہی دل میں ایک بار پھر اُسے گالی دی' دانت پیسے اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا۔ "ٹھیک ہے۔ جب آپ روانہ ہونا چاہیں' ایئر پورٹ پر تشریف لے آئیں۔"

دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے کتیا کی بچی! اگر میں اور کریو کے دوسرے لوگ مریں گے تو ساتھ میں تم بھی مرو گی۔"

طیارہ جب ایمسٹرڈم پہنچا تو ریڈیو کے علاوہ ایئر پورٹ سے ان کا کوئی رابطہ نہ تھا۔ دھند اتنی گہری تھی کہ ایئر پورٹ پر رن وے کی کوئی اشارتی بتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ کنٹرول ٹاور والوں نے کرشن کو لینڈ کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا لیکن اس نے ہنگامی ضرورت کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی بتایا کہ اس کے پاس فیول ختم ہو رہا ہے۔ اس بات کو بعد میں سچا ثابت کرنے کے لیے اس نے فاضل ایندھن کی ٹنکیاں راستے میں' فضا میں ہی خالی کر دی تھیں۔

اندازاً ایئر پورٹ کے کئی چکر لگانے کے بعد آخر کار اسے ہنگامی ضرورت کے تحت لینڈ کرنے کی اجازت ملی۔ یہ زندگی اور موت کی بازی تھی۔ ایک ایسا چیلنج تھا جسے جانتے بوجھتے کوئی بھی قبول نہ کرتا۔ شاید کرشن بھی نہ کرتا۔ اگر اس کے پیچھے ایئر فورس کا ریکارڈ نہ ہوتا اور اسے ملازمت کی اشد ضرورت نہ ہوتی۔

رن وے کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ محض سمتوں اور زاویوں کی رہنمائی میں لینڈ کرنا' آنکھیں بند کر کے لینڈ کرنے کے ہی مترادف تھا۔ بہرحال کرشن نے کنٹرول ٹاور سے موصول ہونے والی ہدایات کی روشنی میں طیارہ اتارا اور اس کا اگلا پہیہ زمین سے لگتے ہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے کی تہوں میں اس بتی کو تلاش کرنے کی کوشش کی جو اب تک کنٹرول ٹاور کے بتائے ہوئے زاویوں اور سمتوں کے حساب سے

اسے نظر آ جانی چاہیے تھی۔ مگر دور تک کہیں بتی تو کیا' اندھیرے کی آغوش کی مدھم سی کرن تک دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

طیارہ اندھیرے میں اندھے ہاتھی کی طرح ہوا کو چیرتا ہوا نہ جانے کس سمت میں جا رہا تھا۔ کرشن کا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ کسی بھی لمحے موت انہیں نگلنے والی تھی۔ کرشن ایک ایک سیکنڈ شمار کر رہا تھا۔ بیس سیکنڈ بعد آخر کار کہر کی گہری تہوں تلے اسے رن وے کی ٹمٹماتی سی بتی نظر آ ہی گئی۔ اس نے طیارے کو دائرے میں گھمایا اور تقریباً دو چکر پورے کر کے آخر کار طیارہ ایک معمولی سے دھچکے کے ساتھ رک گیا۔

کرشن نے سیٹ کے پشتے سے ٹیک لگا کر چند لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی کنپٹیوں میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ بہ مشکل اس نے اپنی دھڑکنوں پر قابو پایا اور اٹھ کر میڈم امبانی کے کیبن میں آیا۔ یہ دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ وہ بدبخت عورت نہایت اطمینان سے بیٹھی اپنا میک اپ درست کر رہی تھی۔ گویا اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ اس نے کتنی جانوں کو عذاب میں ڈالا ہوا تھا اور موت انہیں کتنے قریب سے چھو کر گزری تھی۔

ایئرپورٹ کے مراحل سے فارغ ہو کر وہ ایک کار میں کسی ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ ہوٹل کی لابی میں پہنچ کر میڈم امبانی نے نہایت حقارت سے کرشن کو حکم دیا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔" وہ خود ریسپشن پر چلی گئی۔ چند لمحے بعد کرشن نے اسے شیشے کے دروازے کے دوسری طرف کاؤنٹر پر استقبالیہ کلرک سے بات کر کے لفٹ کی طرف جاتے دیکھا۔ اس نے پلٹ کر یہ دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی کہ وہ کرشن کو لابی میں کھڑا چھوڑ کر گئی ہے۔

کچھ دیر بعد ایک پورٹر اس کے قریب آیا اور بولا۔ "آیئے۔ میں آپ کو آپ کا کمرا دکھا دوں۔"

کرشن خون کے گھونٹ پیتا اس کے ساتھ چل دیا۔ کریو کے دوسرے لوگوں کو اس سے پہلے ہی نہ جانے کن کمروں میں ٹھہرایا جا چکا تھا' جو کمرا اسے دکھایا گیا' وہ کمرا کیا محض ایک ڈربا تھا۔ ہوٹل فائیو اسٹار تھا اور یہ کمرا اس کا کوئی متروک اسٹور روم ہی ہو

سکتا تھا جس میں ایک معمولی سا بیڈ ڈال دیا گیا تھا۔ عام حالات میں یہ کمرا یقیناً کرائے پر نہیں دیا جاتا ہو گا۔

"کیا تم نے مجھے جانور سمجھ رکھا ہے؟" کرشن پورٹر پر غرایا۔

"دراصل میڈم نے ہدایت کی تھی کہ ہوٹل میں سب سے کم سہولتوں اور سب سے کم کرائے والا کمرا آپ کو دیا جائے۔" پورٹر نے ملائمت سے جواب دیا۔

میڈم نے کرشن سے کہا تھا کہ ٹھیک دس بجے یعنی چار گھنٹے بعد اسے اس کے کمرے سے ساتھ لے لے اور اس کے ڈرائیور کے فرائض انجام دیتے ہوئے کرائے کی ایک کار میں اسے مارکیٹ لے چلے جہاں سے انہیں صرف دو گھنٹے بعد واپس روانہ ہو جانا تھا۔ بازار جانے سے پہلے ہی انہیں ہوٹل چھوڑ دینا تھا۔

گویا مسئلہ چار گھنٹے گزارنے کا تھا۔ طوعاً و کرہاً وہ کمرے میں گھس گیا اور کپڑے بدل کر بستر پر ڈھیر ہو گیا جو بستر کم اور لکڑی کا تختہ زیادہ تھا۔ وہ حیران تھا کہ آخر اس کہر آلود برفانی رات میں موت سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے ایمسٹرڈم آ کر اتنے مختصر سے وقت میں میڈم امبانی کو ایسی کون سی ضروری شاپنگ کرنا تھی؟ کوئی ہندوستانی عورت' خواہ وہ کتنی ہی دولت مند ہوتی' اس قسم کا احمقانہ حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

دیر تک سوچنے کے بعد وہ اسی نتیجے پر پہنچا کہ وہ صرف اسے تنگ کرنا چاہتی تھی۔ اذیت دے کر خوش ہونا چاہتی تھی اور کچھ نہیں۔ لیکن اسے حیرت یہ تھی کہ اپنی اذیت پسندی کی تسکین کے لیے اس نے خود اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈالا تھا اور کرشن کے ساتھ طیارے میں سفر کیا تھا۔ جوں جوں وہ اس عورت کے متعلق سوچتا رہا اس کے دماغ کی نسوں میں آگ سی بھرتی گئی۔

اسے احساس نہیں ہو سکا کہ کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ آنکھ کھلی تو سب سے پہلے اس کی نظر گھڑی پر گئی۔ ساڑھے دس بج رہے تھے۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ منہ پر چھپکے مارے اور کپڑے بدل کر بٹن بند کرتا لفٹ کی طرف بھاگا۔

میڈم امبانی کے کمرے پر پہنچ کر اس نے کئی مرتبہ دستک دی' لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ دروازہ غیر مقفل ہی تھا۔ وہ ہمت کر کے اندر چلا گیا۔ وہ درحقیقت کمرا نہیں' ایک

پر تعیش سوئٹ تھا۔ نشست گاہ یا بیڈ روم میں کوئی نہیں تھا۔ وہاں گہرا سناٹا طاری تھا اور کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

کرشن کو یقین ہو گیا کہ ٹھیک دس بجے وہ ہوٹل سے روانہ ہو گئی ہو گی اور اب واپس جا کر اسے ایک بار پھر کیلاش سے شکایت کرنے کا موقع مل جائے گا کہ وہ ایک بے پروا اور غیر ذمے دار آدمی ہے' بطور پائلٹ قطعی ناقابل اعتماد ہے۔ اس کے جسم میں سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اس ملازمت کا چھوٹ جانا اس کے لیے زندگی کا بدترین صدمہ ثابت ہو سکتا تھا' کیونکہ وہ جن راستوں سے گزر کر یہاں تک پہنچا تھا' ان پر واپس جانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ زندگی اس پر دھیرے دھیرے اپنے دروازے بند کر رہی تھی۔

دفعتاً" باتھ روم کا دروازہ بے آواز طریقے سے کھلا اور میڈم امبانی ہوا کے سبک خرام اور خوشبو بردوش جھونکے کی طرح کمرے میں آ گئی۔ چاروں طرف اس کے وجود کی خوشبو پھیل گئی۔ اس کے جسم پر ایک حسین لبادہ تھا۔ شبنم میں بھیگا ہوا شعلہ اگر کسی چیز کو کہا جا سکتا تھا تو وہ اس وقت صرف راجکماری کا پیکر تھا۔

کرشن کی کنپٹیوں میں دھماکے ہونے لگے۔ تو یہ کمبخت یہیں موجود تھی اور اس نے میرے پیروں تلے سے زمین نکال دی تھی۔ اس نے سوچا اس راکشش کی بچی کو میرے اعصاب منتشر کرنے میں لطف آتا ہے۔ ایک عرصے سے اندر ہی اندر ابلتا ہوا آتش فشاں گویا یک لخت پھٹ پڑا۔ اس میں نفرت بھی تھی اور طلب بھی۔ غصہ بھی تھا اور بے بسی بھی۔ حیوانیت بھی تھی اور جھنجلاہٹ بھی۔ ان سب جذبوں سے مغلوب ہو کر وہ میڈم امبانی پر ٹوٹ پڑا۔

اب وہ فکر و تشویش کی منزل سے گزر چکا تھا۔ اسے کوئی پروا نہیں رہی تھی کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟ کیلاش امبانی اس کا کیا حشر کرے گا۔ میڈم کو بیڈ پر پٹخ کر وہ مجنونانہ طریقے سے اس پر جھپٹا تو اس کے کانوں میں میڈم کی خوفزدہ چیخوں کے بجائے ایک خوابناک سی سرگوشی ابھری۔ "واپسی مبارک ہو!" لیکن اس وقت وہ ان الفاظ کا مقصد سمجھنے سے قاصر تھا اور غور کرنے کا نہ اسے ہوش تھا اور نہ ہی خواہش۔

آج ایک بار پھر راجکماری کو تسلیم کرنا پڑا تھا کہ انتہائے محبت اور انتہائے نفرت

کے درمیان ایک باریک سی لکیر ہوتی ہے۔ آج وہ اس لکیر کو پھلانگ کر یکایک ہی محبتوں اور لذتوں کے چمن زار میں واپس آ چکی تھی۔ اسے اپنے آپ پر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ تو کرشن کو ناقابل فراموش سزا دینا چاہتی تھی' دنیا میں انتقام کی عبرتناک مثال بنا کر چھوڑ جانا چاہتی تھی' کرشن کو فنا کر دینا چاہتی تھی' لیکن آج جب کرشن اپنی دانست میں اپنی حیات کے سارے خزانے خالی کر کے تھکا ہارا اس کے پہلو میں پڑا تھا تو وہ محسوس کر رہی تھی کہ درحقیقت اس کی نفرتوں کی تہہ میں چھپی ہوئی منزل یہی تھی۔ اسے صرف اپنا کرشن واپس چاہیے تھا جو دنیا کی بھیڑ میں کھو گیا تھا۔

......پھر اس نے کرشن کو کچھ بتانا شروع کر دیا!

وہ زاروقطار رو رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں' اس کے لفظوں میں سات سال کی ایک ایک ساعت کا حساب' ہجر کے تمام داغ' جدائیوں کا بے حساب الم' پچھتاوے کی ان گنت اذیتیں' ہزاروں گلے' لاکھوں شکایتیں' سب کچھ سمٹ آیا تھا۔

کرشن نے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ اس کی سدا خوشی اور شوخی سے چمکنے والی آنکھیں بھی اس وقت آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھیں۔ ہونٹ زخمی پرندوں کی طرح پھڑپھڑا رہے تھے۔ وہ دیوانوں کی طرح کہے جا رہا تھا۔ "میری گڑیا...... میری جان......! مجھے معاف کر دو۔ دراصل میں تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی دنیا میں کسی سے اتنا پیار بھی کر سکتا ہے' اتنا انتظار بھی کر سکتا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ جس طرح میرے لیے بمبئی کی وہ رفاقتیں محض چند راتوں کا فسانہ تھیں' اسی طرح وہ لڑکی بھی اگلے دن مجھے بھول گئی ہو گی جسے میں شادی کے لیے تیار رہنے کا حکم دے کر آیا تھا۔"

"تم نے آ کر دیکھا تو ہوتا......!" راجکماری نے اس کے سینے سے لگ کر سسکی لی' پھر دل ہی دل میں سوچا۔ یہ محبت بھی عجیب کاروبار ہے۔ سارا احساس زیاں آنسوؤں میں بہہ جاتا ہے۔ سیپ سے نکلے موتیوں کی طرح دل صاف ہو جاتے ہیں!"

راجکماری نے بمبئی سے چند میل دور ایک خوبصورت جزیرے کراس آئی لینڈ پر چھوٹا سا ایک خوبصورت بنگلا خرید لیا تھا۔ جب بھی امبانی ملک سے باہر ہوتا اور کرشن کے بجائے دوسرے پائلٹ کو لے جاتا تو کرشن اور راجکماری کے لیے گویا ایک اور ہی دنیا کے دروازے کھل جاتے۔ وہ دونوں طے شدہ پروگرام کے تحت علیحدہ علیحدہ بمبئی

سے روانہ ہوتے اور کراس آئی لینڈ پر اس بنگلے میں یکجا ہو جاتے۔ کرشن کے لیے یہ احساس بڑا عجیب تھا کہ اس کی محبوبہ نے محض خلوت کے لمحات سے پوری طرح محظوظ ہونے کے لیے ایک اچھا خاصا بنگلا خرید کر مخصوص کر دیا تھا جو ویسے تو خالی ہی رہتا تھا' کبھی کبھار وہ دونوں آ کر چند دنوں کے لیے اسے آباد کر لیتے تھے۔

کراس آئی لینڈ پر پہاڑی کے دامن میں چند ہی بنگلے تھے اور ہر بنگلا گویا اپنی جگہ ایک جزیرہ محبت تھا۔ یہاں کوئی دیکھنے والا تھا نہ کوئی ٹوکنے والا۔ کوئی پہچاننے والا تھا' نہ کوئی چغلی کھانے والا۔ کرشن اور راجکماری یہاں قیام کے دوران خود کھاتے پکاتے' تیراکی کرتے' پہاڑی کے دامن میں ریت پر لیٹ کر گھنٹوں باتیں کرتے لیکن یہ مواقع انہیں کبھی کبھار میسر آتے تھے کیونکہ امبانی کو جہاز میں لے کر اکثر کرشن کو ہی جانا پڑتا تھا۔

اسی دوران کرشن کے تعلقات اپنے جہاز کی ایک ایئر ہوسٹس سے بھی قائم تھے اور اپنی دانست میں وہ بڑی راز داری سے انہیں بھی نباہ رہا تھا' لیکن ایک روز وہ ایئر ہوسٹس کے فلیٹ پر پہنچا تو اس کی حالت دیکھ کر خوفزدہ رہ گیا۔ اس کا لباس تار تار تھا۔ چہرے اور جسم پر جابجا نیل اور خراشیں تھیں۔ جسم کے کئی حصے سوجے ہوئے تھے۔ اس نے روتے ہوئے بتایا کہ کچھ دیر پہلے تین آدمی بہانے سے اس کے فلیٹ میں داخل ہو کر اس کی یہ درگت بنا گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ اگر وہ آئندہ کرشن سے ملی تو اس کا حشر اور بھی بھیانک ہو گا۔

"تم نے پولیس کو اطلاع نہیں دی؟" کرشن نے پوچھا۔

"انہوں نے کہا تھا کہ اگر میں نے پولیس کو اطلاع دی تو وہ مجھے ہلاک کر دیں گے۔" ایئر ہوسٹس کانپتی آواز میں بولی۔ کرشن نے میڈیکل اسٹور سے پٹی اور دوائیں لا کر اس کی مرہم پٹی کی اور اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔ ایئر ہوسٹس کا خیال تھا کہ یہ کارروائی کرشن کی بیوی نے کرائی ہے لیکن کرشن کو معلوم تھا کہ یہ بات ممکن نہیں تھی۔

دوسرے روز ایئر ہوسٹس اسے فلیٹ پر نہیں ملی۔ عمارت کے چوکیدار نے بتایا کہ وہ فلیٹ چھوڑ کر جا چکی ہے اور اپنے نئے ایڈریس کے بارے میں کچھ بتا کر نہیں گئی۔

کرشن خاموشی سے لوٹ آیا۔

اس کے چند دن بعد اسے اور راجکماری کو یکجا ہونے کا موقع میسر آیا تو کرشن نے باتوں باتوں میں راجکماری سے پوچھ ہی لیا۔ "اس ایئر ہوسٹس کو تم نے پٹوایا تھا؟"

"ہاں۔" راجکماری نے بلاتامل جواب دیا۔ "میں کسی اور عورت سے تمہارا تعلق برداشت نہیں کر سکتی۔ تم میرے ہو' صرف میرے۔"

کرشن کو ایک لمحے کے لیے راجکماری سے خوف محسوس ہوا لیکن اس عورت کو چھوڑنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ زندگی بھر کے لیے اس کا اور صرف اس کا ہو کر رہنے پر بھی تیار تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس سے کبھی نہیں اکتائے گا۔

"ایک روز تمہیں کملا کو بھی طلاق دینا پڑے گی۔" راجکماری نے مضبوط لہجے میں کہا۔ کرشن کو ایک بار پھر خفیف سی حیرت ہوئی کہ راجکماری کو اس کی بیوی کا نام بھی معلوم تھا۔

"لیکن پھر ہم کیا کریں گے؟" کرشن نے پوچھا۔ "ایک دوسرے سے شادی تو پھر بھی نہیں کر سکیں گے۔"

"کیوں نہیں کر سکیں گے؟" راجکماری نے تیزی سے کہا۔ "کیلاش کی ناراضگی سے بچنے کے لیے ہم تھوڑی سی احتیاط کر لیں گے۔ کملا کو طلاق اور ملازمت سے استعفا دے کر تم گلف کے کسی ملک یا انگلینڈ پہنچ جانا۔ کچھ عرصے بعد میں بھی کیلاش سے طلاق لے کر تم سے آن ملوں گی۔ میرے پاس اتنا روپیہ ہے کہ تم کہیں بھی کاروبار شروع کر سکتے ہو بلکہ اگر ہم کوئی کام نہ کریں تب بھی شاہانہ زندگی گزار سکتے ہیں۔"

راجکماری کے ساتھ شاہانہ زندگی گزارنے کا تصور کرشن کے لیے بڑا جاں فزا تھا۔ عملاً تو اب بھی کرشن' کملا سے تقریباً لاتعلقی ہی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ایک عرصے سے انہوں نے قریب بیٹھ کر ڈھنگ سے بات بھی نہیں کی تھی۔ گھر میں رہنے کو کرشن کا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ اکثر ڈیوٹی اور دوروں کے بہانے کئی کئی دن گھر سے غائب رہتا۔

شوہر کی مصروفیات کی نوعیت کو ایک بیوی سے بہتر کوئی نہیں جانچ سکتا۔ کملا کو بھی

اندازہ تھا کہ کرشن کی مصروفیات کی تہہ میں کوئی عورت چھپی ہوئی تھی۔ وہ جب چشم تصور سے کرشن کو کسی اور کی بانہوں میں دیکھتی تھی تو شدت سے اس کا دل چاہتا تھا کہ کرشن کو قتل کر دے یا اپنے آپ کو ختم کر لے۔ اس خواہش کی شدت اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

اعصاب کی توڑ پھوڑ سے گھبرا کر اس نے پینی شروع کر دی تھی۔ کرشن اپنے لیے لا کر رکھتا تھا لیکن وہ زیادہ تر کملا کے کام آتی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ بلا نوشی کی حدیں بھی پھلانگ گئی تھی۔ ذہن کو ہمہ وقت خمار میں الجھا کر اس نے اپنی دانست میں راہ فرار اختیار کی تھی مگر درحقیقت وہ دلدل میں دھنستی جا رہی تھی۔

ایک مدت بعد جب اس نے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ جسم بھدا ہو گیا تھا ...... اور سر سے پاؤں تک وہ ایک خزاں رسیدہ درخت کی طرح اجڑی اجڑی نظر آ رہی تھی۔ اس رات اس کا ذہن اور بھی مختل ہو گیا۔

ایسے میں کال بیل بجی۔ کملا نے اٹھ کر لرزاں ہاتھوں سے دروازہ کھولا تو آنند ورما کو کھڑے پایا۔ اگر وہ مکمل طور پر اپنے حواس میں ہوتی تو اس وقت ورما جیسے ہمدرد اور آشنا کو سامنے پا کر خوش ہوتی، سنبھل جاتی۔ لیکن وہ بس سونی سونی آنکھوں سے ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہی۔

ورما اندر آیا۔ اس نے کملا کے اجڑے اجڑے وجود کو سر تا پا دیکھا، گھر پر ایک نظر ڈالی، فرنیچر پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں، میلے برتن قالین پر بکھرے پڑے تھے، میز پر وھسکی کی ادھ بھری بوتل اور گلاس رکھا ہوا تھا۔ ایک بوتل نیچے لڑھکی ہوئی تھی۔ کونے کھدروں میں میلے کپڑوں کی ڈھیریاں لگی ہوئی تھیں۔ بلاشبہ یہ محبت کرنے والوں کا نہیں، اجڑے ہوئے انسانوں کا مسکن تھا۔ اسے حیرت تھی کہ کیا کملا کسی ڈھنگ کی ملازمہ کا بھی بندوبست نہیں کر سکتی تھی؟ تاسف سے اس کے چہرے کے عضلات کھنچ کر رہ گئے۔

"کملا ......!" اس نے بوجھل آواز میں کہا۔

"بھگوان کا واسطہ ......!" کملا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ایک جھٹکے سے اس کے

سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ "یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے تنہا چھوڑ دو، مجھے کسی دوست، کسی واعظ، کسی ناصح کی ضرورت نہیں۔"

"میں پھر کسی وقت آؤں گا۔" ورما نے کہا اور خوشی سے رخصت ہو گیا۔

کملا نے اس کے جانے کے بعد رونا چاہا مگر آنسوؤں کے سوتے بھی شاید خشک ہو گئے تھے پھر جیسے دھیرے دھیرے وہ خود اپنی مشیر بن گئی۔ اس طرح تو تم کرشن کو اپنے سے بھی دور کر دو گی کملا! اس نے اپنے آپ کو سمجھایا۔ "شاید یہ تمہارا ہی قصور ہو، تم نے اپنے آپ کو اتنا بے کشش اور تباہ حال بنا لیا ہے کہ کرشن کا دوسری عورتوں کی طرف متوجہ ہو جانا فطری بات ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔"

پھر اس نے وھسکی کی بوتل توڑ دی۔ گھر کو ایک نئے سلیقے سے سجایا، سنوارا۔ اپنے اچھے ملبوسات نکالے۔ اگلے دن سے جسم کو معمول پر لانے کے لیے ایکسرسائز شروع کر دی۔ روزانہ نہانا، دھونا اور ہلکا سا میک اپ کیے رکھنا بھی اس نے دوبارہ اپنا معمول بنا لیا۔ ورزش اور ترک مے نوشی نے چند ہی دنوں میں پہلے والی حسین اور پرکشش مگر گم گشتہ کملا کی واپسی کی راہیں ہموار کرنا شروع کر دیں۔ کملا کو یقین ہونے لگا کہ اس بار کرشن دورے سے واپس آئے گا تو یقیناً اس کے جذبات پر جمی ہوئی برف پگھل جائے گی۔

لیکن تقدیر اس پر نامہرباں ہو چکی تھی۔ ایک روز کرشن آیا اور رکھائی سے ایک نظر اس کی طرف دیکھ کر اپنا سامان باندھنے لگا۔

"یہ کیا کر رہے ہو کرشن؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"میں تم سے علیحدگی اختیار کر رہا ہوں۔" کرشن کا اجنبی لہجہ خنجر کی طرح اس کے دل کو چیر گیا۔ "عدالت کے ذریعے کچھ عرصے میں طلاق کی کارروائی مکمل ہو جائے گی۔"

کملا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس شخص کے لیے اس نے سب کچھ تج دیا تھا۔ اس کی ٹانگوں میں جان نہ رہی۔ وہ دھم سے صوفے پر گر پڑی۔

"تم مجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔" اس کے حلق سے سرسراتی سی آواز نکلی۔ "جب تک میں زندہ ہوں تم میرے پتی رہو گے۔" پھر اس نے دھیرے سے آنکھیں بند کر

لیں۔ چند لمحے بعد اس نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا تو کرشن جا چکا تھا۔ وہ ہذیانی حالت میں اٹھ کر چلتی ہوئی باتھ روم میں پہنچی۔ واش بیسن پر کرشن کا شیو کا سامان اب موجود نہیں تھا لیکن ایک پرانا بلیڈ پڑا تھا۔ اس نے بلیڈ اٹھایا اور بلا تامل اپنی کلائیوں کی رگیں کاٹ ڈالیں۔

کملا کی خودکشی کی یہ کوشش ناکام ہوگئی۔ آنند وہما اس روز بھی اتفاقاً اس سے دوبارہ ملنے کے ارادے سے اس کے ہاں پہنچ گیا تھا اور کوئی جواب نہ پا کر اندر آگیا تھا۔ کملا کو اس نے باتھ روم میں اس عالم میں پڑے دیکھا کہ اس کا جسم تو خون سے خالی ہو کر سفید پڑ چکا تھا اور باتھ روم کا فرش سرخ تھا۔ ورما نے اسے ہسپتال پہنچایا اور ڈاکٹروں کی کئی دن کی کوششوں کے بعد آخر کار وہ شہر حیات میں لوٹ آئی۔ موت اس سے کنی کترا کر گزر گئی تھی۔

اگر اس کے بعد کرشن کا رویہ تبدیل نہ ہو گیا ہوتا تو شاید ایک بار پھر مرنے کی کوشش کرتی۔ کرشن اس کی خودکشی کی کوشش کے بارے میں سن کر لوٹ آیا تھا۔ وہ بے حد پشیمان نظر آتا تھا۔ ہر وقت اس کی دلجوئی کی کوششوں میں مصروف رہتا۔ آخر کار کملا کو یقین آگیا کہ اس کی محبت نے ایک بار پھر کرشن کا دل جیت لیا ہے اور وہ اپنی بے وفائی و سنگدلی پر پشیمان و شرمسار ہے۔

کملا کی صحت بحال ہونے کے بعد وہ اسے سیر و تفریح کے لیے بھی لے جانے لگا۔ اس کے رویے میں اب بھی وہی گرمجوشی تھی جو شادی کے ابتدائی دنوں میں ہوا کرتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب ہر لمحے کرشن کو صرف اور صرف کملا کی خوشنودی کی فکر ہے۔ اور کملا بلاشبہ بہت خوش تھی۔

جب بھی کرشن فارغ ہوتا وہ کسی نہ کسی جزیرے یا تاریخی مقام پر چلے جاتے اور پکنک کے سے انداز میں دن گزارتے۔ ایسی ہی ایک پکنک کے دوران ایک جزیرے پر انہوں نے پرانی طرز کی ایک طویل و عریض عمارت دیکھی جو یوں ویرانی اور سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی، گویا صدیوں سے اس میں کسی ذی روح نے بسیرا نہ کیا ہو، حالانکہ بظاہر وہ صاف ستھری اور رہائش کے قابل نظر آتی تھی۔

"یہ کیا ہے کرشن؟" کملا نے اشتیاق سے پوچھا۔ وہ دونوں ہی پہلی مرتبہ اس

جزیرے پر آئے تھے۔ اس کا نام بالی تھا۔ یہاں چونکہ کوئی تفریحی یا تاریخی چیز نہیں تھی۔ اس لیے لوگوں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔

"مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ یہ کیسی عمارت ہے۔" کرشن بولا۔ "اس پر کوئی بورڈ وغیرہ بھی نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں، شاید کوئی اندر موجود ہو۔" اس نے آگے بڑھ کر عمارت کے بلند و بالا سیاہ آہنی گیٹ کی کنڈی زور سے کھٹکھٹائی۔ کچھ دیر بعد گیٹ میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی اور سپاٹ سے چہرے والی ایک عورت نے باہر جھانکا۔ اس کے جسم پر سیاہ لبادہ تھا۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی ویرانی رچی ہوئی تھی۔ اس نے سر کے گرد بھی ایک سیاہ رومال کس کر باندھا ہوا تھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" کرشن نے پوچھا۔ عورت نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اشارے سے بتایا کہ وہ بول نہیں سکتی، البتہ کسی اور کو بھیج رہی ہے۔ وہ چھوٹا گیٹ کھول کر واپس چل دی۔ کرشن کملا کا ہاتھ پکڑ کر عمارت میں داخل ہو گیا۔ وہ ایک طویل و عریض میدان نما صحن میں کھڑے تھے۔ اصل عمارت اس میدان کے وسط میں تھی اور غالباً بیسیوں کمروں پر مشتمل تھی ان میں بیشتر کمروں کی کھڑکیوں اور دروازوں سے ویسے ہی حلیئے والی بیسیوں عورتیں جھانک رہی تھیں جیسی گیٹ کھولنے آئی تھی۔ کملا اور کرشن حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے کہ اتنی عورتوں کی موجودگی میں اس آسیب زدہ سی عمارت پر موت کا سناٹا طاری تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور عورت عمارت سے نکل کر ان کی طرف بڑھی۔ حلیہ تو اس کا بھی دیگر عورتوں جیسا ہی تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی جس کی وجہ سے وہ قدرے مکمل انسان لگ رہی تھی۔ وہ قریب آئی تو کرشن نے اپنا سوال دہرایا۔

"یہ عمارت دراصل گرو رام راج کی داسیوں کا آشرم ہے۔ اور یہاں میرے سوا سب داسیوں نے چپ کا برت رکھا ہوا ہے ہمیشہ کے لیے۔" عورت نے بتایا۔ "باہر کی دنیا سے ہمارا رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ بس یہ آشرم ہی ہماری دنیا ہے۔"

کملا اور کرشن نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر کملا جھجکتے ہوئے بولی۔ "تمہارا مطلب ہے کہ یہ داسیاں اب زندگی بھر خاموش رہیں گی؟"

"ہاں۔" عورت نے اطمینان سے اثبات میں سر ہلایا۔ "ان کو گرو رام راج کی آگیا کا پالن کرنا ہے۔ گرو کا کہنا ہے کہ یہ دنیا میں اپنا کردار ادا کر چکی ہیں۔ جتنا بولنا تھا' بول چکی ہیں' دنیا میں اب ان کا کوئی بھی نہیں جس کے لیے یہ زندہ ہیں۔ اس لیے انہوں نے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا لی ہے۔"

کرشن اور کملا حیرت سے اس عمارت اور اس کے مہر بہ لب مکینوں کا جائزہ لیتے واپس آ گئے۔ اس سے اگلے روز ان کا ایلی فنٹ کیوز یعنی ہاتھی والے غاروں کی سیر کے لیے جانے کا پروگرام تھا۔ وہ تاریخی غاروں کا ایک طویل سلسلہ تھا اور دنیا بھر سے سیاح وہاں آتے تھے۔ وہ غار ہاتھی والے غاروں کے نام سے اس لیے مشہور تھے کہ ان کے اندر کسی کسی موڑ پر چٹانوں کو تراش کراس طرح ہاتھیوں کے مجسمے بنائے گئے تھے کہ اچانک نظر پڑنے پر یہی گمان ہوتا تھا کہ سامنے کوئی ہاتھی چلا آ رہا ہے۔

کیلاش امبانی کو اس وقت خاصی حیرت ہوئی جب اس کے ملازم خاص نے آ کر بتایا کہ اس کے ایک جہاز کا کو پائلٹ منوہر لال ایک انتہائی اہم بات کرنے کے لیے اس سے فوری طور پر ملنا چاہتا ہے۔ امبانی کا اصول تھا کہ وہ اپنے ملازموں کی فرمائش پر ان سے کبھی نہیں ملتا تھا۔ اسے جب خود کسی کی ضرورت ہوتی تھی' بلا لیتا تھا اور یہ اصول اس کے تمام ملازموں کو معلوم تھا۔ بہرحال اس نے منوہر لال کو اپنے کانفرنس روم میں بلا ہی لیا۔

کیلاش امبانی نے گہری نظروں سے منوہر لال کا جائزہ لیا۔ اس کی رنگت زرد تھی اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔

"مجھے آپ کے پاس آنا تو نہیں چاہیے تھا...... لیکن بات ہی کچھ ایسی ......"

"فضولیات کی ضرورت نہیں۔" امبانی نے سرد لہجے میں کہا۔ "مختصر ترین لفظوں میں وہ بات کرو جس کے لیے آئے ہو۔"

"وہ ...... سر ...... میری رشتے کی ایک ماسی کراس آئی لینڈ پر ایک بنگلے میں ملازمت کرتی ہے۔" منوہر لال نے بوکھلا کر جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔ "اس کا کہنا ہے کہ میڈم امبانی اور کرشن اکثر وہاں ایک بنگلے میں ٹھہرتے ہیں ...... میری وہ ماسی مجھ سے ملنے کئی بار یہاں آ چکی ہے۔ وہ میڈم اور کرشن دونوں کو پہچانتی ہے۔ اس نے کئی

مرتبہ دور سے دونوں کو ریت پر لیٹے اور ...... میرا مطلب ہے ...... کافی بے تکلفی کی حالت میں دیکھا ہے۔ میں نے سوچا......"

"تم نے جو کچھ بھی سوچا' مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" امبانی نے خشک لہجے میں کہا۔ اس کے تاثرات میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ منوہر لال کا خیال تھا کہ اس کی بات سن کر پہلے امبانی کی آنکھیں حیرت سے پھیل جائیں گی' پھر وہ غصے سے آگ بگولا ہو جائے گا' اتنی اہم خبر لانے اور وفاداری کا مظاہرہ کرنے پر انعام و اکرام سے نوازے گا۔ لیکن امبانی کے ردعمل نے اس کے پیروں تلے سے زمین نکال دی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "میڈم امبانی میری پتنی ضرور ہیں لیکن میاں بیوی کی نجی زندگیوں کے بارے میں میرے نظریات ذرا مختلف ہیں۔ وہ اپنی نجی زندگی میں کیا کرتی ہیں' کس سے راہ و رسم رکھتی ہیں' میں اس کی زیادہ کھوج میں رہنا نہیں چاہتا۔ میں پتنی کو زرخرید غلام کی طرح رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اور نہ ہی خود پتنی کا زرخرید غلام نظر آنا چاہتا ہوں۔ سمجھے؟ آئندہ ایسی اطلاعات لانے کی ضرورت نہیں۔ گیٹ آؤٹ۔"

منوہر لال ہانپتا کانپتا کمرے سے نکل گیا۔ امبانی دیر تک اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں جو شاذونادر ہی نمودار ہوتی ہیں۔ وہ اپنے گھر کی ایک تقریب میں کرشن کی بیوی کملا سے مل چکا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرشن خوش قسمت تھا جو اسے ایک خوش شکل اور ذہین بیوی ملی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ انتہائی فرماں بردار اور آنکھیں بند کر کے شوہر پر بھروسا کرنے والی عورت تھی۔

لیکن وہ راجکماری کے حسن کی تباہ کاریوں سے بھی واقف تھا۔ چند منٹ تک ساکت کھڑا رہنے کے بعد وہ اپنی خوابگاہ کی طرف چل دیا۔

اس سے اگلے دن منوہر لال اپنی چھوٹی سی کار میں ایئرپورٹ جانے کے لیے روانہ ہوا لیکن راستے میں ایک ٹرک نے ون وے توڑتے ہوئے تیز رفتاری سے آ کر اس کی گاڑی کو ٹکر مار دی۔ منوہر لال نے موقع پر ہی دم توڑ دیا۔ ٹرک ڈرائیور ٹرک سمیت فرار ہو گیا۔ اس سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ کوئی اس کا نمبر بھی نوٹ نہیں کر سکا۔

کرشن اور کملا جب ٹکٹ لے کر غاروں کے طویل اور شاخ در شاخ سلسلے میں داخل ہونے لگے تو کئی گائیڈ لڑکوں نے انہیں اپنی خدمات پیش کیں لیکن کرشن نے انہیں سختی سے منع کر دیا۔ کملا کو اس کا رویہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے نہ جانے کس کام کی عجلت سی تھی اور وہ کچھ گھبرایا ہوا بھی لگ رہا تھا۔

منقش اور رنگین دیواروں کا جائزہ لیتے ہوئے وہ غار در غار کافی دور تک چلے گئے۔ ایک مقام پر پہنچ کر سرنگ نما وہ سلسلہ دو شاخوں میں بٹ گیا۔ ایک شاخ کے آغاز پر گتے کی ایک تختی لگی تھی جس پر واضح لفظوں میں لکھا تھا!

"خطرہ۔ بغیر گائیڈ کے اندر نہ جائیں۔"

کملا کو علم ہی نہیں ہو سکا کہ کرشن نے کب یہ تختی ہاتھ مار کر ایک طرف گرا دی۔ وہ کملا کا ہاتھ تھام کر اسی سمت میں چل دیا۔

"اس سلسلے کے آخری سرے پر ایک حیرت انگیز چٹان ہے جسے نہ جانے کن باکمال ہاتھوں نے تراشا ہے۔ اسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔" اس نے پراشتیاق لہجے میں کملا کو بتایا۔

اس غار میں چلتے ہوئے انہیں کافی دیر ہو گئی لیکن وہ کسی خاص مقام پر نہ پہنچے بلکہ اب تو وہ گھپ اندھیرے میں چل رہے تھے۔ کرشن نے کملا کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور اب تک وہ دائیں بائیں آڑے ترچھے نہ جانے کتنی مرتبہ مڑ چکے تھے۔ کملا کو معلوم نہیں تھا کہ جب غار کا تاریک حصہ شروع ہوا تھا تو کرشن نے اپنی جیب سے دھاگے کا ایک گولا نکال کر ایک گڑھے میں پھینک دیا تھا اور اس وقت دھاگے کا ایک سرا اس کے دوسرا ہاتھ میں تھا۔

"میں تو تھک گئی ہوں کرشن!" کملا بولی۔ "اب تو شاید ہم کئی میل فاصلہ طے کر چکے ہیں۔ کہیں واپسی میں راستہ نہ بھول جائیں۔ مجھے تو بالکل اندازہ نہیں کہ ہم کس سمت سے آئے تھے اور کس طرف کو چل رہے ہیں ...... اور مجھے تو ان غاروں میں دلچسپی کی کوئی چیز بھی ابھی تک نظر نہیں آئی۔ بلکہ اب تو دیر سے راستہ نظر نہیں آ رہا۔"

"فکر مت کرو۔" کرشن نے اسے تسلی دی۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے

راستہ معلوم ہے۔ بس اب وہ جگہ تھوڑی ہی دور رہ گئی ہے جسے دیکھنے کے لیے ہم نے اتنا سفر کیا ہے۔"

انہی طفل تسلیوں کے سہارے کملا اس کے ساتھ نہ جانے کتنا فاصلہ طے کر گئی۔ اب وہ بالکل بے دم ہو چکی تھی۔ اس میں ایک قدم اٹھانے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔

"میرا خیال ہے' سمتوں کے بارے میں میرا اندازہ کچھ غلط ہو گیا ہے۔" کرشن قدرے تشویش سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔ میں ذرا پچھلا موڑ دیکھ کر آتا ہوں' وہاں سے شاید ہمیں دوسری سمت میں جانا تھا۔"

"مجھے یہاں ڈر لگے گا۔ یہاں کوئی جانور وغیرہ تو نہیں ہے؟" کملا نے پوچھا۔

"نہیں' نہیں۔ یہاں تو کوئی کیڑا مکوڑا تک نہیں ہوتا۔ مجھے معلوم ہے' یہ شاید دنیا کے سب سے صاف ستھرے غار ہیں۔ کرشن کی آواز گھپ اندھیرے میں ابھری۔ پھر اس کا مضبوط ہاتھ کملا کے ہاتھ سے جدا ہو گیا۔

کملا کو گھپ اندھیرے میں کھڑے ایک گھنٹا گزر گیا۔ اس کا جی چاہا کہ چیخیں مار کر رونے لگے۔ آخر کرشن واپس کیوں نہیں آیا تھا؟ یقیناً وہ بھٹک گیا تھا' سمت بھول گیا تھا۔ اب کیا ہو گا؟ وقت کا اسے کچھ علم نہیں تھا' تاہم اندازاً ایک گھنٹا اور گزر گیا تھا۔

پھر دور کہیں اندھیرے میں پھڑپھڑاہٹ کی آواز ابھری جو قریب آتی چلی گئی۔ اچانک کوئی بھاری مگر لجلجی سی چیز تیز رفتاری سے اس کی پیشانی سے ٹکرائی۔ وہ بری طرح لڑکھڑا گئی۔ اس نے تیزی سے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ اسی چیز کا لمس محسوس کر کے اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ یقیناً ایک غیر معمولی جسامت کی چمگادڑ تھی۔

کملا سہمی ہوئی ہرنی کی طرح ادھر ادھر دوڑنے لگی۔ کبھی وہ پتھریلی دیوار سے ٹکرا جاتی اور کبھی ٹھوکر کھا کر گر پڑتی۔ پھڑپھڑاہٹ اب باقاعدہ شور کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ نہ جانے کس طرف سے کتنی تعداد میں چمگادڑیں اندھیرے میں اڑتی آ رہی تھیں اور کملا کے جسم کے مختلف حصوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

کملا کی گھگی بند ہو چکی تھی۔ خوف و دہشت سے اس کے اعصاب خشک ٹہنیوں کی طرح چٹخنے لگے تھے۔ کچھ بھولی بسری باتیں انتہائی خوف' دکھ یا خوشی کے موقع پر یاد آ

کر انسان کے محسوسات کو سنگین تر بنا دیتی ہیں۔ دہشت کے ان لمحات میں کملا کو یاد آ گیا تھا' اس نے کہیں پڑھا تھا کہ چمگادڑیں خون آشام بھی ہوتی ہیں۔

اس دہشت ناک خیال نے تو رگوں میں خون منجمد کیا ہی تھا کہ ایک اور خیال نہ جانے کہاں سے ذہن میں رینگ آیا۔ کرشن نے تو بڑے وثوق سے کہا تھا کہ ان غاروں میں کوئی جانور نہیں۔ کیا اس نے جھوٹ بولا تھا؟ کیا وہ جان بوجھ کر اسے یہاں چھوڑ گیا تھا' تاکہ وہ انہی تاریک بھول بھلیوں میں بھٹکے بھٹکتے مرجائے؟

اس کا مطلب تھا کہ کرشن درحقیقت پچھلے دنوں اس کے ساتھ اس لیے اتنی محبت و عنایت سے پیش نہیں آ رہا تھا کہ اس کا پیار عود کر آیا تھا بلکہ اس دوران وہ اسے ٹھکانے لگانے ہی کی تیاریاں کر رہا تھا کیونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ کملا سے چھٹکارا پانے کی کوئی ایسی ترکیب سوچ لی تھی جس میں اس کی اپنی گردن پھنسنے کا خطرہ نہیں تھا۔

چیختے چیختے کملا کا گلا بیٹھ چکا تھا۔ دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر وہ زخمی ہو چکی تھی۔ گو کہ کسی چمگادڑ نے اس کے جسم میں دانت نہیں گاڑھے تھے مگر خوف و دہشت کی انتہا پر پہنچ کر اس کے اعصاب جواب دے گئے اور آخر کار وہ بے ہوش ہو گئی۔ آنکھوں کے سامنے چھایا ہوا اندھیرا ذہن پر بھی غالب آ گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو سفید اوور آل پہنے ایک ڈاکٹر اور ایک نرس اس پر جھکی ہوئی تھی۔ ان کے عقب میں اسے کرشن کا چہرہ نظر آیا اور وہ غیرارادی طور پر چلا اٹھی۔

"اسے کمرے سے نکال دو۔" کملا بلک اٹھی۔ ڈاکٹر نے کرشن کو اشارہ کیا اور وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

"شاید تم سمجھ رہی ہو کہ تمہارے شوہر نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی؟" ڈاکٹر ملائمت سے بولا۔ "لیکن یہ سن کر شاید تمہاری غلط فہمی دور ہو جائے کہ تمہیں ڈھونڈنے کے لیے امدادی پارٹی لے کر تمہارا شوہر ہی پہنچا تھا۔ وہ بھی دراصل راستہ بھول گیا تھا اور تمہیں کھو بیٹھا تھا۔ کسی نہ کسی طرح وہ باہر آیا اور اس نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے اپنے دو آدمیوں اور دو گائیڈوں پر مشتمل امدادی پارٹی فوری طور پر اس کے ساتھ روانہ کر دی اور یوں تمہیں ڈھونڈا گیا۔"

"اوہ ......" کملا نے منہ چھپایا۔ "میں خواہ مخواہ کرشن پر بداعتمادی کا اظہار کر رہی تھی۔ اسے بلائیں۔ میں اس سے معافی مانگوں گی۔"

"فکر مت کرو۔ اس نے برا نہیں منایا۔ اسے معلوم ہے' تمہارے اعصاب پر کتنا اثر پڑا ہے۔ فی الحال تم یہ انجکشن لگوا لو۔ ڈاکٹر نے سرنج اس کے بازو کی طرف بڑھائی۔ کملا نے دیکھا کہ اس کے جسم پر کئی جگہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"میں اس وقت کہاں ہوں؟" کملا نے پوچھا۔

"کراس آئی لینڈ کے ایک پرائیویٹ بنگلے میں۔ کسی خاتون نے تمہیں پناہ دی ہے۔ کیونکہ فوری طور پر تمہیں ہسپتال نہیں پہنچایا جا سکا تھا۔ تمہارا شوہر مجھے اور اس نرس کو ڈاک یارڈ سے نیوی کے ایک میڈیکل سنٹر سے بلا کر لایا تھا۔" ڈاکٹر نے جواب دیا اور اسے انجکشن لگانے کے بعد آرام کی تلقین کر کے وہ اور نرس رخصت ہو گئے۔ کرشن دوبارہ کمرے میں نہیں آیا۔ حتیٰ کہ کملا کے ذہن پر غنودگی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔

وہ کوئی ڈراؤنا خواب تھا جس سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ سہمی سہمی نظروں سے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ بہرحال کمرے میں بتیاں روشن تھیں اور دروازہ بند تھا۔ کمرے میں وہ اکیلی تھی اور کائنات پر بیکراں سکوت کا سائبان پھیلا ہوا تھا۔ کملا کو اس کمرے میں لیٹے لیٹے خوف آ رہا تھا۔ اس کا پورا وجود تکلیف اور راحت' احساس اور بے حسی کے درمیانی منزلوں پر کہیں مقید ہو کر رہ گیا تھا۔

دفعتاً" قریب ہی جیسے کچن میں کسی برتن کی کھنک ابھری۔ کرشن شاید کچن میں تھا۔ مگر کئی منٹ تک جب وہ اس کے پاس نہ پہنچا تو وہ خود ہی اٹھی اور آہستگی سے دروازہ کھول کر اندازاً اس سمت میں بڑھی جدھر سے اس نے برتن کی کھنک سنی تھی۔ سامنے اندھے شیشے والا ایک سفید دروازہ دکھائی دے رہا تھا جس کے پیچھے روشنی تھی اور کرشن کی پرچھائیں شیشے پر دکھائی دے رہی تھی۔ پھر اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو ایک اور پرچھائیں ابھری۔ یہ پرچھائیں کسی عورت کی تھی۔

کرشن کے ساتھ کچن میں کوئی عورت موجود تھی؟ اس کے مجروح ذہن اور دکھتے

جسم کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ ننگے پیروں دھیرے دھیرے آگے بڑھی۔ اندر سے ان دونوں کی آواز سنائی دے رہی تھی جو سرگوشیوں سے کچھ بلند تھی۔ کملا نے دروازے کی معمولی سی درز سے جھانک کر دیکھا۔ میڈم امبانی سامنے بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کافی عرصہ پہلے کرشن نے دور سے اسے یہ عورت دکھائی تھی اور بتایا تھا۔ "یہ ہے' وہ سابق فلمی ہیروئن راجکماری اور آج کی میڈم امبانی جس نے یہاں میرا ملازمت کرنا دوبھر کر رکھا ہے ورنہ شاید آج میں دنیا کا مسرور ترین انسان ہوتا۔"

وہی عورت اس وقت گھٹی گھٹی آواز میں کرشن پر برہم ہو رہی تھی جو کافی بنا رہا تھا۔ "تم سارا کام صحیح کر کے خواہ مخواہ پولیس کے پاس دوڑے چلے گئے۔"

"میں مجبور ہو گیا تھا۔" کرشن نے ہلکی سی جھنجلاہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "میں غار سے نکلا تو ایک گائیڈ خواہ مخواہ میرے راستے میں آ گیا۔ گائیڈوں والے پہلو پر ہم نے پہلے غور ہی نہیں کیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کمبخت گائیڈ نے خاص طور پر ہمیں اندر جاتے دیکھا تھا۔ اپنی دانست میں بڑے ہمدردانہ انداز میں کہنے لگا۔ "صاحب! آپ تو اپنی میم صاحب کے ساتھ اندر گئے تھے۔ وہ نظر نہیں آ رہی ہیں۔ انہیں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا؟ میں اسے ٹالنے کی کوشش کرتا تو وہ شک میں پڑ جاتا۔ چنانچہ مجھے اچانک ایسی اداکاری کرنی پڑی جیسے میں سخت گھبرایا ہوا ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اندر اپنی پتنی کو کھو بیٹھا ہوں۔ پولیس کے پاس بھی درحقیقت وہی دوڑا گیا تھا۔ بہرحال ...... ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا۔ اب ایسی گواہیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ میں اپنی بیوی کے لیے کس قدر فکر مند تھا۔ اس طرح آئندہ مجھ پر قتل کا الزام آنے کے امکانات اور بھی کم ہو گئے ہیں۔"

"ہاں ...... اب تو ایک ڈاکٹر بھی موجود ہے جو وقت پڑنے پر گواہی دے سکتا ہے کہ اس حادثے کے بعد کملا کی ذہنی حالت بہت خراب تھی۔ اس کے حواس مختل تھے۔" راجکماری نے کرشن کے قریب رک کر کہا۔ "اسی لیے میں کہہ رہی ہوں کہ یہ ایک سنہری موقع ہے۔ اسی بے ہوشی کی نیند میں اسے ٹھکانے لگا دو۔ لاش کسی پہاڑی پر سے گرا دیں گے۔ بعد میں کہہ دینا کہ وہ نیند میں اٹھ کر چل دی ہو گی۔ اس کا دماغ تو ٹھکانے پر تھا ہی نہیں۔ حادثے کا شکار ہو گئی۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" کرشن نے کافی کا ایک مگ خود اٹھا کر اور ایک اسے دیتے ہوئے کہا "لیکن میں چند منٹ اس پر غور کروں گا۔ میں اب کوئی کچا قدم اٹھانا نہیں چاہتا۔"

"یہ عورت تو آسیب کی طرح تمہیں چمٹ گئی ہے۔ یہ سیدھے طریقے سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔" راجکماری نفرت سے بولی۔

کملا میں اب مزید کچھ سننے کی تاب نہیں تھی۔ اعتماد کے محل مسمار ہونے کے صدمے سے وہ ایک بار پہلے بھی گزر چکی تھی۔ تاہم اس کے بعد کرشن نے اپنے رویے سے گویا اس کی تلافی کر دی تھی' مگر اب کملا کو علم ہو گیا تھا کہ وہ تلافی بھی درحقیقت اسے ٹھکانے لگانے کی سازش ہی کا ایک حصہ تھی۔ اس کا وجود راکھ کے بت کی طرح بکھرنے لگا تھا۔ غار والے حادثے سے وہ پہلے ہی مجروح اور نیم جاں تھی۔ اب کرشن کے منہ سے یہ الفاظ سننے کے بعد تو گویا زندگی ہی بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ اپنے آپ سے پوچھے جا رہی تھی۔ "یہی ہے" وہ شخص جس کے لیے تو نے زندگی وقف کر دی' دنیا تج دی' آنند ورما جیسے چاہنے والے کو دھتکار دیا؟ یہی ہے' وہ شخص جو مہینوں مہینوں تجھ سے دور نہ جانے کس کس کی بانہوں کا سنگھار بنا رہا مگر تو مجسم وفا اور سراپا انتظار بن کر اس کی راہ تکتی رہی؟ تو نے کسی مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اپنی خواہشوں اور اپنے جذبوں کو انتظار اور امانت داری کی سولی پر چڑھائے رکھا۔ یہی ہے وہ شخص؟ یہی ہے وہ شخص؟" وہ اپنے آپ سے سوال کیے جا رہی تھی مگر اس کے باطن سے کوئی جواب آنے کے بجائے ایک آسیبی سی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ دروازے سے ہٹی اور راہداری میں تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔

"کملا! یہاں سے بھاگ جا ...... یہ دونوں مل کر تجھے قتل کر دیں گے ...... بھاگ جا ......" کوئی غیبی طاقت اس کے کان میں سرگوشیاں کیے جا رہی تھی۔ اس کا ذہن شل ہو رہا تھا۔ راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ٹانگوں میں سکت نہ تھی مگر وہ گرتی پڑتی' ڈھونڈتی ڈھانڈتی گیٹ تک پہنچ ہی گئی۔

گیٹ کھول کر وہ دبے پاؤں نکلی اور سمت کا تعین کیے بغیر ایک طرف کو چلنے لگی۔

کبھی کوئی کنکر وغیرہ اس کے پاؤں میں زیادہ ہی زور سے چبھتا تو ایک لمحے کے لیے وہ چونک سی جاتی۔ آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی دھند میں انتشار سا پیدا ہوتا مگر دوسرے ہی لمحے وہ جیسے دوبارہ دھوئیں کے سمندر میں ڈوب جاتی اور پہلے ہی کی طرح غیر ارادی طور پر، گرتی پڑتی چلنے لگتی۔

اسے مبہم سا احساس تھا کہ چلتے چلتے اسے کافی دیر ہو گئی ہے۔ زخمی پیروں تلے اسے ناہموار کنکروں، پتھروں، کانٹوں کی جگہ نرم اور خنک ریت کا لمس محسوس ہونے لگا تھا۔ پھر اسے کہیں دور سے پانی کی شپ شپ سنائی دی۔ بمشکل تمام اس نے بوجھل پپوٹے اٹھا کر دیکھا۔ سمندر دور نہیں، اس کے سامنے ہی تھا۔

پہلے اس کا جی چاہا کہ سیدھی چلتی رہے اور دھیرے دھیرے سمندر میں اتر جائے۔ مقصد تو بس یہی تھا کہ وہ چلتی رہے، چلتی رہے حتیٰ کہ اس کے پاؤں جنبش کرنے سے معذور ہو جائیں۔ اسے اب بھی یقینی طور پر معلوم نہیں تھا کہ وہ واقعی چل رہی ہے یا تصور ہی تصور میں محو سفر ہے۔

دفعتاً" اسے کچھ دور چپوؤں والی ایک بہت چھوٹی سی کشتی ساحل پر ایک بھاری پتھر کے ساتھ رسی سے بندھی نظر آئی۔ کملا نے بمشکل اپنا رخ بدل کر اس طرف چلنا شروع کردیا۔ کشتی کے قریب پہنچ کر اس نے بڑے سے پتھر کے گرد لپٹی ہوئی رسی کی گرہ کھولنے کی کوشش کی لیکن اس کی انگلیاں گویا برف کی قاشیں بنی ہوئی تھیں۔

یخ بستہ اور اکڑی ہوئی ان بے حس انگلیوں سے گرہ کھولتے کھولتے وہ بے دم ہو کر گیلی ریت پر گر پڑی مگر جوں توں کر کے دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ گرہ کھل چکی تھی اور پتھر کے گرد لپٹی ہوئی رسی، کشتی کی حرکت کے ساتھ کھلتی جا رہی تھی۔ موجوں کی تلاطم کے ساتھ کشتی تیزی سے ادھر ادھر ہلکورے لے رہی تھی۔

کملا پانی میں چلتی، گرتی اور سنبھلتی کشتی تک پہنچی اور اس میں سوار ہو کر چت لیٹ گئی۔ آسمان پر نامکمل چاند کملا کو بے حد دھندلا دکھائی دے رہا تھا اور اس سے کافی فاصلے پر چند ستارے یوں قطار میں جھلملا رہے تھے، جیسے آسمان کے رخسار پر آنسوؤں کی لکیر ابھر آئی ہو، جیسے وہ کملا کے غم میں شریک ہو کر رو رہا ہو، جیسے وہ اس کے معصوم ارمانوں کی بربادی پر آنسو بہا رہا ہو۔

کملا نے محسوس کیا کہ کشتی بری طرح ہچکولے کھاتی کسی سمت میں بڑھنے لگی تھی۔ ہچکولوں کے ساتھ ہی اس کے ذہن پر چھائی ہوئی دھندلاہٹ گہری ہونے لگی۔ نہ جانے کتنی دیر تک اس کا یہ بے منزل سفر جاری رہا۔ اسے پانی کے ٹھنڈے چھپاکوں سے کچھ ہوش آیا۔

اس نے محسوس کیا کہ اس کا وجود پانی میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ کبھی ڈوب رہا تھا، کبھی ابھر رہا تھا۔ کشتی غالباً الٹ چکی تھی۔ کملا کو اتنا احساس ضرور تھا کہ اگر اس نے ہاتھ پاؤں نہ مارے تو وہ بہت جلد ڈوب جائے گی۔ لیکن اس میں ہاتھ پاؤں ہلانے کی سکت ہی نہیں تھی۔ زندگی کی کشش یا موت کے خوف کا بھی اس کے نزدیک کوئی مفہوم نہیں رہا تھا کیونکہ اس کے سینے میں شیشہ دل ہی سلامت نہیں رہا تھا اور جب دل ہی کھنڈر ہو جائے تو احساسات کہاں زندہ رہتے ہیں؟ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور جسم کو بالکل ہی ڈھیلا چھوڑ دیا۔

بمبئی ہائیکورٹ میں کئی ہفتوں سے قتل کے اس مقدمے کی سماعت جاری تھی جس نے پورے ہندوستان کو چونکا کر رکھ دیا تھا۔ یوں تو اس مقدمے میں ایک ملزمہ تھی اور ایک ملزم مگر مقدمے کی اصل شہرت ملزمہ ہی کی وجہ سے تھی جو کبھی ایک فلمی ہیروئن رہ چکی تھی اور جس کی بازگشت ابھی معدوم نہیں ہوئی تھی۔ اسی کی وجہ سے پوری فلم انڈسٹری بطور خاص اس مقدمے کی طرف متوجہ تھی۔ دوسرا ملزم کرشن تھا، ان پر کملا کے قتل کا الزام تھا۔

ہر بار عدالت کی کارروائی کے دوران پچاسیوں رپورٹر موجود ہوتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس مقدمے کا درج ہونا اور خصوصاً اس میں راجکماری کو بھی فریق بنایا جانا آنند ورما کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ممکن ہوا تھا ورنہ شاید وہ پولیس کی تفتیش کے مرحلے پر ہی بچ نکلتی لیکن آنند ورما کا کہیں نام نہیں آیا تھا۔ وہ کسی پیشی پر بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔

رپورٹروں کے لیے کہانی بہت دلچسپ تھی اور وہ اس کی ہر تفصیل کھود نکالنا چاہتے تھے۔ ہندوستان کی خوبصورت ترین سابق فلمی ہیروئن اور ملک کے امیر ترین آدمی کی بیوی کا اپنے جہاز کے پائلٹ سے اس حد تک عشق میں گرفتار ہونا کہ پائلٹ نے اس

کے تعاون سے اپنی بیوی کو قتل کر ڈالا۔ بلاشبہ یہ ایک سنسنی خیز کہانی تھی۔ ابھی جن اخباروں' رسالوں کو حقائق میسر نہیں آرہے تھے' وہ حاشیہ آرائیوں سے اپنی سیل بڑھا رہے تھے۔

کیلاش امبانی جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگوں کو بڑے بڑے جتن کرنے پڑتے تھے' وہ بھی ہر پیشی پر عدالت کے کمرے میں موجود ہوتا تھا اور جو لوگ کہتے تھے کہ امبانی فولادی اعصاب کا مالک ہے۔ وہ بھی دیکھ رہے تھے کہ وہ کس قدر منتشر اور پریشان تھا۔ اس کے فولادی اعصاب کی شکست و ریخت کا اندازہ اس کے چہرے سے لگایا جا سکتا تھا۔ ایک عام آدمی بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کے لیے راجکماری کی زندگی کتنی اہمیت رکھتی تھی۔ وہ شخص جو ملک کی بلکہ غیر ممالک کی بھی معروف اور حسین عورتوں کو ایک اشارے سے اپنے قریب لا سکتا تھا' اگر راجکماری کے لیے پریشان تھا تو یقیناً یہ ایک اہم خبر تھی۔

لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ امبانی ججوں کو بھی خریدنے' دھمکانے اور مقدمے کا رخ موڑنے کی طاقت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر مقدمہ طول کھینچتا جا رہا تھا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ ملک بھر میں اس کیس کی شہرت ہو جانے کی وجہ سے معاملہ اب اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ ججوں کا بک جانا یا کسی دھمکی اور خوف کے زیر اثر آجانا بھی ان کے اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ انہیں بھی اب واقعات' شواہد اور دلائل کی روشنی میں ہی فیصلہ دینا تھا۔

عدالت میں پولیس کی بھاری نفری موجود ہوتی تھی۔ اس کے باوجود سکون برقرار رکھنا اور فاضل لوگوں کو نکالنا ایک مسئلہ بن جاتا تھا۔ کوئی صرف حسن کی اس دیوی راجکماری کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے مرنے مارنے پر تل جاتا تھا جو اس سارے ہنگامے کی جڑ تھی۔ اس کے بارے میں ذرا ذرا سی بات اخبارات و رسائل میں حاشیوں کے ساتھ چھپ رہی تھی۔

کوئی اس مرد میدان کی ایک جھلک دیکھنے آتا تھا جس پر راجکماری جیسی عورت نثار تھی۔ کوئی اس شخص پر نفرت اور لعنت ملامت کی خواہش دل ہی دل میں پوری کرنے آتا تھا جس نے اپنے عشق کو پروان چڑھانے کے لیے اپنی وفا شعار بیوی کو موت کے

گھاٹ اتار دیا تھا غرضیکہ ہر ایک کا اپنا اپنا مطلب تھا اور اپنا اپنا نقطہ نظر۔

راجکماری کے لیے کیلاش امبانی نے بمبئی کے معروف ترین وکیل دیوان ٹھاکر داس کو مامور کیا تھا جو بڑے اور دولتمند لوگوں ہی کے کیس لیتا تھا۔ وہ شاذ و نادر ہی کوئی کیس ہارتا تھا۔ کیلاش امبانی نے اسے بیس لاکھ روپے اس کی فیس میں سے پیشگی ادا کیے تھے۔

کرشن کا وکیل علیحدہ تھا اور وہ ایک عام سا وکیل تھا مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ اگر راجکماری کا وکیل راجکماری کو بچانے میں کامیاب ہو جاتا تو کرشن خود بخود ہی بری ہو جاتا۔ دونوں کی فرد جرم مشترکہ تھی۔

وکیل استغاثہ عموماً زیادہ شہرت کے مالک نہیں ہوتے۔ رندھیر کپور کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ وہ ایک ذہین اور محنتی نوجوان تھا اور اس کیس میں وکیل استغاثہ تھا۔ وہ بیشتر سرکاری وکیلوں کے برعکس کرپٹ نہیں تھا۔ اس نے ہمیشہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دلانے کی مخلصانہ اور بے لوث کوشش کی تھی۔

اس کیس میں بھی رندھیر کپور کا تجربہ اور مشاہدہ یہی کہہ رہا تھا کہ کرشن اور راجکماری مجرم تھے لیکن یہ ثابت کرنے میں اسے سخت دشواری پیش آرہی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس پر وکیل صفائی دیوان ٹھاکر داس کی ذہانت' چالاکی' بے مثال پیشہ وارانہ مہارت اور شاطرانہ چالوں کا دباؤ بہت زیادہ تھا۔ وہ بڑی محنت سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر پولیس سے زیادہ تردد کر کے گواہ لا کر پیش کرتا مگر دیوان کی نہایت سادہ لیکن بے حد خطرناک جرح کے سامنے اس کی شہادت بے اثر ہو کر رہ جاتی۔

اس کیس میں راجکماری اور کرشن کو مجرم ثابت کرنے میں دوسری بڑی دشواری یہ تھی کہ مقتولہ یعنی کملا کی لاش اب تک دریافت نہیں ہو سکی تھی۔ اسی نکتے سے راجکماری اور کرشن کو آس بندھی ہوئی تھی۔ وہ جرم سے انکار کر چکے تھے اور اپنے اس موقف پر قائم تھے۔

کیس کی طوالت نے راجکماری اور کرشن دونوں ہی کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا تھا لیکن راجکماری جب عدالت میں آتی تو اس کی ظاہری حالت سے اعصابی شکست و

ریخت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح نفیس اور خوبصورت ترین لباس میں ہوتی۔ اس کے بے نظیر حسن و نزاکت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی اور اس کا آفتاب شباب ذرا بھی ماند نہیں پڑا تھا۔

عدالت کے کٹہرے میں اسے بیٹھنے کے لیے کرسی دی جاتی تھی اور یہ کیلاش امبانی کے اثر و رسوخ اور اہمیت کا کرشمہ تھا۔ راجکماری اب بھی ایک غیر محسوس سی نخوت سے گردن اونچی کیے آتی تھی اور عام لوگوں پر نظر ڈالے بغیر مقدمے کی کارروائی سنتی تھی۔ اگر اس سے کوئی سوال کیا جاتا تو نہایت وقار' متانت اور اعتماد سے جواب دیتی تھی۔ ان دنوں وہ ضمانت پر تھی۔

پولیس نے جب اسے گرفتار کیا تھا تو راجکماری کا خیال یہی تھا کہ اگر وہ قتل کے الزام میں سزا سے بچ بھی گئی تو کیلاش امبانی کے قہر و غضب سے نہیں بچ سکے گی۔ اسے معلوم تھا کہ جو لوگ امبانی کے خلوص و اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے تھے' وہ دنیا کے کسی حصے میں بھی اس کی سزا سے نہیں بچ سکتے تھے اور یہ سزا امبانی نہایت صبر و سکون اور ٹھنڈے دل کے ساتھ بیٹھ کر دل ہی دل میں تجویز کرتا تھا۔ خواہ اس میں کتنے ہی دن لگ جاتے۔ جلد بازی کا مظاہرہ وہ کبھی نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کبھی اشتعال میں آتا تھا۔

راجکماری کو حوالات میں ڈالا گیا تو ایک ہفتے تک امبانی نے اس کی کوئی خبر نہ لی اور نہ ہی اس کی طرف سے کوئی پیغام آیا۔ وہ سمجھ گئی کہ امبانی نے اس کا نام اپنے ناپسندیدہ اور قابل سزا لوگوں کی فہرست میں لکھ لیا ہے لیکن پھر ایک روز حوالات میں ہلچل سی مچ گئی اور پتا چلا کہ امبانی اس سے ملنے آیا ہے۔

امبانی کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے اور لباس بھی شاید اس نے ایک ہفتے سے تبدیل نہیں کیا تھا۔ راجکماری کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس کے خیال میں امبانی وہ شخص تھا جسے اگر خبر سنائی جاتی کہ کرہ ارض کا ہر انسان ایٹمی جنگ میں مرچکا ہے اور اس کا پیلس بھی چند لمحوں میں زمین بوس ہونے والا ہے' تب بھی شاید وہ متوحش اور فکرمند نظر نہ آتا لیکن آج جس امبانی کو وہ دیکھ رہی تھی' وہ تو محض ایک مجبور و محزون عاشق اور عام سا دل گرفتہ انسان تھا۔

جب وہ بولا تو اس کی آواز میں بھی ہلکی سی لرزش تھی۔ "راجکماری! بے شک تم نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا ہے اور میں نے کئی راتیں یہ سوچتے ہوئے گزاری ہیں کہ تمہیں اس کی کیا سزا دوں لیکن ہر بار یہ سوچتے وقت میرے دل میں درد سا اٹھنے لگا ......اور بالاخر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہارے پاس آگیا ہوں۔ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ مجھے دراصل تم سے عشق ہے اور میں تمہیں موت کے منہ میں جاتے نہیں دیکھ سکتا۔ اگر تم وعدہ کرلو کہ سزا سے بچ جانے کی صورت میں تم آئندہ کرشن سے کوئی تعلق نہیں رکھو گی تو میں تمہاری مدد کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

انسان کو دنیا میں سب سے پیاری اپنی جان ہوتی ہے۔ راجکماری کو یہ تجربہ حال میں ہوا تھا۔ کرشن کے لیے اب اس کے دل میں کوئی محبت نہیں رہ گئی تھی۔ اسے صرف اپنی جان کی فکر تھی۔ امبانی کی جذباتی گفتگو سے راجکماری کے دل میں اس کے لیے بھی محبت پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن اسے معلوم تھا کہ اس خوفناک صورتحال میں اس سے زیادہ مضبوط سہارا اسے کوئی نہیں مل سکتا۔ بے شک وہ بعد میں کرشن کی صورت بھی نہ دیکھ سکے' بے شک اسے ساری زندگی امبانی کی کنیز کی حیثیت سے گزارنی پڑے لیکن وہ زندہ تو رہے گی۔

چنانچہ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ اپنی بے وفائی پر پچھتاوے کا اظہار کیا اور امبانی کو بتایا کہ وہ اس کی محبت کی راہ سے بھٹک گئی تھی لیکن اگر اسے ایک موقع مل جائے تو وہ اس کی تلافی کردے گی۔

اگلے دن امبانی نے اس کے لیے دیوان ٹھاکرداس جیسے وکیل کی خدمات حاصل کر لی تھیں جس نے سب سے پہلے راجکماری کو ضمانت پر رہا کرایا۔ راجکماری کو یہ سن گن بھی مل چکی تھی کہ دوسری کوششوں کے سلسلے میں بھی امبانی نے ڈوریاں ہلانی شروع کردی تھیں۔

کرشن کی بھی کم و بیش یہی کیفیت تھی۔ وفا کا عنصر اس میں تو راجکماری سے کہیں کم تھا۔ اب موت کے خوف نے تو عشق اور ہوس دونوں ہی کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ راجکماری کی صورت دیکھنے سے بھی اسے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ عدالت میں وہ کبھی کبھار ہی اس پر نظر ڈالتا اور حیرت سے سوچتا کہ آخر کیوں اس عورت کے لیے

اس نے اپنے آپ کو عذاب میں ڈال لیا تھا؟ خوبصورت عورتیں تو دنیا میں اور بھی بہت تھیں' خود اس کی اپنی بیوی بھی کچھ ایسی کم خوبصورت نہیں تھی۔

ایک بار تو وہ اعصابی مریضوں کے سے انداز میں جج کے سامنے چلا اٹھا تھا۔ "میں مانتا ہوں کہ ہم نے کملا کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کے لیے تیار ہوں کہ ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ وہ اس رات غائب ہو گئی تھی اور تب سے غائب ہی ہے۔ آپ محض قتل کا ارادہ کرنے پر تو ہمیں سزا نہیں دے سکتے ......"

لیکن ججوں کو اس کی جذباتی چیخ و پکار سے زیادہ دلائل' شواہد اور وکیلوں کی بحث سے دلچسپی تھی۔

راجکماری کا وکیل دیوان ٹھاکرداس بلاشبہ ہر پیشی پر معرکے مار رہا تھا۔ وہ ثابت کر رہا تھا کہ اس کی شہرت بے وجہ نہیں ہے۔ وہ بظاہر عام سی شخصیت کا مالک' ایک گول مٹول اور پستہ قد کا آدمی تھا۔ اس کے جرح کے سوالات بھی نہایت سادہ سے ہوتے تھے لیکن جواب دینے والے کو احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ وہ اسے کس رخ پر لے جا رہا ہے۔ مثلاً سرکاری وکیل نے ایک وکیل کو بطور گواہ پیش کیا جس نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے کرشن اپنی بیوی کو طلاق دینے کے سلسلے میں مشورہ کرنے اس کے پاس آیا تھا۔

اس نے بتایا۔ "لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ ملزم کی بیوی طلاق لینے پر قطعاً آمادہ نہیں اور وہ پتی سے علیحدگی پر موت کو ترجیح دیتی ہے تو میں نے اس شخص کو سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا کہ وہ طلاق کا خیال ذہن سے نکال دے۔"

سرکاری وکیل معنی خیز لہجے میں بولا۔ "گویا ملزم کے پاس اپنی بیوی سے چھٹکارا پانے کا کوئی طریقہ نہیں تھا' سوائے اس کے کہ اس کی بیوی مرجائے۔"

لیکن جب وکیل صفائی دیوان ٹھاکرداس گواہ وکیل پر جرح کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو صورتحال ہی بدل گئی۔ اس نے سادگی سے کہا۔ "آپ فیملی کورٹ کے وکیل ہیں مسٹر شرما! آپ کے پاس مہینے میں طلاق کے کتنے کیس آتے ہیں؟"

"تقریباً دو سو۔" شرما نے جواب دیا۔

"اوہ......!" دیوان نے معصومانہ حیرت سے کہا۔ "تو گویا آپ ہر ماہ دو سو جوڑوں کو

طلاقیں دلواتے ہیں؟"

"سب کو طلاقیں تھوڑا ہی ہوتی ہیں۔" شرما گڑبڑا کر بولا۔ "زیادہ تر لوگ معمولی جھگڑوں پر جذبات میں آکر طلاق کی کارروائی کرنے میرے پاس آجاتے ہیں مگر غصہ ٹھنڈا ہونے پر ارادہ بدل دیتے ہیں۔"

"بہت خوب۔ ایسے لوگوں کی تعداد کتنی ہوتی ہے؟" دیوان نے کہا۔

"تقریباً ساٹھ فیصد۔" شرما نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ کرشن کا شمار ان ساٹھ فیصد لوگوں میں کیوں نہیں کر لیتے؟" دیوان نے یک لخت بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ ان کا شمار ان چالیس فیصد لوگوں میں کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں جو واقعی بیویوں سے چھٹکارا پانے کے خواہشمند ہوتے ہیں جبکہ مسٹر کرشن آپ کے پاس دوبارہ آئے بھی نہیں؟" عدالت کے کمرے میں سناٹا چھا گیا اور گواہ وکیل کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔

اسی طرح سرکاری وکیل نے ایک اور گواہ پیش کیا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر عورت انوشکا تھی۔ اس کا بیان تھا کہ اس نے کراس آئی لینڈ پر ملزم اور ملزمہ کو کئی بار ایک بنگلے کے سامنے پہاڑی کے دامن میں خاصی بے تکلفی کی حالت میں ریت پر پڑے دیکھا تھا۔

دیوان اس پر جرح کرنے کے لیے اٹھا تو اس نے کیس سے متعلقہ سوال کرنے کے بجائے نہایت دوستانہ لہجے میں کہا۔ "انوشکا دیوی! میں خود بھی کراس آئی لینڈ پر کوئی چھوٹا موٹا بنگلا خریدنا چاہتا ہوں۔ آپ تو وہاں کے ایک بنگلے میں کام کرتی ہیں۔ آپ سے مجھے صحیح معلومات مل سکتی ہیں۔ میں نے سنا ہے' وہ بنگلے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں؟"

"جی نہیں۔" انوشکا نے جوش میں کہا۔ "بنگلے تو ایک دوسرے سے کم از کم ڈیڑھ ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر ہیں۔ دراصل جزیرے پر ابھی پوری شہری سہولیات میسر نہیں ہیں۔ صرف شوقین قسم کے لوگ ہی وہاں رہائش رکھتے ہیں۔ زیادہ تر پلاٹ خالی پڑے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس سلسلے میں تفصیل سے بات کرنے آج شام چھ بجے آپ کے گھر آؤں گا۔" دیوان نے نہایت خوش دلی سے کہا' پھر سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

"ابھی کیا وقت ہوا ہے؟"

"میرے پاس گھڑی نہیں ہے۔" انوشکا نے جواب دیا۔

"آپ کے دائیں ہاتھ پر دیوار پر کلاک لگا ہوا ہے۔" دیوان نے کہا۔

انوشکا نے کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھیں سکیڑیں اور بے دھیانی سے کہا۔

"اتنی دور سے مجھے ہندسے صاف نظر نہیں آ رہے۔"

"ملاحظہ فرمایئے می لارڈ!" دیوان نے ڈرامائی انداز میں چیف جسٹس کے سامنے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "جو عورت چار پانچ گز دور لگے ہوئے کلاک میں وقت نہیں دیکھ سکتی' دعویٰ کر رہی ہے کہ اس نے اپنے بنگلے سے دوسرے بنگلے کے سامنے ساحل پر جس جوڑے کو دیکھا وہ یہی ہے جبکہ بنگلوں کے درمیان کم از کم ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ ہے۔"

عدالت میں زبردست بھنبھناہٹ شروع ہو گئی۔

اسی طرح سرکاری وکیل نے ایک ریٹائرڈ پولیس آفیسر وشواناتھ کو بڑی جدوجہد کے بعد عدالت میں بطور گواہ پیش کیا جس نے تسلیم کیا کہ ملزمہ راجکماری ایک عرصے سے ملزم کرشن کی مصروفیات کا پتہ کراتی رہی تھی اور اس کی ٹوہ میں تھی۔ سرکاری وکیل ان گواہوں کی مدد سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ملزم اور ملزمہ کے درمیان ایک مدت سے عشق چل رہا تھا اور ایسا عشق انسان کو قتل پر اکسا سکتا ہے۔

مگر جب دیوان اس گواہ پر جرح کرنے کے لیے اٹھا تو اس نے اپنی مخصوص بے پروائی سے وشواناتھ کے قریب جا کر اس کے سوٹ کا کپڑا چھو کر دیکھا اور ستائشی لہجے میں کہا۔ "بڑا اچھا انگلش سوٹ ہے۔ اپنے ہاں تو یہ کپڑا امپورٹ نہیں ہوتا۔ غالباً آپ جب انگلینڈ گئے ہوں گے تبھی خریدا ہوگا؟"

"میں کبھی انگلینڈ نہیں گیا۔" وشواناتھ نے جواب دیا۔

"اوہ...... تو پھر آپ نے واشنگٹن سے خریدا ہوگا۔ وہاں بھی انگلش سوٹ اصل قیمتوں پر ہی مل جاتے ہیں۔" دیوان نے خوش مزاجی سے کہا۔

"میں کبھی واشنگٹن بھی نہیں گیا۔" وشواناتھ نے گویا صفائی پیش کی۔ "یہ میرے ایک دوست نے کسی کے ہاتھ تحفتاً مجھے بھیجا تھا۔"

"حیرت ہے ...... آپ کبھی انگلینڈ یا امریکہ نہیں گئے اور مجھے پتا چلا ہے کہ آپ ملزم کی انگلینڈ' امریکہ اور فرانس تک میں مصروفیات کے بارے میں رپورٹیں میری موکلہ کو دیتے رہے ہیں۔ کیا وہ فرضی کہانیاں تھیں اور دفتر کی میز پر بیٹھ کر لکھی جاتی تھیں؟"

"ہرگز نہیں۔ میں نے کبھی ہیرا پھیری والا کوئی دھندا نہیں کیا۔" وشواناتھ کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آگئی۔ "کسی بھی سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کا میرا اپنا طریق کار ہے۔ ملک کے اندر اور ملک سے باہر میرے کچھ ذرائع ہیں۔"

"کیا آپ ان ذرائع کو عدالت میں پیش کر سکتے ہیں؟" دیوان نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو بہت مشکل ہے۔" وشواناتھ کچھ گڑبڑا گیا۔

"می لارڈ!" دیوان نے چیف جسٹس کو مخاطب کیا۔ "میں اس شخص کو گواہ تسلیم کرنے سے ہی انکار کرتا ہوں جس نے اپنے طور پر ہی مغربی ملکوں کے پرائیویٹ سراغرسانوں کے انداز میں کھوج وغیرہ لگانے کا دھندا شروع کر رکھا ہے لیکن جو نہ خود سراغرسانی کرتا ہے اور نہ ہی اپنے ذرائع کے بارے میں کچھ بتانے کے لیے تیار ہے۔ جن افراد نے اسے معلومات فراہم کیں' اصل گواہ تو وہی ہو سکتے ہیں' اس شخص کا مقدمے سے کوئی تعلق نہیں۔"

جج نے یہ اعتراض منظور کر لیا۔ وشواناتھ نے اپنی گواہی مسترد ہو جانے پر سکھ کا سانس لیا' وہ خود نہیں چاہتا تھا کہ اس کی گواہی راجکماری کے خلاف کام آئے۔ آخر راجکماری اس کی کلائنٹ رہی تھی اور وشواناتھ کی مالی حالت بہتر بنانے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس پر تو اگر سرکاری وکیل رندھیر کپور نے بہت زیادہ دباؤ نہ ڈلوایا ہوتا تو وہ اس کیس میں عدالت میں قطعاً پیش نہ ہوتا۔

یوں بظاہر صورتحال راجکماری اور کرشن کے حق میں کافی امید افزا جا رہی تھی۔ دیوان ٹھاکرداس اس کیس پر حاوی دکھائی دیتا تھا لیکن راجکماری سے اس کی علیحدگی میں ملاقات ہوتی تو وہ زیادہ پرامید نظر نہ آتا۔ مقدمہ طول کھینچ رہا تھا۔ ججوں کے رویے میں بھی سردمہری تھی۔ وہ غالباً ملزموں کو شک کا فائدہ دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے

اور شاید منتظر تھے کہ کارروائی کے دوران مقتولہ کی لاش یا لاش کی باقیات دستیاب ہو جائیں۔ اگر لاش مل چکی ہوتی تو شاید وہ ان دونوں کو سزا دینے میں ذرا بھی دریغ نہ کرتے۔ خود دیوان کے لیے بھی ان کی یہ سخت مزاجی ناقابل فہم تھی اور وہ ایک بار نیم پچھتاوے کے سے انداز میں کہہ چکا تھا۔ "میں نے اس مقدمے کی شہرت اور بھاری فیس کے لالچ میں خوامخواہ اپنے ریکارڈ کے لیے خطرہ مول لے لیا ہے۔ اگر میں یہ کیس ہار گیا تو میرے ریکارڈ پر ایک بدنما داغ ہوگا۔"

راجکماری حیران تھی کہ کیلاش امبانی کے طاقتور غیبی ہاتھ ابھی تک کوئی کرشمہ کیوں نہیں دکھا رہے۔ آخرکار ایک روز صورتحال میں کچھ تبدیلی آہی گئی۔ اس پیشی پر امبانی بھی عدالت کے کمرے میں موجود تھا۔ راجکماری نے مقدمے کے دوران اسے پہلی مرتبہ ترو تازہ اور ہشاش بشاش دیکھا۔ شیو بھی بنا ہوا تھا اور کپڑے بھی اس کی پرانی روایات کے مطابق نفیس اور بے شکن تھے۔ آنکھوں میں ہلکی سی فاتحانہ چمک تھی۔

مقدمے کے فیصلے کا دن قریب آتا محسوس ہو رہا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ آخرکار امبانی کا کوئی داؤ چل ہی گیا ہے کیونکہ سماعت کے دوران دیوان نے ایک علیحدہ کمرے میں ملزمان اور کرشن کے وکیل سے میٹنگ کی درخواست کی تو اسے فوراً اجازت مل گئی۔

کمرے کا دروازہ بند کرکے دیوان نے نہایت رازدارانہ لہجے میں راجکماری، کرشن اور اس کے وکیل کو بتایا۔ "امبانی آخرکار سودے بازی میں کامیاب ہو ہی گیا ہے۔"

راجکماری فرط مسرت سے اچھل پڑی۔ اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک روز ایسا ہی ہوگا لیکن اس قدر تاخیر نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ کرشن کے چہرے پر بھی چمک آگئی۔

دیوان نے بات جاری رکھی۔ "لیکن جج اپنی نیک نامی اور وقار کو بھی بٹا لگانا نہیں چاہتا۔ چنانچہ طے یہ پایا ہے کہ اگر تم دونوں اپنے موقف تبدیل کر لو اور اقرار جرم کر لو تو جج صاحبان چند ایک دفعات کا سہارا لے کر تمہیں دو دو سال قید کی سزا دیں گے۔ دو سال کوئی بڑا عرصہ نہیں ہوتا جبکہ ججوں کا یہ بھی وعدہ ہے کہ جیل میں تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ خفیہ طور پر گھر جیسی سہولتیں حاصل ہوں گی۔ اس کے بعد امبانی کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس شخص کرشن کو ڈی پورٹ کرا دے گا۔

آئندہ انڈیا میں داخل نہیں ہو سکے گا......اور راجکماری! تمہیں صرف اتنی قربانی دینی ہوگی کہ تم اپنا پاسپورٹ اور شناختی کاغذات وغیرہ امبانی کے حوالے کر دو گی۔ امبانی دوبارہ تمہیں کھونے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ اب بتاؤ، کیا تم دونوں کو یہ سودا قبول ہے؟ یہ یاد رکھنا کہ اگر تم نے موقف نہ بدلا تو جج تم دونوں کو سزائے موت دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ چاہو تو تم دونوں صلاح مشورہ کر لو۔"

راجکماری اور کرشن نے اجنبی سی نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، گویا کہہ رہے ہوں۔ "مشورہ کیا کرنا؟ زندگی پیاری ہے......اسے بچانے کا اب اور کون سا طریقہ ہے؟"

ایک لمحے کے سکوت کے بعد کرشن نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "مجھے منظور ہے۔"

راجکماری نے مزید ایک لمحے غور کیا، پھر متانت سے سر کو اثبات میں ہلکی سی جنبش دی۔ اب دیوان، کرشن کے وکیل کی طرف مڑا۔ "تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں؟"

وہ ایک عام سا گمنام وکیل تھا اور اس کیس میں محض اس آس پر گھسٹ رہا تھا کہ اگر دیوان کی کوششوں سے ملزم بری ہو گئے تو ساتھ اس کی بھی شہرت ہو جائے گی۔ اس نے بلا تامل آمادگی ظاہر کر دی اور ملزموں کے تبدیلی موقف کے کاغذات پر بھی دستخط کر دیئے۔

وقفے کے بعد دوبارہ کارروائی شروع ہوئی تو دیوان نے ججوں کے سامنے کاغذات پیش کرتے ہوئے کہا۔ "حضور والا! میرے اور دوسرے وکیل محترم کے موکلان نے ضمیر کی خلش سے مجبور ہو کر آخرکار فیصلہ کیا ہے کہ وہ اقرار جرم کر لیں۔ انہیں تسلیم ہے کہ انہوں نے کملا کو قتل کرکے اس کی لاش سمندر میں بہا دی تھی۔"

ایک طویل وقفے کے لیے عدالت میں گھمبیر سناٹا چھا گیا۔ ججوں کے سپاٹ چہروں پر بھی ایک لمحے کے لیے ایسے آثار دکھائی دیئے جیسے اس انکشاف سے انہیں شدید دھچکا لگا ہو۔ راجکماری نے دل ہی دل میں انہیں داد دی کہ وہ بڑی عمدہ اداکاری کر رہے تھے۔ صورتحال کا تقاضا یہی تھا۔

ججوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا، پھر چیف جسٹس نے متفقہ فیصلہ سنانا شروع کیا۔

"مقدمے کی طویل کارروائی کے دوران ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ملزمان نے قتل کا ارادہ بے شک کیا تھا مگر اسے عملی جامہ واقعی نہیں پہنا سکے تھے اور چونکہ تاحال لاش دستیاب نہیں ہو سکی تھی' اس لیے ہم نے ملزمان کو شک کا فائدہ دیتے ہوئے بری کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اب ملزمان کے اقرار جرم کے بعد کسی رعایت کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ چنانچہ ہم دونوں مجرموں کو سزائے موت دیتے ہیں۔ 11 دسمبر 1988ء کو صبح طلوع آفتاب کے ساتھ دونوں مجرموں کو پھانسی کے پھندے میں لٹکانے کا حکم دیا جاتا ہے تاآنکہ ان کی موت واقع ہو جائے۔"

راجکماری کو پہلے گمان گزرا کہ شاید جج صاحبان بھی عدالت کے کمرے میں مذاق کرکے کوئی نیا ریکارڈ قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے چہروں پر چھائی گھمبیر سنجیدگی اور سردمہری نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔ وہ منتظر رہی کہ شاید جج صاحبان ابھی اپنے الفاظ کو مذاق میں اڑا دیں گے لیکن وہ فیصلے پر دستخط کرکے اٹھ کر چل دیئے۔

راجکماری کی آنکھوں کے سامنے عدالت کا کمرہ گھومنے لگا۔ لوگوں کے چہرے دھندلانے لگے۔ اس نے اس گوشے کی طرف دیکھا جہاں امبانی کے لیے کرسی رکھی تھی۔ امبانی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں کی آنکھیں ملیں۔ امبانی کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ کی جو مدھم سی رمق ابھری تھی' اسے صرف راجکماری ہی محسوس کر سکتی تھی۔ امبانی نے اپنا ادھ جلا سگار بے دردی سے جوتے تلے مسلا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ راجکماری پتھرائی ہوئی سی آنکھوں سے اس کی خالی کرسی کو تک رہی تھی جیسے وہ کرسی نہیں' موت کی آغوش ہو۔

"آخر امبانی اپنا وار کر ہی گیا......" راجکماری نے اپنے آپ سے سرگوشی کی۔ اسے یاد آگیا کہ امبانی ان لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتا تھا جو اس کے خلوص یا اعتماد کو دھوکا دیتے تھے۔

کرشن پاگلوں کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا تھا۔ "میں نے قتل نہیں کیا......میں نردوش ہوں......میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے......" وہ زور زور سے کٹہرے پر دوہتڑ مارنے لگا۔ پولیس والوں نے اسے پکڑا تو وہ کٹہرے سے سر ٹکرانے لگا۔ اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور باچھوں سے کف بہہ رہا تھا۔ سپاہی اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے

گئے۔

لیڈی پولیس نے راجکماری کو چلنے کا اشارہ کیا۔ راجکماری کرسی سے اٹھی اور گویا عالم خواب میں گردن جھکائے ان کے ساتھ چل دی۔ اس وقت وہ واقعی خواب دیکھ رہی تھی۔ بچپن سے لے کر اپنی اب تک کی زندگی کا لمحہ لمحہ خواب۔ وہ کہاں سے چلی تھی ......کہاں پہنچی تھی ......کہاں کہاں ہوس کے پھندوں میں الجھی......اور کہاں موت نے اس پر شب خون مار لیا۔ یہ سب کچھ وہ خواب کی طرح دیکھ رہی تھی۔ اس نے سنا تھا' موت سے پہلے ایسا ہی ہوتا ہے۔ انسان کی پوری زندگی خواب کی طرح آنکھوں میں گھوم جاتی ہے۔

گرو رام راج کے آشرم کی بلند و بالا چار دیواری میں وہ داسی جو ترجمان کے فرائض انجام دیتی تھی' کیلاش امبانی کے ساتھ شانہ بشانہ ٹہل رہی تھی۔

"یہ آشرم آپ ہی کی دیا اور دان سے آباد ہے شری امبانی!" ترجمان داسی خوشامدانہ لہجے میں بھی ایک وقار برقرار رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "گرو جی تو اس آشرم کو چھوڑ کر امریکہ چلے گئے ......لیکن پچھلے کئی سالوں سے آپ نے ہمیں ان کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ اگر آپ کی طرف سے اتنی بڑی بڑی رقموں سے امداد کا سلسلہ جاری نہ رہتا تو ہم بے سہارا عورتوں کا یہ آشرم بند کرنے پر مجبور ہو جاتے۔"

"آپ ایسا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ یہ آشرم کبھی بند نہیں ہوگا۔" امبانی مشفقانہ لہجے میں بولا۔ "میں ملک میں رہوں یا باہر رہوں......زندہ رہوں یا مروں......اس آشرم کے لئے آپ کو روپیہ برابر ملتا رہے گا۔ اس قسم کے کاموں کے لیے میں نے الگ سے ایک ٹرسٹ قائم کیا ہوا ہے۔ اس کی آمدنی دان ہوتی ہے' مجھے پلے سے نہیں دینا پڑتا۔" ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا۔ "یہ بتائیں کہ وہ بیچاری عورت تو ٹھیک ٹھاک ہے نا جسے آپ لوگوں نے اس طوفانی رات میں سمندر میں ڈوبنے سے بچایا تھا؟"

ترجمان داسی کو خوشی تھی کہ شری کیلاش امبانی نے اس مصیبت زدہ عورت کی امداد میں خصوصی دلچسپی لی تھی جسے اتفاقاً چند داسیوں نے ڈوبتے دیکھ لیا تھا اور رسیوں کی مدد سے کسی نہ کسی طرح پانی سے نکال لائی تھیں۔ ہوش میں آنے کے بعد یہی

محسوس ہوا تھا کہ صدمے سے عورت کا دماغی توازن درست نہیں رہا اور اس کی یادداشت جاتی رہی ہے۔ اس کا طرزِ عمل بالکل ننھے بچوں کا سا تھا۔

بہرحال ترجمان داسی کو امید تھی کہ رفتہ رفتہ اس کی حالت ٹھیک ہو جائے گی۔

شری کیلاش امبانی نے جب سے اس مصیبت زدہ عورت کو دیکھا تھا، کئی مرتبہ اپنی موٹربوٹ میں بیٹھ کر اس کی خبرگیری کے لیے آچکے تھے اور انہوں نے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ اس کا حد سے زیادہ خیال رکھا جائے اور اسے کبھی اس چار دیواری سے باہر مصائب و آلام کی دنیا میں نہ جانے دیا جائے۔ انہوں نے اس عورت کی خصوصی دیکھ بھال کے لیے علیحدہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔

"وہ عورت بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔" ترجمان داسی نے بتایا۔ "اس کی چوٹیں اور زخم وغیرہ ٹھیک ہو گئے ہیں اور اس نے بھی دوسری داسیوں کی طرح چپ رہنا سیکھ لیا ہے۔ وہ وہاں ناریل کے درخت کے پاس بنچ پر بیٹھی دھوپ سینک رہی ہے۔ آپ چاہیں تو جا کر اسے دیکھ سکتے ہیں۔" داسی نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"ہاں۔ میں ذرا ایک نظر اس پر ڈال لوں۔" امبانی نے کہا اور اس کی طرف بڑھ گیا جدھر ترجمان داسی نے اشارہ کیا تھا۔

درخت کے پاس دھوپ میں بیٹھی عورت امبانی کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی مگر اس کی آنکھیں سپاٹ اور ہر جذبے سے عاری رہیں۔ یہ کملا تھی! مگر اس وقت اسے پہچاننا بہت مشکل تھا۔ اس کے جسم پر دوسری داسیوں کی طرح ڈھیلا ڈھالا لمبا سا لبادہ تھا۔ بالوں پر بھی ایک سیاہ رومال کس کر لپٹا ہوا تھا۔ اس کے رخساروں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں، آنکھیں دھنس گئی تھیں اور رنگت یوں سفید پڑ گئی تھی جیسے اس کے جسم میں خون برائے نام ہی رہ گیا ہو۔ ہونٹ بے رس ہو چکے تھے۔

"نمستے۔" امبانی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ کملا نے کوئی جواب نہ دیا۔ خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں شاید آئندہ تمہیں دیکھنے نہ آ سکوں۔" امبانی نے گویا اس کی خالی الذہنی کی پروا نہ کرتے ہوئے بات شروع کی۔ "لیکن تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس چار دیواری میں تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ ویسے اس چار دیواری سے باہر بھی وہ لوگ مر

چکے ہیں جنہوں نے تمہیں دکھ پہنچائے تھے لیکن تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ اسی گوشہ عافیت میں رہو۔ اچھی خوراک کھاؤ تاکہ تمہاری صحت بہتر ہو سکے مگر میری یہ سب باتیں کرنے کا کیا فائدہ؟ تم تو سمجھ ہی نہیں سکتیں ......اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

وہ واپسی کے لیے مڑ گیا، اس لیے دیکھ نہیں سکا کہ اس کے مڑتے ہی کملا کی خالی خالی اور سپاٹ آنکھوں میں ہوش مندی کی چمک ابھر آئی تھی۔ چند قدم دور جا کر امبانی نے ایک بار پھر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور کملا کی آنکھیں دوبارہ پہلے ہی کی طرح سپاٹ اور ہر جذبے سے عاری نظر آنے لگیں۔ پھر وہ امبانی کی طرف سے منہ پھیر کر دوبارہ بنچ پر بیٹھ گئی۔

اس کے منہ پھیرنے کی وجہ امبانی سے نفرت نہیں بلکہ وہ دو آنسو تھے جو اس کی پلکوں تلے مچل رہے تھے۔ پلکیں جھپکتے ہی یہ آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے اور چڑھتے سورج کی کرنوں میں دیر تک جھلملاتے رہے۔ پھر وہ آنسو رخساروں سے پھسل کر اس کے سفید لبادے میں جذب ہو گئے!

